برِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ | جنوری ۲۰۲۲ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ علیہ

مدینہ مسجد کراچی کو بابری مسجد بننے سے بچایئے!

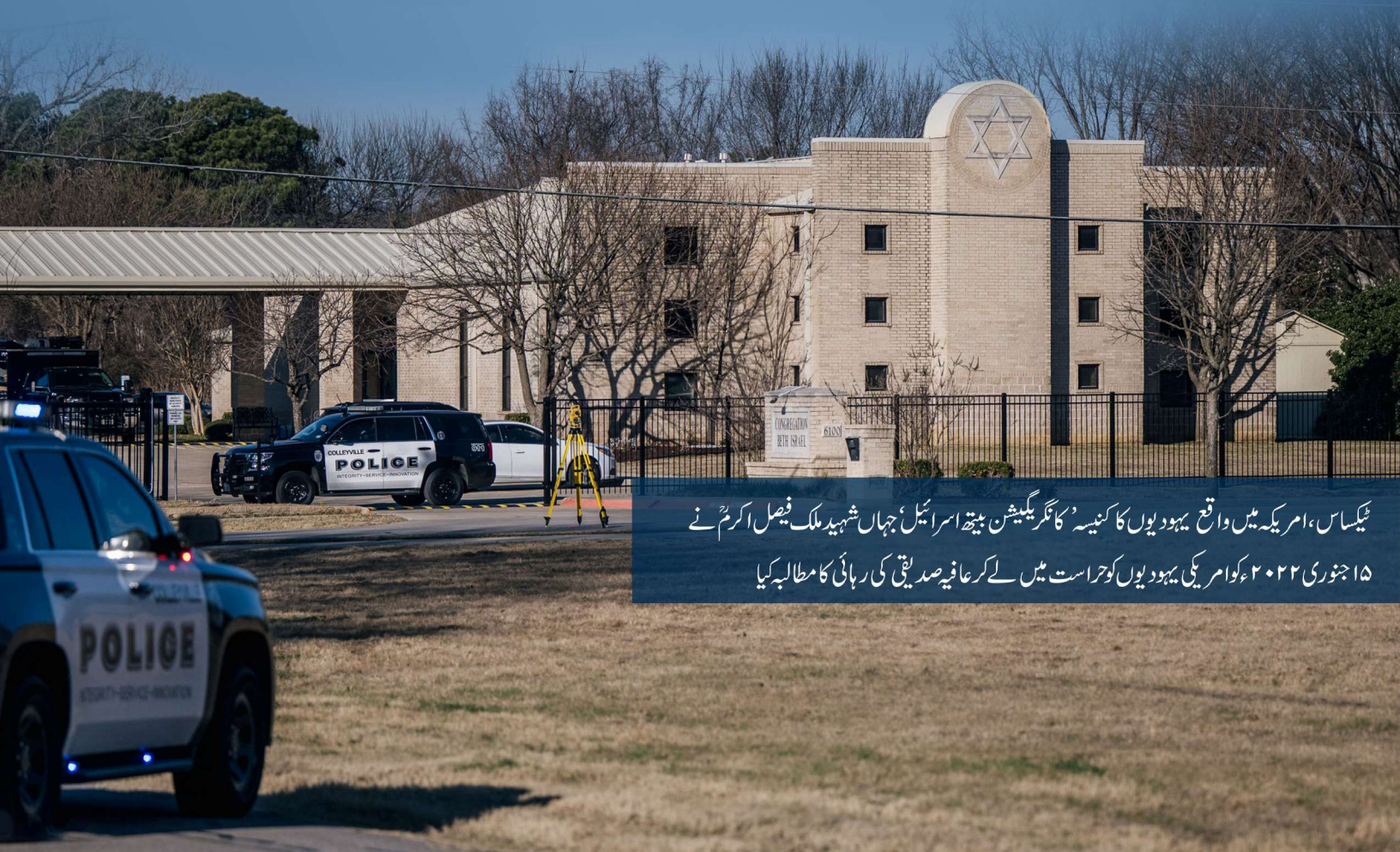

ٹیکساس، امریکہ میں واقع یہودیوں کا کنیسہ ’کانگریگیشن بیتھ اسرائیل‘ جہاں شہید ملک فیصل اکرمؒ نے ۱۵ جنوری ۲۰۲۲ء کو امریکی یہودیوں کو حراست میں لے کر عافیہ صدیقی کی رہائی کا مطالبہ کیا

ایسا ہوتا ہے اِسلام کا حکمراں!

۱۸۷ھ میں رومیوں نے ملکہ 'ایرینی'، اپنی قیصرہ کو معزول کر کے اس کی جگہ 'نقفور' نامی ایک سردار کو اپنا قیصر بنا لیا۔ رومی پہلے سے مسلمانوں سے دب کر خلیفہ ہارون الرشیدؒ سے صلح پر کاربند تھے۔ اب نقفور نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بادشاہِ فرانس 'شارلیمان' سے صلح کی اور اس طرف سے اپنے حدودِ سلطنت متعین کروا کر اور مطمئن ہو کر ہارون الرشید کو ایک خط لکھا کہ:

"ملکہ نے اپنی فطری کمزوری کے سبب تم سے دب کر صلح کر لی تھی اور تم کو خراج بھی دیتی رہی لیکن یہ اس کی نادانی تھی۔ اب تم کو چاہیے کہ جس قدر خراج تم ہماری سلطنت سے وصول کر چکے ہو وہ سب واپس کرو اور جرمانے میں ہم کو خراج دینا منظور کرو، ورنہ پھر تلوار کے ذریعہ تم کو سزا دی جائے گی۔"

یہ خط جب ہارون الرشیدؒ کے پاس پہنچا تو اس کے چہرے سے اس قدر طیش و غضب کے آثار نمایاں ہوئے کہ امرا و وزرا اس کے سامنے دربار میں بیٹھنے کی تاب نہ لا سکے اور خاموشی و آہستگی کے ساتھ دربار سے کھسک آئے۔ ہارونؒ نے اسی وقت قلم و دوات لے کر اس خط کی پشت پر لکھا کہ:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از جانب امیر المومنین ہارون الرشید بنام سگِ روم۔ او کافر کے بچے! میں نے تیرا خط پڑھا۔ اس کا جواب تُو آنکھوں سے دیکھے گا، سننے کی ضرورت نہیں، فقط۔"

یہ جواب لکھ کر خط واپس بھیج دیا اور اسی روز لشکر لے کر بغداد سے بلادِ روم کی طرف روانہ ہو گیا اور جاتے ہی رومیوں کے دارالسلطنت ہرقلہ کا محاصرہ کر لیا۔ نقفور حیران و پریشان ہو گیا اور تابِ مقاومت نہ لا کر ہارون الرشیدؒ کی خدمت میں عفوِ تقصیرات کا خواہاں ہوا اور جزیہ دینے کا اقرار کیا۔ ہارون نقفور کو مغلوب و ذلیل کر کے پہلے سے زیادہ جزیہ ادا کرنے کا اقرار لے کر واپس ہوا!

(تاریخِ اسلام از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادیؒ، ج ۲، ص ۳۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۱

جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ | جنوری ۲۰۲۲ء

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا پندرھواں سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire

قیمت: اس مجلے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

عن ميمونة، مولاة النبي صلى الله عليه وسلم، أنها قالت يا رسول الله، أفتنا في بيت المقدس فقال «ائتوه فصلوا فيه» وكانت البلاد إذ ذاك حربا، «فإن لم تأتوه وتصلوا فيه، فابعثوا بزيت يسرج في قناديله»

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ! بیت المقدس کے لیے آپؐ کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو (اور یہ اس زمانہ کا ذکر ہے کہ جب) ان علاقوں میں جنگ ہو رہی تھی (اس بنا پر وہاں جانا دشوار تھا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر وہاں نہ جا سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو اس کی قندیلوں اور چراغوں کو روشن رکھنے کے لیے تیل ہی بھیج دو۔''

(رواہ أبو داود)

اس شمارے میں

اداریہ
قدم گھروں سے نکالنے کا جواز تم کو بلا رہا ہے! 5
'فیصل'، تم نے امت کی آبرو بچا لی! 8

تزکیہ و احسان
بے جا غیظ و غضب کا علاج 11

قیامت کی نشانیاں
سفرِ آخرت (حصہ دوم) 15

حلقۂ مجاہد
شہادت کی قبولیت کی شرائط 19
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 21

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (ہفتۂ مدحِ صحابہؓ)
صحابۂ کرامؓ کا مقام 25
صحابۂ کرامؓ پر جرح و تنقید 28
صحابۂ کرامؓ کا مقدس مشن 31
صحابۂ کرامؓ کو اپنا آئیڈیل بنائیں!!! 34
ساری عمر برائے مدحِ صحابہؓ! 35

فکر و منہج
امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فتنہ اور اس سے حفاظت 37
برِّ صغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا کیوں واجب ہے؟ 40
تحریکِ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ...... اقامتِ دین کی تحریکات کے لیے ایک عمدہ مثال 46
کرسمس کیک کاٹنے کا جرم...... اسلام کی نظر میں 55
'ہندُتوا' کیا ہے؟ (دوسری قسط) 56

خطوط از ارضِ رباط
منزل ہم سے اوجھل نہ ہونے پائے پیارو! 63

گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ
مسجد تو بنا دی شب بھر میں...... 64

حیّ علی الجہاد!
عافیہ صدیقی، مظلوم بہنو اور اے امت کے نوجوانو! 65

جمہوریت...... عصرِ حاضر کا صنمِ اکبر!
جمہوریت اپنے آئینے میں 67

عالمی منظر نامہ
ہندُتوا تحریک نسل کشی کی تیاری کے مراحل میں 71
عمل کا وقت 79
اخباری کالموں کا جائزہ 81
دگرگوں ہے جہاں...... 88
خیالات کا ماہنامچہ 90

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
مدینہ مسجد 95
لاپتانستان 96

کشمیر...... غزوۂ ہند کا ایک دروازہ
خونیں جنوری 98

جن سے وعدہ ہے مر کر بھی جو نہ مریں!
شہید ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ 100

ناول و افسانے
سحر ہونے کو ہے 102

وغیرہ وغیرہ
سوشل میڈیا کی دنیا سے 109

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس، سٹیٹس، ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے..... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

قدم گھروں سے نکالنے کا جواز تم کو بلا رہا ہے!

مساجد

اللہ کا گھر ہیں۔ ان کو تعمیر و آباد کرنا اللہ کا حکم ہے اور انبیا علیہم السلام کی پیاری سنت۔ مساجد دینُ اللہ کا شعار ہیں۔ اسلامی معاشرے میں ان کے منبر و محراب اہلِ ایمان کا محور اور یہ خود اہلِ اسلام کا مرکز ہیں۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کا کثیر وقت مساجد میں گزارا اور مساجد کو پوری دنیا میں بہترین جگہیں قرار فرمایا۔ مسجد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے عبادت تھی اور امورِ سیاست و سفارت بھی آپ یہیں سے دیکھا کرتے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مسجد ہی میں تعلیم کے لیے درس گاہ اور تزکیے کے لیے مرکز قائم فرمایا اور یہی مسجد جنگی حکمتِ عملی طے کرنے کا عسکری ہیڈ کوارٹر ہوتی اور جنگی تربیت گاہ بھی۔ افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم نے ترپّن برس کی عمر میں مسجد کی تعمیر کے لیے اینٹ، پتھر اور گارا، اپنے مبارک و مطہر ہاتھوں سے ڈھویا۔ آپ کے بعد آپ کے خلفا نے تعظیم و تعمیرِ مساجد کی اسی روایتِ دینی کو قائم رکھا۔ بعداً بغداد، دمشق، قاہرہ، قرطبہ، غرناطہ و استنبول سے لے کر دہلی، لاہور، کابل، سری نگر، ڈھاکہ، حیدر آباد (سندھ اور ریاستِ دکّن دونوں)، آگرہ، ایودھیا اور گیان وپی تک مسلمان سلاطین نے عالی شان مساجد قائم کیں، اسی لیے کہ یہ اللہ کا گھر ہیں، جو ہر شے سے بے نیاز ہے، لیکن اپنا گھر بنانے اور آباد کرنے والوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ ان کو آباد کرنے والوں کی شان بیان کرتے ہوئے اس نے خود اپنی پاک کتاب میں فرمایا:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللهَ (سورۃ التوبۃ:۱۸)

"یقیناً اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔"

اور جو ان مساجد کی خرابی چاہیں اور ان سے دشمنی رکھیں تو ان کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُوْلَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلاَّ خَآئِفِينَ لهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (سورۃ البقرۃ:۱۱۴)

"اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگا دے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کی تخریب کے درپے ہو؟ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہو گا۔"

کیسا افسوس کا مقام ہے کہ دسمبر ۱۹۹۲ء میں بھگوا دہشت گردوں نے بابری مسجد پر ہلہ بولا اور اس کو شہید کر دیا، بعد میں بھارت کی سپریم کورٹ نے اس اقدام کو 'جائز' قرار دیا اور آج وہاں رام مندر قائم ہے۔ شہادتِ بابری مسجد کے تقریباً تین دہائیوں بعد کراچی میں طارق روڈ پر قائم مدینہ مسجد کو شہید کر دینے کا آرڈر اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک کی سپریم کورٹ جاری کرتی ہے کہ یہاں پارک بنایا جائے گا۔ احتجاج کیا جاتا ہے اور پاکستانی

حکومت یہ استدعا کرتی ہے کہ 'مذہبی انتشار پھیلنے کا خطرہ ہے'، لہٰذا اس حکم کو واپس لیا جائے۔ جواباً سپریم کورٹ اور اس کے 'فاضل' جج کہتے ہیں کہ اگر مسجد کو گرا کر پارک بنانے کا حکم واپس لے لیے گیا تو 'تجاوزات' کے خلاف جاری مہم کا کیا بنے گا اور آئین کی بالادستی کہاں جائے گی؟

بھارت نے اپنے وقتِ پیدائش طے کیا تھا کہ وہاں کا آئین و نظام سیکولر ہو گا اور بتدریج وہ 'ہندو' ہو گیا اور آج وہاں کا سارا نظام، حکام و سیاست دانوں سے عسکریوں اور عدالتوں کے ججوں تک ہندتوا کا پرتو ہے یا پرچارک۔ پاکستان کو مملکتِ خداداد کہا جاتا ہے، یہ خداداد اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، بلکہ یوں کہیے کہ کہ جب اسلام کا نام لیا گیا تو خدا نے یہ داد (عطا) کیا۔ یہاں کا نظام اسلامی ہونا تھا، لیکن یہاں اسلام کبھی ایک ثانیے کو بھی نافذ نہ ہو سکا۔ یہاں کبھی مارشل لاؤں کا راج رہا اور کبھی لولی لنگڑی مغرب سے درآمد کردہ جمہوریت کی سلطانی۔ یہاں بہت سے قدیم آئینوں کو ملا جلا کر ایک نیا آئین تیار کیا گیا، اس کو اسلامی دکھانے کے لیے اس وقت کے مغرب نواز حکمرانوں نے اس آئین میں کچھ اسلامی شقوں کا اضافہ اہلِ دین کے خوف سے اپنی کرسی بچانے کی خاطر کر دیا۔ پھر کبھی شوریٰ کریسی لائی گئی، کبھی حدود کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا، کبھی سود کو چال بازی سے جائز قرار دیا اور اسی نظام نے مغرب کی فرمائش پر 'زنا بل' المعروف 'حقوقِ نسواں بل' پاس کیا اور مقابل میں 'حسبہ بل' کو ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا۔ یہاں کے حکمران ہمیشہ مغرب نواز اور امریکہ پرست رہے، چاہے وہ وردی والے ہوں یا بے وردی، سب کا قبلہ و کعبہ وائٹ ہاؤس رہا اور ہے۔ ماضی میں پھر بھی بعض حکمران ایسے رہے جنہوں نے اور کچھ نہیں تو جدید پیمانوں پر معیشت کے پہیے کو کچھ حرکت دی، حالیہ حکمرانوں نے آئی ایم ایف سے اولاً اعلانیہ ثم خفیہ معاہدے کر کے نجانے کتنے اہم وسائل بھی گروی رکھوا دیے۔ نتیجہ وہ ہے جو ایک قابلِ قدر عالمِ دین نے فرمایا تھا 'اپنی جمہوریت..... یہ تو دنیا نہ آخرت!'۔

آج مملکت خداداد کا آئین ایک ایسا تمغجن ہے جس کی شناخت نہ مغربی ہے نہ مشرقی۔ اسلامی نظریاتی کونسل جس نے بتدریج آئین کی غیر اسلامی شقوں کو نکالنے اور اسلامی شقوں کو لانے کی سفارشات دینی تھیں، اس کی حیثیت ایک فلم 'زندگی تماشا' نے ظاہر کر دی۔ فیڈرل شریعت کورٹ حقیقتاً اسی سپریم کورٹ کے ماتحت ہے جو کرپٹ ولادین حکمرانوں کو این آر او دینے میں سہولت کار بنتی ہے، فوجی آمروں سے حلف لیتی ہے، عاشقِ رسول ممتاز قادریؒ کو تختۂ دار پر لٹکاتی ہے پھر کلمۂ شہادت لکھ کر آسیہ ملعونہ کو رہا کر دینے کا فیصلہ جاری کرتی ہے، ملک کے مائی باپ افواج کے اداروں کے ٹاوروں کو ریگولرائز کرتی اور لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی مسجدوں کو 'ایک ہفتے کے اندر اندر مسمار' کر کے وہاں پارک تعمیر کرنے کا حکم جاری کرتی ہے!

اگر آج کے ہندوستان کو وہاں کے حکمران بشمول عدلیہ و فوج (اور ان کا ڈھولچی میڈیا) 'ہندو راشٹر' بنا رہے ہیں تو مملکتِ خداداد کے جملہ حکمران اس کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے مشن پر گامزن ہیں۔ وہاں ہندتوا سپریم ہے تو یہاں بقول سپریم کورٹ کے چیف جسٹس 'آئین کی بالادستی' سپریم ہے۔ دعویٰ دونوں کو 'نام نہاد' جمہوریت کا ہے لیکن نافذ نظام گھور اندھیرے والی چنگیزیت ہے اور وہ زمانہ لد گیا جب اقبالؒ نے کہا تھا 'چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر' کہ مغرب میں بھی بوڑھی جمہوریت بی کا حسن اب دنیا کے سامنے ظاہر و باہر ہے۔

آج سے ٹھیک ایک سال یا کچھ زائد قبل FATF کے ایما و شرائط پر 'اوقافِ مساجد و مدارس' کے خلاف قانون سازی کر کے جو انہیں 'منی لانڈرنگ' سے مطعون و متہم کیا گیا تھا تو تب بھی ہم نے اسی مجلّے کے صفحاتِ اداریہ میں ایک دہائی دی تھی اور مشورہ پیش کیا تھا۔ ایف اے ٹی ایف کے ایما بلکہ حکم پر وہ کالا قانون آج بھی لاگو ہے اور ان قوانین کو پاس کرنے والوں کے مغربی آقاؤں کا عمل بھی دیکھیے کہ وہ ان سے راضی نہ ہوئے اور یہ وردی و بے وردی حکمران آج بھی 'گرے' لسٹ میں ہی گرے پڑے ہیں۔ منی لانڈرنگ کے بعد مساجد کو غیر قانونی قرار دے کر گرانا اب آئین کی بالادستی کہلائے گا؟! قارئینِ ذی قدر کو بخوبی یاد ہو گا کہ مساجد کو کہیں آمر زمانہ جنرل پرویز مشرف کے 'رُوٹ' کے دائیں بائیں ہونے کے سبب اور کہیں یہی

غیر قانونی کی تہمت لگا کر شہر اسلام آباد میں سنہ ۲۰۰۶ء میں گرانے کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اور نتیجتاً دو درجن کے قریب مساجد شہید کی گئیں۔ پھر مساجد کے دفاع وناموس کی خاطر جامعہ حفصہ کی طالبات اٹھی تھیں اور انہوں نے اس بات کو گوارا جانا تھا کہ اگر مساجد شہید کی جاتی ہیں تو ہمارا لہو بھی اسی مٹی میں مل جائے، مساجد ہوں گی تو ہم بھی جئیں گی، مساجد نہیں تو جان قربان۔ اب طالبات نے مساجد کے دفاع کی خاطر سرکاری لائبریری پر قبضہ کیا تو پوری دنیا میں ایک ہنگامہ مچ گیا اور ریاست کی رِٹ چیلنج ہو گئی۔ اس وقت شہیدِ اسلام مولانا عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ 'مسئلہ مساجد کا ہے اور مساجد مقدس ہیں جبکہ لائبریری مقدس نہیں ہے!'۔ [1]

ممکن ہے کہ اہلِ دین کی کوششوں سے سپریم کورٹ اپنا یہ فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہو جائے یا صدرِ پاکستان کے اختیار ذریعہ اس فیصلے کو کالعدم قرار دلوا دیا جائے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ مدینہ مسجد کو گرائے جانے کا فیصلہ اس نظام کے ایک جزو نے صادر کیا ہے جو نظامِ مدینہ کا مخالف بلکہ ضد پر کھڑا ہے اور جس کا ہدف دراصل نظامِ مدینہ کو قائم نہ ہونے دینا ہے۔ ایسے میں ہمیں دو بنیادی کام کرنے کی ضرورت ہے:

اول، جس طرح اس وقت اہلِ دین مسالک اور جماعتوں اور تنظیموں کے مصالح سے بالا ہو کر مدینہ مسجد کی حفاظت کی خاطر کمربستہ ہیں تو اسی موقف پر بعون اللہ استقامت سے رہیں اور مسجد گرانے کو لپکنے والے ہر ہاتھ کو اسی قوت سے روکیں جس قوت سے مخالفین کا ہاتھ آگے بڑھے۔

دوم، مدینہ مسجد کو گرانے اور پارک بنانے کی آڑ میں نظامِ مدینہ ڈھانے والے نظام کو سمجھیں۔ پھر سمجھ کر اس نظام کے خلاف حکمِ شریعتِ آقائے مدینہ (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) کی روشنی میں، اپنی استطاعت کے مطابق نظامِ باطل کو گرانے اور نظامِ اسلامی یعنی شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا اَلف صلاۃ وسلام) کو اپنی ذاتی واجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی خاطر کمربستہ ہو جائیں۔

ان شاء اللہ، اگر ہم ان دو کاموں پر عمل شروع کر دیں تو اسی مبارک محنت کا راستہ پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے، کشمیر کو دارالاسلام بنانے، بابری مسجد کے دوبارہ تعمیر ہونے، ارضِ حرمین شریفین کے صلیبی افواج اور شراب وبدکاری کے اڈوں سے پاک ہونے اور ہماری محبوب مسجدِ اقصیٰ کی پنجۂ یہود سے آزادی کی طرف لے جائے گا۔ یہی راستہ پھر اس شاہراہ سے جڑتا ہے جہاں ساقیٔ کوثر، حوضِ کوثر پر باذن اللہ اپنے پیاسے عاشقوں کو جامِ کوثر اپنے معطر ومطہر ہاتھوں سے پلائیں گے، صلی اللہ وسلم علیٰ حبیبنا ونبیّنا وشفیعنا وقرۃ أعیننا!

ہیں جنتیں منتظر تمہاری، محاذ تم کو بلا رہا ہے
نشیبِ دنیا کے اے اسیرو! فراز تم کو بلا رہا ہے

---

[1] ان طالبات کا احتجاجاً سرکاری لائبریری پر مساجد کے دفاع میں قبضہ کرنا مصلحتاً کس قدر مناسب تھا پر آج اتنے برس گزر جانے کے بعد بات کی جاسکتی ہے، لیکن اس وقت ان طالباتِ علمِ دین نے اپنی حمیت وغیرتِ اسلام میں جو کیا تو ان کی حمیت وغیرتِ دینی ایسی تھی جو مَردوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر مصلحت کو ایک طرف رکھیے، ایک فعل ہو چکا تو وہی مولانا عبد لرشید غازی والی بات کہ 'لائبریری مقدس نہیں ہے مساجد مقدس ہیں'، لائبریری پر قبضہ احتجاجاً تھا جبکہ مساجد عمداً وسازشاً گرائی گئیں تھیں۔ اور مولانا غازی شہید ہی نے کہا تھا کہ 'یہ طالبات ہیں، سٹوڈنٹس ہیں، قائدِ اعظم یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس نے امریکی سفارت خانہ اپنے مطالبات کی خاطر دورانِ احتجاج جلا دیا تھا، تو یہ بھی سٹوڈنٹس ہیں انہوں نے اپنے احتجاج کے لیے ایک طریقہ اپنایا ہے تو ان کا بھی تو مطالبہ سنا جائے اور مطالبہ بھی یہ اپنی خاطر نہیں کر رہیں بلکہ مساجد کے دفاع کی خاطر کر رہی ہیں (جو سب اہلِ اسلام کا مسئلہ ہے)'۔ پھر یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ بعد اًانہی طالباتِ عالی ہمت وحمیت کو مساجد کے دفاع کے 'جرم' میں سفید فاسفورس سے جلا کر شہید کر دیا گیا تھا کہ مساجد گرانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا لیکن سرکاری لائبریری پر احتجاجاً قبضہ کہ وہ 'دفاعِ مساجد' کی خاطر تھا تو اس سے رِٹ چیلنج ہو گئی، باقی ڈی چوک سے پشاور موڑ دھرنوں کی صورت میں قبضہ چونکہ 'جمہوریت' اور 'ووٹ کو عزت دو' کی خاطر تھا تو بہر کیف روا ہے!!!

سپردگی شرطِ بندگی ہے، یہاں پہ مرنا ہی زندگی ہے
عیاں ہوا اہلِ عشق پر جو، وہ راز تم کو بلا رہا ہے

صدائیں کرب و بلا کی گھاٹی سے گھن گرج کی جو آ رہی ہیں
یہ نغمۂ حورِ جنّتاں ہے، یہ ساز تم کو بلا رہا ہے

اذان ہی دے کے سو نہ جانا، ابھی فلسطین تک ہے جانا
تمہارے مالک کا عفوِ بندہ نواز تم کو بلا رہا ہے

فسونِ باطل کو اب مٹاؤ، عمل کا تازہ جہاں بساؤ
پرے اُفق سے، کوئی بغرضِ نیاز تم کو بلا رہا ہے

دلیل کیا مجھ سے مانگتے ہو، نبیؐ کی اُمّت کا حال دیکھو
قدم گھروں سے نکالنے کا جواز تم کو بلا رہا ہے

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمین یا ربّ العالمین!

•••••

’فیصل‘ تم نے امت کی آبرو بچالی!

یہ بات ہر زاویے و پہلو سے ثابت ہے کہ اسلام و اہلِ اسلام کے جس قدر دشمن یہود ہیں اور کوئی نہیں۔ پھر یہ بات بھی ہر زاویے و پہلو سے ثابت ہے کہ دنیا میں نافذ نیو ورلڈ آرڈر کو چلانے والوں میں کلیدی کردار یہود کا ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ آج اسلام کے خلاف جنگ کے سرغنے امریکہ کے نظامِ حکومت کو چلانے میں یہودی سرمایہ داروں اور یہودی لابی کا بہت بڑا عمل دخل ہے اور امریکہ ہی ناجائز یہودی ریاست اسرائیل کا سب سے بڑا رکھوالا ہے۔

۱۵ جنوری ۲۰۲۲ء کی صبح دس بجے، امریکی ریاست ٹیکساس کے شہر ڈیلس میں، امتِ مسلمہ کے ایک غیرت مند فرزند، حریتِ اسلام و شجاعتِ اسلاف کے ڈھالے، بطولتِ اسلام کے امین، ملک فیصل اکرم ایک یہودی کنیسہ میں داخل ہوئے اور امت کی بیٹی عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے ایک یہودی ربّی سمیت چار یہودی امریکیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہودیوں کا یہ کنیسہ اس جیل کے قریب واقع ہے جہاں عافیہ صدیقی کو امریکیوں نے قید کر رکھا ہے اور انہیں چھیاسی (۸۶) سال کی قید سنا رکھی ہے۔ ملک فیصل اکرم نے ان چار یہودیوں کو حراست میں لینے کے بعد کہا کہ وہ ’خاص طور پر (برطانیہ سے نیویارک اور نیویارک سے) اس شہر میں بذریعۂ پرواز آئے ہیں جہاں عافیہ صدیقی قید ہیں‘ پھر کہا کہ انہوں نے ان یہودیوں کو ’اپنی بہن عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے یرغمال بنایا ہے‘، فیصل اکرم نے کنیسہ کے یہودی ربّی ’واکر‘ کو کہا کہ ’میں نے تم لوگوں (یہودیوں) کو اس لیے یرغمال بنا کر (اپنے

مطالبات امریکہ کے سامنے رکھے ہیں کہ) امریکہ صرف یہودیوں کی فکر کرتا ہے، اس لیے کہ یہودی پوری دنیا کو کنٹرول کرتے ہیں، یہودی میڈیا کو بھی کنٹرول کرتے ہیں اور بینکوں کو بھی یہودی ہی کنٹرول کرتے ہیں'۔ دوپہر بارہ بجے فیصل اکرم نے نیویارک میں واقع یہودیوں کے Central Synagogue کی سینئر ربّی 'اینجلا' کو فون کیا اور کہا کہ 'وہ اپنی حیثیت کو استعمال کرتے ہوئے عافیہ صدیقی کو رہا کروائے'۔ فیصل اکرم نے بارہا اس بات کو دہرایا کہ ان کا مقصد کسی کو بلاوجہ نقصان پہنچانا نہیں بلکہ ان کا 'مقصد اپنی بہن عافیہ صدیقی کو رہا کروانا ہے'۔

ملک فیصل اکرم ایک عدد پستول سے مسلح تھے اور ان کے مقابلے کے لیے دوسو (۲۰۰) سکیورٹی اہلکار، جن میں ستّر (۷۰) ایف بی آئی کے اہلکار تھے نے کنیسہ کو گھیرے میں لے لیا، امریکی اداروں نے خود کہا کہ انہوں نے فیصل اکرم کا مقابلہ کرنے کے لیے SWAT[1] کا استعمال کیا۔ بالآخر دس گھنٹے دنیا کی سپر پاور کے سامنے اپنا مبنی بر حق موقف پیش کرنے کے بعد، امریکی فورسز سے شجاعت و بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے، رات ساڑھے نو بجے ملک فیصل اکرم نے جامِ شہادت نوش کیا۔

ملک فیصل اکرم شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مختصر پیغامات میں عالَمِ کفر خاص کر یہود و امریکہ کو بھی واضح پیغام دیا اور امت کے باحمیت و غیرت مند نوجوانوں کی بھی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کر گئے کہ 'قوت کا جواب قوت سے دیا جاتا ہے، قراردادوں اور گزارشوں سے چھینی ہوئی کوئی چیز واپس نہیں ملتی، کجا یہ کہ وہ "عزت" اور "آزادی" ہو'۔

تِری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

سنا ہے میں نے، غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

ملک فیصل اکرم نے، سپہ سالارِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہید کے بیان کردہ مفاہیم کو دہرایا کہ ہم بلاوجہ کسی کا نقصان نہیں کرنا چاہتے۔ امریکہ اہلِ اسلام کے خلاف ایک جنگ جاری رکھے ہوئے ہے، امریکہ مسلمانوں کی اراضی پر بھی اور وسائل پر بھی قابض ہے اور امریکہ نے عافیہ صدیقی سمیت لاکھوں مسلمانوں کو ناحق اپنے قید خانوں میں جکڑ رکھا ہے۔ ہم امریکہ سے ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہم سے جنگ سے باز آ جائے، ہماری اراضیاں چھوڑ دے، ہمارے وسائل پر قبضہ ختم کر دے، یہود خاص کر فلسطین پر قابض اسرائیل کی پشت پناہی چھوڑ دے، حرمین شریفین کی سرزمین سے اپنی فوجیں نکالے اور ہمارے قیدیوں کو رہا کرے تو ہم بھی امریکہ کے خلاف اپنی جنگ روک دیں گے۔

یہ ایک معقول اور مبنی بر عدل مطالبہ ہے، امریکہ اگر اس مطالبے کو تسلیم کرتا ہے تو فبہا، ورنہ ہم رسولِ برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتی اعلان کرتے ہیں کہ:

"جس نے آسمانوں کو بنا ستونوں کے بلند کیا، ہم اس اللہ بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ
امریکہ خواب میں بھی امن کو نہیں پا سکتا، یہاں تک کہ ہم فلسطین میں واقعی امن نہ دیکھ لیں

[1] Special Weapons and Tactics Unit

اور تب تک، جب تک کافر فوجیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن جزیرۃ العرب سے نکل نہیں جاتیں!"

ملک فیصل اکرم نے اسی قسم اور پیغام کو دہرایا ہے اور امتِ مسلمہ کی عزت و آبرو کو بے غیرتی و بے حمیتی کے داغ سے بچایا ہے۔ اور اللہ ربِّ ذو الجلال کی قسم! امتِ مسلمہ کے مجاہد بیٹے اپنی استطاعت کے بقدر کہیں چھری سے، کہیں ٹرکوں اور گاڑیوں سے، کہیں پستولوں اور کلاشن کوفوں سے اور کہیں دشمن ہی کی ٹرینوں، بسوں اور جہازوں سے..... اور اگر کچھ نہ ہوا تو اپنے نہتے ہاتھوں سے امریکہ اور یہود کے خلاف لڑتے رہیں گے، جامِ شہادت پیتے رہیں گے..... اس صبحِ پرنور تک جب دنیا سے امریکہ و یہود کی حکمرانی ختم ہو جائے گی اور ساری دنیا نورِ لا الہ الا اللہ اور شریعتِ محمد رسول اللہ (علیٰ صاحبہا الف صلاۃ وسلام) کے نفاذ سے مطہر ہو جائے گی۔

ملک فیصل اکرم شہید! اللہ آپ کی مہمانی جنتِ فردوس میں اپنی شان کے مطابق فرمائیں کہ آپ نے اہلِ کفر کے خلاف 'جنگ' کی، اللہ کی رضا سے ان کو 'عذاب' میں مبتلا کیا، بعون اللہ ان کفار کو 'ذلیل و رسوا' کیا، دس گھنٹے تک اللہ کی 'نصرتِ خاص' سے سپر پاور کی سب پاوروں کو مات دیے رکھی اور آپ نے 'اہلِ ایمان کے دلوں کو ٹھنڈک بخشی'!

اللہ پاک سے دعا ہے کہ امتِ مسلمہ میں غیرت اور جہاد کی مزید ٹھنڈی ہوائیں چلائیں جن کو خود ربّ العزت نے 'وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ' سے تعبیر فرمایا۔

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

بے جا غیظ وغضب کا علاج (قرآن وحدیث کی روشنی میں)

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّراللہ مرقدہٗ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ، اَمَّا بَعْدُ

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ○

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنّت ان متقین بندوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں فراغت میں بھی اور تنگی میں بھی، اور غصّے کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوں کو محبوب رکھتا ہے۔

تفسیر اَلسَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

حَالَۃُ یُسْرٍ وَّحَالَۃُ عُسْرٍ قَالَہُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَاَصْلُ السَّرِّ الْحَالَۃُ الَّتِیْ تَسُرُّ وَالضَّرِّ الْحَالَۃُ الَّتِیْ تَضُرُّ.

پس سرّاء ہر وہ حالت ہے جو خوش رکھے اور ضرّاء ہر وہ حالت ہے جو بوجہ ضرر غمگین رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قلیل وکثیر جو بھی میسّر ہوتا تھا انفاق کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک انگور کا دانہ صدقہ کرنا بھی مروی ہے، اور بعض سلف نے ایک پیاز صدقہ کی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی ہو'، یعنی اس کو صدقہ کرنے سے عار نہ سمجھو اور صدقہ کرو اگرچہ ظلف مُحرق (جلا ہوا کُھر) ہو۔

غضب اور غیظ کے ضبط کرنے اور ان رذائل کی اصلاح سے قبل حق تعالیٰ شانہٗ نے انفاق کی شان بیان فرمائی۔ یہ تمام جملے اگرچہ خبر یہ ہیں لیکن قرآن ارشاد اور اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے اس لیے ہر خبر یہ میں انشائیہ مضمر ہوتا ہے یعنی یہ شان ہر مسلمان اپنے اندر پیدا کرے۔

گیارہویں پارے میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا

علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ رُوح المعانی میں فرماتے ہیں: اس آیت سے صدقہ وخیرات کا طہارتِ انفاس وقلوب میں خاص ربط کا پایا جانا معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں 'اِنَّمَا ہِیَ کَفَّارَۃٌ لِّذُنُوْبِہِمْ وَتُرْفَعُ مَنَازِلُہُمْ مِنْ مَّنَازِلِ الْمُنَافِقِیْنَ اِلٰی مَنَازِلِ الْاَبْرَارِ الْمُخْلِصِیْنَ.'

پس کظمِ غیظ سے قبل انفاق فی السرّاء والضرّاء کی آیت سے ربط معلوم ہو گیا۔

کَظْمِ غَیْظ کی لغوی تشریح

اب اصل موضوع پر عرض کیا جاتا ہے کہ علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کظم کی لغوی تشریح فرماتے ہیں 'اَصْلُ الْکَظْمِ شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَۃِ عِنْدَ امْتِلَائِہَا.'۔

یعنی مشک جب پانی سے بھر جاتی ہے تو اس کا منہ بند کرنے کے لیے رسّی سے باندھتے ہیں، اسی طرح جب غصّے سے تمام بدن کی رگوں کا خون گرم ہو گیا اور غصّہ خوب بھر گیا تو اندیشہ ہے منہ سے چھلک جائے اس لیے اس کو ضبط کرنے کا نام کظم رکھا گیا۔ غیظ کے معنیٰ ناگوار بات پر طبعی ہیجان کے ہیں۔

غیظ اور غضب کا فرق

رُوح المعانی میں علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیظ وغضب کا فرق یہ ہے کہ غضب کے ساتھ یقینی انتقام کا ارادہ ہوتا ہے اور غیظ کے لیے ایسا نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ غیظ وغضب دونوں لازم وملزوم ہیں۔ مگر غضب کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ درست ہے اور غیظ کی نسبت نہیں۔

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ کی تفسیر

اَلْمُتَجَرِّعِیْنَ لِلْغَیْظِ الْمُمْسِکِیْنَ عَلَیْہِ عِنْدَ امْتِلَاءِ نُفُوْسِہِمْ مِنْہُ فَلَایُنْقِمُوْنَ مِمَّنْ یُّدْخِلُ الضَّرَرَعَلَیْہِمْ وَلَا یُبْدُوْنَ لَہٗ مَا یَکْرَہُ بَلْ یَصْبِرُوْنَ عَلٰی ذٰلِکَ مَعَ قُدْرَتِہِمْ عَلَی الْاِنْفَاذِ وَالْاِنْتِقَامِ وَہٰذَا ہُوَ الْمَمْدُوْحُ.

غصّہ اور غیظ کا تلخ گھونٹ پی جاتے ہیں اور اس کو پوری طرح ضبط کرتے ہیں جس وقت کہ ان کے نفوس غیظ سے بالکل بھر جاتے ہیں، پس نہیں بدلہ لیتے اس شخص سے جو ان کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ ظاہر کرتے ہیں اپنی تکلیف کو بلکہ وہ انتقام لینے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی صبر کرتے ہیں اور یہی مقام قابلِ مدح ہے۔

غصہ اور غضب اور غیظ کو ضبط کرنے پر انعامات اور بشارتیں احادیثِ نبوی کی روشنی میں

علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر چند حدیثوں کی روایات نقل فرمائی ہیں:

حدیث نمبر ۱

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَہُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اِنْفَاذِہٖ مَلَأَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَلْبَہٗ اَمْنًا وَّاِیْمَانًا.

جو شخص غصّے کو پی جائے اور وہ غصّے کو نافذ کرنے کی یعنی بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے قلب کو امن اور ایمان سے بھر دیں گے۔

حدیث نمبر ۲

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَّہُوَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّنْفِذَہٗ دَعَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰی یُخَیِّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ اَیِّ الْحُوْرِ شَاءَ.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے غصّے کو ضبط کر لیا باوجود بدلہ لینے کی طاقت کے، اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں تمام مخلوق کے سامنے اعلان فرمائیں گے کہ تم جس حور کو چاہو پسند کر لو۔

حدیث نمبر ۳

اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِیَقُمْ مَنْ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ اَجْرٌ فَلَا یَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا.

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان فرمائیں گے: وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی اجر ہو پس نہیں کھڑا ہو گا مگر وہ شخص جس نے کسی کو معاف کیا ہو گا۔

حدیث نمبر ۴

وَاَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّشْرَفَ لَہُ الْبُنْیَانُ وَتُرْفَعَ لَہُ الدَّرَجَاتُ فَلْیَعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَہٗ وَیُعْطِ مَنْ حَرَمَہٗ وَیَصِلْ مَنْ قَطَعَہٗ.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات خوش کرے کہ اس کے لیے بلند مکان ہو جنّت میں اور اس کے درجات بلند ہوں پس اُس کو چاہیے کہ معاف کرے اُس کو جو اس پر ظلم کرے اور عطا کرے اس کو جو اس کو محروم کرے اور صلہ رحمی کرے اس سے جو اُس سے قطع رحمی کرے۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ حسن موقع عفو سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے حَتّٰی قَالَ حِیْنَ رَاٰہُ قَدْ مُثِّلَ بِہٖ لَاُمَثِّلَنَّ بِسَبْعِیْنَ مَکَانَکَ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا شہید کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ کے بدلے میں ستر کافروں کے ساتھ یہی معاملہ کروں گا۔ لیکن جب آیت نازل ہوئی کہ آپ بدلہ اتنا ہی لے سکتے ہیں جتنا کہ ظلم ہوا ہے فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ اور اگر آپ صبر کریں تو یہ آپ کے لیے خیر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خیر کو اختیار فرمایا اور قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

حکایت

مَا اَخْرَجَہُ الْبَیْہَقِیُّ اَنَّ جَارِیَۃً لِعَلِیِّ بْنِ حُسَیْنٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ جَعَلَتْ تَسْکُبُ عَلَیْہِ الْمَاءَ لِیَتَہَیَّأَ لِلصَّلٰوۃِ فَسَقَطَ الْاِبْرِیْقُ مِنْ یَّدِھَا فَشَجَّہٗ فَرَفَعَ رَأْسَہٗ اِلَیْھَا فَقَالَتْ:اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ:وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ، فَقَالَ لَہَا: قَدْ کَظَمْتُ غَیْظِیْ، قَالَتْ: وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ، قَالَ: قَدْ عَفَا اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْکِ، قَالَتْ: وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ،قَالَ اِذْہَبِیْ فَاَنْتِ حُرَّۃٌ لِوَجْہِ اللّٰہِ.

علّامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: احسان سے مراد بِاَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ حدیث شریف میں احسان کی تعریف یہی ہے کہ اس طرح عبادت کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو کیوں کہ اگر تم نہیں دیکھتے ہو تو حق تعالیٰ تو تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ پس گویا کہ تم بھی دیکھ رہے ہو۔ یہ ترجمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد فرمودہ ہے جیسا کہ احقر نے اپنے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے، یعنی فاء کو تعلیلیہ فرمایا ہے۔ روایتِ مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی جاریہ (باندی) وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ان کے اوپر گر گیا اور وہ زخمی ہو گئے اور غصّے سے حضرت نے سر اٹھایا تو اس جاریہ نے پڑھا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ 'اور وہ لوگ غصّے کو پی جاتے ہیں'۔ آپ نے فرمایا: 'میں نے اپنا غصّہ پی لیا'۔ پھر پڑھا: 'اور وہ لوگ لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں'۔ فرمایا: 'اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرماویں'۔ پھر پڑھا: 'اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں'۔ فرمایا: 'جا تجھے آزاد کر دیا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے'۔

حکایت

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بھانجے یا خالہ زاد بھائی حضرت مِسطح رضی اللہ عنہ سے جو جنگِ بدر لڑنے کے سبب بدری صحابی کہلاتے تھے ناراض ہو گئے تھے جس کی وجہ واقعۂ افک ہے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھایا کہ میں ان پر اب کچھ خرچ نہ کروں گا یعنی تعاونِ مالیہ سے احتراز پر قسم کھالی جیسا کہ روح المعانی میں حضرت آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ج:۱۸، ص: ۱۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حَلَفَ لَمَّا رَأٰی بَرَائَۃَ ابْنَتِہٖ اَنْ لَّایُنْفِقَ عَلٰی مِسْطَحٍ شَیْئًا اَبَدًا وَّکَانَ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُہَاجِرِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ الَّذِیْنَ شَہِدُوْا بَدْرًا وَّکَانَ بْنُ خَالَتِہٖ وَقِیْلَ ابْنُ اُخْتِہٖ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَنَزَلَتْ: وَلَایَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ

يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے تنبیہ فرمائی کہ اے صدیق! آپ ان کو معاف کر دیں۔ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم ہمارے بندے کو معاف کر دو اور اس کے عوض میں ہم تمہاری خطاؤں کو روزِ محشر معاف کر دیں اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ اَیْ بِمُقَابَلَةِ عَفْوِكُمْ وَاِحْسَانِكُمْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكُمْ۔

یعنی جس نے تمہارے ساتھ معاملۂ ایذا رسانی اور حقوق تلفی کی تم اس کے ساتھ عفو و درگزر اور احسان کرو تو اس کے مقابلے میں ہم تم کو یہ انعام دیں گے کہ ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اَیْ مُبَالِغٌ فِي الْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ مَعَ كَمَالِ قُدْرَتِهٖ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْمُؤَاخَذَةِ وَكَثْرَةِ ذُنُوْبِ الْعِبَادِ الدَّاعِيَةِ اِلَيْهَا.

یعنی اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت نہایت وسیع ہے باوجودیکہ ان کو مواخذہ پر کمالِ قدرت ہے اور باوجود کثرت معاصیٔ عباد کے جو سبب ہیں مواخذہ اور عذاب و عقوبت کے۔

وَفِيْهِ تَرْغِيْبٌ عَظِيْمٌ فِي الْعَفْوِ وَ وَعْدٌ كَرِيْمٌ بِمُقَابَلَتِهٖ كَاَنَّهٗ قِيْلَ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ فَهٰذَا مِنْ مُّوْجِبَاتِهٖ.

اس میں ترغیبِ عظیم ہے کہ انسان دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر کے حشر کے دن اپنی معافی کا سامان کر لے۔ چناں چہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھایا اور فرمایا: خدا کی قسم! ہم محبوب رکھتے ہیں کہ ہماری مغفرت حق تعالیٰ فرما دیں اور آپ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر احسان اور انفاق پھر جاری فرما دیا بلکہ پہلے سے دُونا احسان شروع کر دیا۔

وَفِي الرُّوْحِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ لَمَّا سَمِعَ الْاٰيَةَ قَالَ بَلٰى وَاللّٰهِ يَا رَبَّنَا اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَلَنَا وَاَعَادَ لَهٗ نَفَقَتَهٗ، وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ صَارَ يُعْطِيْهِ ضِعْفَ مَاكَانَ يُعْطِيْهِ اَوَّلًا.

حضرت آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اولی الفضل میں یقیناً داخل فرمایا: لِاَنَّهٗ دَاخِلٌ فِيْ اُولِي الْفَضْلِ قَطْعًا وَحْدَهٗ اَوْمَعَ جَمَاعَةٍ سَبَبِ النُّزُوْلِ وَلَا يَضُرُّ فِيْ ذٰلِكَ عُمُوْمُ الْحُكْمِ لِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا بُوَالظَّاهِرُ، اور اس آیت سے یہ حکم تمام مؤمنین کے لیے ہے۔ جو بھی اپنے عزیز و اقارب کی خطاؤں کو معاف کر کے ان پر احسانات کو جاری رکھے گا اس کی خطاؤں کو حق تعالیٰ شانہٗ روزِ محشر اس عمل کے صلے میں معاف فرما دیں گے۔

حکایت

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ اپنے ایک ملازم کو ڈانٹ رہے تھے اور وہ معذرت کر رہا تھا۔ شیخ نے فرمایا: تم بار بار مجھے ستاتے ہو اور اسی قسم کی خطاؤں کو بار بار کرتے ہو آخر میں تمہارا کتنا بھگتوں، شیخ کے پاس اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ کے حقیقی چچا تھے بیٹھے تھے، کان میں چپکے سے فرمایا: مولانا! اتنا اس کا بھگت لو جتنا اپنا کل بھگتوانا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ سے جس قدر معافی چاہتے ہو اسی قدر یہاں خوب ان کی مخلوق کی خطاؤں کو عفو کر کے ان پر احسان کر لو۔

حکایت

حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ ایک شخص تھا۔ اس کی بیوی نے اس کے کھانے میں نمک بہت تیز کر دیا۔ اس کو بہت غصّہ آیا لیکن سوچا کہ اگر ہماری لڑکی سے ایسی خطا ہو جاتی تو ہم اپنے داماد سے کیا معاملہ پسند کرتے؟ یہی کہ وہ معاف کر دے اور اگر جوتا بازی کرتا تو ہم کو رنج ہوتا۔ پس یہ بھی کسی کی بیٹی ہے اور میں بھی کسی کا داماد ہوں اور حق تعالیٰ کی بندی ہے بس معاف کر دیا۔ جب انتقال ہو گیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا معاملہ تیرے ساتھ ہوا؟ کہا: حق تعالیٰ نے باوجود ہماری نالائقیوں کے فرمایا کہ تو نے ہماری فلاں بندی پر غصہ ضبط کر کے اس کو سزا نہ دی اور معاف کر دیا اس کے بدلے میں ہم تجھے سزا دیے بغیر معاف کرتے ہیں۔

حکایت

ایک صاحب رات بارہ بجے روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے غصّے میں بیوی کو تین طلاق دے دی اور اب میں بھی رو رہا ہوں، بیوی بھی رو رہی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی رو رہے ہیں۔ پورا گھر جہنم بن گیا ہے اب بتایئے میں کیا کروں؟ میں نے کہا: آپ جایئے کسی مفتی صاحب سے رجوع کیجیے۔ غصّے میں پاگل ہونے کا یہی انجام ہوتا ہے۔

حکایت

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ساتھ سفر کر رہے تھے اوپر سے کسی نے کوڑا پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: الحمدللہ۔ لوگوں نے کہا: یہ کیا موقع ہے الحمدللہ کا؟ فرمایا: جو سر کہ معاصی کے سبب آگ برسانے کے قابل تھا اس پر اگر راکھ برسائی گئی تو کیا یہ شکر کا موقع نہیں ہے؟

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غصّے کے علاج میں چند احادیثِ مبارکہ

حدیثِ اوّل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا: جس نے عرض کیا تھا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصّہ مت کیا کرو۔ اس شخص نے کئی مرتبہ اس سوال کو دہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ غصّہ مت ہوا کر۔

تشریح: ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج:۹، ص:۳۰۵ پر فرماتے ہیں کہ غصہ شیطان کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے جس کے سبب انسان عقل کا توازن کھو بیٹھتا ہے اور صورتاً اور سیرتاً وہ حدِّ اعتدال سے نکل جاتا ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کو اہمیت (دینے سے) سے منع فرمایا۔

حدیثِ دوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو غصّہ آوے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جاوے پس اس کا غصہ چلا جائے تو خیر ورنہ لیٹ جاوے۔

تشریح: بیٹھنے کے بعد بھی اگر غصہ نہ جائے تو لیٹنے کا حکم کیا حکمت رکھتا ہے؟ احقر عرض کرتا ہے کہ غصہ ایک حال ہے اور عرض ہے جو غصّہ کرنے والے کے تمام خون میں جوش مارتا ہے اور انتقام لینے کے لیے آگے بڑھانے پر مار پیٹ کے لیے جوش دلاتا ہے۔ پس بیٹھ جانے سے غصّہ بھی بیٹھ جاتا ہے اور لیٹ جانے سے غصّہ بھی لیٹ جاتا ہے کیوں کہ حال اور محل اور عرض اور جوہر کا ایسا ہی تعلق ہوتا ہے، پس کھڑے ہونے پر وہ غصہ والا جس قدر انتقام مار پیٹ سے قریب تھا کہ صرف قدم بڑھانا تھا اب بیٹھ جانے سے وہ ایک منزل دور ہو گیا یعنی منزلِ قعود میں آکر منزلِ قیام سے دور ہو گیا۔ پھر اگر غصّہ نہ گیا تو لیٹ جانے سے غصہ کا انتقام دو منزل دور ہو گیا۔ منزلِ رقود سے منزلِ قعود پھر منزلِ قیام اس طرح دو منزل دور ہو گیا اب اگر مار پیٹ کے لیے وہ ارادہ کرے تو اُس لیٹے ہوئے کو بیٹھنا پڑے گا پھر کھڑا ہونا پڑے گا۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصّے والے کی ہیئت کو بدلتے ہوئے انتقامی اور انفاذِ غضب کی ہیئت سے کافی دور فرمایا۔

سبحان اللہ! کیا شان رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی ہے۔ بزرگوں کی دعاؤں اور برکتوں سے یہ بات احقر کی سمجھ میں آئی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اور نہ جانے کیا کیا اسرار ہوں گے۔

نوٹ: احقر نے اس تحریر کے بعد ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقاۃ میں بھی یہی حکمت درج پائی فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی ذٰلِکَ التَّوَافُقِ بِالْاَکَابِرِ مگر یہ کہ دو حکمتیں اور لکھی ہیں ایک یہ ہے کہ بیٹھنے اور لیٹنے سے بتدریج زمین سے قریب ہو گا اور زمین میں حلم اور تواضع ہے۔ اس کے اثر سے ترفّع اور غضب کے شعلۂ نار سے جس کا مرکز بلندی پر ہے بُعد اور دُوری ہو گی۔ دوسرے یہ کہ بیٹھنے اور لیٹ جانے سے تواضع کی شان پیدا ہونے میں اعانت ہو گی۔

حدیثِ سوم

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلوان اور بہادر وہ نہیں ہے جو اپنے دشمن کو شکست دے دے۔ اصل میں پہلوان وہ ہے جو اپنے غصّے پر قابو پالے (اور بے جا طور پر اس کو استعمال نہ کرے)۔

حدیثِ چہارم

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندے کے لیے کوئی گھونٹ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس غصّے کے گھونٹ سے افضل نہیں جو غصّے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

حدیثِ پنجم

اور ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے: بے شک غصّہ ایمان کو اس قدر بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو۔

حدیثِ ششم

ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غضب شیطان کے اثر سے یعنی اس کے وسوسے سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے پس جس پر غصّے کا اثر ہو جاوے وضو کر لے۔

حدیثِ ہفتم

ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو چھپالیں گے اور جو اپنا غصّہ ضبط کرے گا (اور مخلوق پر نافذ نہ کرے گا) اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو قیامت کے دن اس سے ہٹالے گا اور جو معذرت کرنے والے کا عذر قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرمائیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!

(ماخوذ از: روح کی بیماریاں اور ان کا علاج)

☆☆☆☆☆

THE HEREAFTER

آخرت

شیخ انور العولقی شہید رحمہ اللہ

۳

سفر آخرت

(حصہ دوم)

جب مومن مردے سے فرشتے سوال وجواب کر کے فارغ ہو جائیں گے اور 'ان صدق عبدی' کی آسمانی ندا مومن کے جوابات کی تصدیق بھی کر دے گی، تو حکم ہو گا کہ اس کی قبر کو جنت کا ایک باغ بنا دیا جائے اور اس مردے کو جنت کا لباس عطا کیا جائے اور اس کے لیے جنّت کا دروازہ کھول دیا جائے۔ یعنی مومن کی قبر اس دنیا میں موجود ہونے کے باوجود بلاواسطہ طور پہ جنّت سے وصل ہو گی۔ قبر میں موجود مردہ جنّت میں اپنا مقام دیکھ پائے گا۔ پھر ایک بے حد خوش شکل، حسین و جمیل شخص اس کی قبر میں داخل ہو گا جسے دیکھ کر قبر میں موجود مردہ پوچھے گا کہ 'تم کون ہو؟'، اور وہ جواب دے گا کہ 'میں تمہارا نیک عمل ہوں اور قیامت کے قائم ہونے تک تمہارے ساتھ رہوں گا'۔ اور یوں مومن اپنی قبر میں نہ تنہائی کا شکار ہو گا نہ وحشت کا۔

ایک تابعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے پوچھا کہ تم تیس سال سے میری خدمت کر رہے ہو اور مجھ سے کسبِ علم کر رہے ہو، تم نے اس طویل عرصے میں مجھ سے کیا سیکھا ہے؟ اس شاگرد نے جواب دیا کہ "میں نے آٹھ چیزیں سیکھی ہیں۔" اور ان آٹھ میں سے ایک بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس کچھ چیزیں یا کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اسے بے حد محبوب ہوتے ہیں۔ ان محبوب چیزوں میں سے بعض ہم زندگی میں ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور ان میں سے بعض ہم موت کے بعد اپنے گھروں میں چھوڑ جائیں گے..... اور ان محبوب چیزوں اور لوگوں میں سے بعض ہمارے ساتھ ہماری قبروں تک جائیں گے۔ مگر ایک بار جب ہم قبر میں اتر جائیں گے تو پھر ہماری محبوب چیزوں میں سے کوئی بھی ہمارے ساتھ نہ ہو گی، سوائے ہمارے نیک اعمال کے۔ اس لیے میں نے اچھے و نیک اعمال کو اپنی سب سے محبوب متاع بنا لیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی قبر میں دو کھڑکیاں ہوں گی۔ ایک وہ جو جنت میں کھلتی ہو گی اور ایک وہ جو جہنم میں کھلتی ہو گی۔ اور اسے بتایا جائے گا (جہنم کی کھڑکی سے جہنم کا مقام دکھاتے ہوئے) کہ یہ وہ مقام ہے جہاں تم ہوتے اگر تم صاحبِ ایمان نہ ہوتے۔ اور پھر جنّت کی کھڑکی سے اسے اس کا جنّت میں مقام دکھا کر بتایا جائے گا کہ یہ وہ مقام و انعام ہے جو تمہیں تمہارے ایمان کی بدولت عطا ہوا ہے۔ جب مومن جنّت میں اپنا مقام دیکھے گا تو بے ساختہ دعا کرے گا کہ "یا ربّ! اقم الساعة! حتی اذهب الی مالی واهلی"۔ (اے میرے ربّ! قیامت قائم کر دے تا کہ میں اپنے خاندان اور اپنے مال کی جانب جا سکوں)۔ جب مومن یہ دیکھ لے گا کہ جنّت میں کیسا انعام اس کا منتظر ہے تو وہ جلد از جلد جنّت میں پہنچنا چاہے گا اور کبھی واپس دنیا میں آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔

اس کے برعکس جب کافر و فاسق اور بد عمل انسان کے سوال جواب کا مرحلہ اختتام پذیر ہوتا ہے تو آسمان سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ 'یہ شخص جھوٹا ہے! اس کی قبر کو جہنم کا ایک گڑھا بنا دیا جائے، اسے نارِ جہنّم کا لباس پہنا دیا جائے اور اس کے لیے جہنم کی جانب ایک دروازہ کھول دیا جائے۔' پھر ایک نہایت بدصورت اور کریہہ شکل والا شخص اس کے پاس قبر میں آئے گا جس سے انتہائی گلی سڑی سڑانڈ اٹھ رہی ہو گی۔ مردہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ 'تم کون ہو؟'، اور وہ جواب دے گا کہ 'میں تمہارا عملِ بد ہوں اور قیامت قائم ہونے تک تمہارے ساتھ رہوں گا'۔ پھر اس کی قبر میں دو کھڑکیاں کھول دی جائیں گی، ایک جنّت کی جانب اور ایک جہنّم کی جانب..... اور اسے بتایا جائے گا کہ جنّت میں تمہارا یہ مقام ہوتا اگر تم ایمان لاتے، مگر تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہارا جہنم میں مقام یہ ہے۔ اب قبر میں موجود یہ بد عمل اور بد بخت مردہ، محض جسمانی سزا اور عذاب نہیں جھیل رہا بلکہ یہ نفسیاتی طور پر بھی شدید پچھتاوے اور حسرت میں گھرا ہو گا، اور یہ دعا کرے گا کہ 'یا ربّ! لا تقم الساعة' (اے میرے ربّ! قیامت کو کبھی قائم نہ فرما!)۔

کیا مومن بھی عذابِ قبر کا شکار ہوتا ہے؟

القرطبیؒ فرماتے ہیں کہ 'اعلم ان عذاب القبر لیس مختصاً بالکافرین ولا موقوفاً علی المنافقین بل یشارکهم فیه طائفة من المومنین و کل علی حاله من عمله'۔ (جان لو کہ قبر کا عذاب محض کافر و مشرک اور منافق کے لیے نہیں بلکہ یہ ان مومنین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا جن کے اعمال میں کوئی کجی یا کمی ہو گی)۔ وہ اسباب کیا ہیں جن کی بنا پر قبر کا عذاب ہو سکتا ہے؟

بنیادی سبب تو اعمال میں کمی ہے، مگر ذیل میں چند مخصوص وجوہات اسباب بیان کیے جا رہے ہیں جن کے باعث مردے کو عذابِ قبر جھیلنا پڑتا ہے۔

عذابِ قبر کے اسباب

چوری اور دھوکہ دہی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں ایک غلام تھا۔ وہ غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کی سواری تیار کر رہا تھا جب اسے کہیں سے ایک تیر آ لگا اور وہ موقع پر جاں بحق ہو گیا۔ میدانِ جنگ میں آنے والی اس موت پر صحابہ کرامؓ نے کہنا شروع کیا کہ ”هنيئا الله الجنّة“ (آفرین کہ جنّت پا گیا)، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے خیبر میں جو چادر چرائی تھی، وہ اس کے گرد لپٹی ہوئی ہے اور اسے جلا رہی ہے“۔

کپڑے کا محض ایک ٹکڑا...... جو اس نے بنا اجازت لے لیا...... محض ایک چادر کی بنا پر وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہو گیا۔ تو ان کا کیا ہو گا جو لاکھوں ڈالر چراتے ہیں؟ اور وہ لوگ جو مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور اور دھوکہ دہی سے انہیں لوٹتے ہیں؟ ان لوگوں کا کیا انجام ہو گا؟ اور کس لیے وہ یہ سب کرتے ہیں......؟ اس دنیا کے عارضی مزے کے لیے! اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر بیماریاں اور مسائل مسلّط کر دیتے ہیں، جن کے حل اور علاج کے لیے انہیں اپنا تمام مال خرچ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اس مال میں کوئی خیر یا برکت نہیں ہوتی۔

مالی معاملات وہ چیز ہیں جو آپ کے لیے بہت زیادہ اجر و خیر کا باعث بھی بن سکتے ہیں اور سخت ترین سزا اور عذاب کا باعث بھی۔ یہ انجام منحصر ہے اس بات پر کہ یہ مال کیسے حاصل کیا جاتا ہے اور کیسے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک فتنہ و آزمائش ہے جس میں اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ مال جسے عطا کیا گیا ہے وہ شکر گزاری اختیار کرتا ہے یا ناشکری و سرکشی۔

ثانیاً و ثالثاً: (النميمة) بہتان تراشی اور طہارت کا اہتمام نہ کرنا

بخاری سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر سے ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان قبروں میں موجود مردوں کو عذاب دیا جا رہا ہے جس کا باعث کوئی بڑی وجہ نہیں۔ ان میں سے ایک چغلی و بہتان تراشی کیا کرتا تھا اور دوسرا اپنے آپ کو پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچاتا تھا۔

رابعاً: سود و زنا، جھوٹ اور قرآن مجید سے پہلو تہی

حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکثر نمازِ فجر کے بعد پوچھتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ جس نے کوئی خواب دیکھا ہوتا وہ بیان کر دیتا اور رسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔ آپ ﷺ نے ایک صبح فرمایا کہ میرے پاس رات دو آنے والے فرشتے آئے اور مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا کہ ’چلیے‘۔ میں ان دونوں کے ساتھ چلا، اور ہم ایک شخص کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے پاس پتھر لیے کھڑا تھا۔ وہ اس کے سر پر پتھر پھینک کر مارتا جس سے اس کا سر پھٹ جاتا اور پتھر لڑھک کر دور چلا جاتا، وہ پتھر کے پیچھے جاتا اس کو پکڑتا اور پتھر لے کر ابھی واپس نہیں ہونے پاتا کہ اس کا سر ٹھیک ہو جاتا جیسا کہ پہلے تھا۔ پھر اس کے پاس لوٹ کر آتا اور اسی طرح کرتا جیسا کہ پہلے کیا تھا، میں نے ان دونوں (فرشتوں) سے پوچھا کہ ’سبحان اللہ! یہ کون ہیں؟‘، ان دونوں نے کہا کہ ’آگے چلیں‘۔ ہم چلے تو ایک آدمی کے پاس پہنچے جو پیٹھ کے بل چت لیٹا ہوا تھا اور ایک دوسرا آدمی اس کے پاس لوہے کا ایک ٹکڑا لیے کھڑا تھا اور اس ٹکڑے سے اس کی باچھ کو گدی تک اور نتھنے کو گدی تک اور ایک آنکھ کو گدی تک چیر تا تھا۔ (عوف کا بیان ہے کہ ابو رجاء اکثر اس طرح کہا کرتے تھے کہ وہ ایک طرف سے چیر کر دوسری طرف چیرتا تھا اور اس جانب سے چیرنے سے فارغ بھی نہ ہو پاتا کہ وہ جانب پہلے کی طرح اچھی ہو جاتی، پھر اسی طرح کرتا جیسا کہ پہلی طرح کیا تھا)۔ میں نے کہا کہ ’سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟‘، ان دونوں نے کہا کہ ’آگے چلیں‘۔ ہم چلے تو ایک تنور کے پاس پہنچے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ میں نے وہاں شور و غل کی آواز سنی۔ ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں کچھ مرد اور عورتیں برہنہ نظر آئیں جن کے نیچے ان کے پاس آگ کی لپٹ آتی، جب ان کے پاس لپٹ آتی تو وہ زور سے چیخنے لگتے۔ میں نے پوچھا کہ ’یہ کون لوگ ہیں؟‘۔ ان دونوں نے کہا کہ ’آگے چلیں‘۔ ہم آگے بڑھے تو ایک نہر کے پاس پہنچے، میں نے خیال کیا کہ اس کا رنگ خون کی طرح سرخ ہے اور نہر میں ایک آدمی کو دیکھا جو تیر رہا تھا اور نہر کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا تھا جس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے۔ جب وہ تیرنے والا تیر کر اس کے پاس آتا تو اس کے سامنے اپنا منہ کھول دیتا، تو وہ اس کے منہ میں ایک پتھر ڈال دیتا، پھر وہ تیرنے لگتا اور اس کے پاس لوٹ کر آتا اور جب بھی لوٹ کر آتا تو منہ کھول دیتا اور وہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا۔ میں نے پوچھا کہ ’یہ کون ہے؟‘، تو ان دونوں نے کہا کہ ’آگے چلیں آگے چلیں‘۔ ہم آگے بڑھے تو ایک شخص کے پاس پہنچے جو کہ نہایت کریہہ المنظر تھا، جیسے کہ تم بہت ہی بدصورت آدمی کو دیکھو اور اس کے پاس آگ تھی وہ اس کو جلا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف دوڑ رہا تھا، میں نے پوچھا ’یہ کون ہیں؟‘، انہوں نے کہا کہ ’آگے چلیے آگے چلیے‘۔ ہم بڑھے تو ایک باغ میں پہنچے جہاں فصل ربیع (بہار) کے ہر قسم کے پھول لگے ہوئے تھے اور اس کے درمیان ایک شخص تھا جس کا قد اتنا طویل تھا کہ اس کے سر کی لمبائی کے سبب میں انہیں دیکھ نہیں سکا اور ان کے چاروں طرف بہت سے لڑکے نظر آئے کہ اتنے کبھی نہیں دیکھے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ ’یہ کون ہیں؟‘۔ ان دونوں نے کہا کہ ’آگے چلیے‘۔ ہم آگے بڑھے تو ایک بڑے باغ کے پاس پہنچے کہ اس سے بڑا اور خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھیے۔ ہم چڑھے تو ایک شہر نظر آیا جس میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی لگی ہوئی تھی، ہم اس شہر کے دروازے کے پاس پہنچے اور کھولنے کے لیے کہا تو دروازہ ہمارے لیے کھول دیا گیا۔ ہم اندر گئے تو وہاں ہمیں کچھ لوگ نظر آئے جن کے نصف بدن تو بہت ہی خوبصورت تھے جیسا کہ تم کسی آدمی کو خوبصورت دیکھتے ہو اور نصف بہت ہی بدصورت تھے جیسا کہ تم کسی کو بدصورت دیکھتے ہو۔ ان دونوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس نہر میں گر جاؤ۔ ایک نہر عرض میں بہہ رہی تھی، اس کا پانی خالص سفید تھا۔ چنانچہ وہ لوگ گئے

اور اس میں گر پڑے، پھر وہ لوگ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی تھی اور بہت ہی خوبصورت ہو گئے تھے۔ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ 'یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا مقام ہے'۔ میں نے اپنی نگاہ بلند کی تو یہ بالکل سفید ابر کی طرح ایک محل تھا، ان دونوں نے کہا کہ 'یہ آپ کا محل ہے'۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ 'اللہ تم دونوں کو برکت عطا فرمائے، مجھے چھوڑ دو کہ میں اس کے اندر داخل ہو جاؤں'۔ ان دونوں نے کہا کہ 'ابھی تو نہیں مگر آپ اس میں ضرور داخل ہوں گے'۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں سے کہا کہ 'رات بھر میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھی ہیں تو وہ کیا چیزیں تھیں جو میں نے دیکھی ہیں؟'۔ ان دونوں نے کہا کہ 'ابھی بیان کیے دیتے ہیں، پہلا آدمی وہ جس کے پاس آپ آئے اس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا، وہ شخص ہے جو قرآن یاد کر کے چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے بے پروائی کرتا ہے۔ اور وہ شخص جس کا نتھنا اس کی گدی تک چیرا جا رہا تھا وہ شخص ہے جو صبح صبح اپنے گھر سے نکل کر افواہیں پھیلاتا تھا جو ساری دنیا میں پھیل جاتی تھیں۔ اور برہنہ مرد اور عورتیں جو تنور میں دیکھے تھے تو وہ زناکار مرد اور زناکار عورتیں تھیں۔ اور وہ شخص جو نہر میں تیر رہا تھا اور آپ ﷺ اس پر سے گزرے تھے اور وہ پتھر کا لقمہ بنا رہا تھا، وہ سود کھانے والا تھا اور وہ بدصورت آدمی جو آپ کو آگ کے پاس نظر آیا اور جو آگ بھڑکا کر اس کے چاروں طرف دوڑ رہا تھا وہ مالک داروغۂ دوزخ ہے۔ اور وہ دراز قد آدمی جو باغ میں آپ ﷺ کو نظر آئے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تھے اور وہ بچے جو ان کے چاروں طرف آپ ﷺ نے دیکھے وہ بچے تھے جو فطرتِ اسلام پر مرے۔ (راوی کا بیان ہے کہ بعض مسلمانوں نے بیان کیا کہ اے اللہ کے رسول! اور مشرکین کے بچے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اور مشرکین کے بچے')۔ وہ لوگ جن کا نصف حصہ بہت خوبصورت اور نصف بہت بدصورت تھا وہ لوگ تھے جنہوں نے ملے جلے کام کیے۔ (یعنی اچھے بھی اور برے بھی) اللہ نے ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔

خامساً: قرض

عذابِ قبر کا باعث بننے والے بعض دیگر اسباب میں سے ایک سبب قرض کی عدم ادائیگی ہے۔ ایک روایت میں بیان ہے کہ صحابۂ کرام میں سے ایک صحابیؓ کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بھائی سے فرمایا کہ 'جاؤ اور اپنے بھائی کا قرض ادا کرو، کیونکہ یہ قرض اسے جنت میں داخلے سے روک رہا ہے'۔

سادساً: نوحہ و ماتم

اگر آپ کا انتقال ہو جائے اور آپ کے رشتہ دار و احباب آپ کے انتقال پر سخت گریہ و ماتم کریں، تو ان کا یہ نوحہ و گریہ قبر میں آپ کے لیے باعثِ تکلیف و آزار ہو سکتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ بن خطاب زخمی ہو گئے اور ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو صہیبؓ الرومی ان سے ملاقات کے لیے آئے۔ جب انہوں نے عمرؓ کو دیکھا تو رونے لگے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: 'ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہ علیہ' (مردہ اپنے خاندان کے نوحے اور گریہ و ماتم کے سبب عذاب پاتا ہے)۔ حضرت عمرؓ کسی کو بھی اپنے لیے روتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ شدتِ غم سے آنکھوں سے آنسوؤں کا بہہ جانا باعثِ گرفت نہیں، لیکن غم کے اس اظہار میں حد سے گزر جانا، نوحہ و ماتم کرنا، اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا سخت ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کرنے والا دیکھنا چاہتے ہیں۔

آنسو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے بھی گرتے تھے جب کوئی محبوب شخص دنیا سے رخصت ہو جاتا، مگر وہ اپنے آپ کو یا اپنے کسی بھی صحابیؓ کو ضرورت سے زیادہ رونے یا ماتم کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

عذابِ قبر سے نجات کیونکر ممکن ہے؟

نیک اعمال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مردے کو دفنایا جاتا ہے تو وہ دفنا کر جانے والوں کے قدموں کی آواز سن سکتا ہے۔ اس کے بعد اس کے نیک اعمال اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ نماز اس کے سر کی جانب آ جاتی ہے، روزے دائیں جانب سے گھیر لیتے ہیں اور زکوٰۃ بائیں جانب سے۔ دیگر نیک اعمال اس کے پیروں کی طرف اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر جب اس مردے پر سر کی جانب سے حملہ کیا جاتا ہے تو نماز بڑھ کر اس حملے کو روک دیتی ہے، اور کہتی ہے کہ 'تم اس جانب سے نہیں آ سکتے'۔ اور جب دائیں جانب سے حملہ ہوتا ہے تو روزہ اس کے سامنے ڈھال بن جاتا ہے۔ اسی طرح بائیں جانب سے زکوٰۃ اس کی حفاظت کرتی ہے اور قدموں کی طرف سے آنے والے حملے کو دیگر نیک اعمال روک لیتے ہیں۔ اور اس طرح اس شخص کے نیک اعمال چاروں جانب سے اس کا دفاع کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ سے عذابِ قبر سے پناہ مانگنا

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تشہد کے بعد چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی۔ وہ چار چیزیں ہیں: نارِ جہنّم، عذابِ قبر، زندگی و موت کے فتنے سے اور فتنۂ دجّال سے۔ نماز میں تشہد کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل، یہ دعا مانگنا (اللھم انّی اعوذبک من عذاب القبر، ومن عذاب جہنم، ومن فتنۃ المحیا والممات، ومن شر فتنۃ المسیح الدجّال) مسنون ہے۔

عذابِ قبر سے نجات پانے والے کون ہیں؟

شہداء

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید کے لیے چھ انعام ہیں:

- خون کے پہلے قطرے (کے بہہ جانے) کے ساتھ ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔
- وہ جنّت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔
- وہ عذابِ قبر سے نجات پا جاتا ہے۔
- وہ حشر کے دن کی سختی اور خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

- اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس میں جڑا ایک زمرد بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔
- اسے ۷۲ حور العین عطا کی جاتی ہیں۔
- اور وہ اپنے ۷۰ رشتہ داروں کی شفاعت کر سکتا ہے۔

صحابہؓ نے دریافت کیا کہ 'یارسول اللہ ﷺ! مومنین قبر کی سختی سے گزریں گے مگر شہید اس سے محفوظ رہے گا؟' تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: 'کفی ببارقة السیوف عند رأسه فتنة' (اس کے لیے اپنے سر پر چمکتی تلوار کی آزمائش کافی ہے)۔

جب میدانِ جنگ میں مجاہد ہر لمحہ اپنے گرد موت کو رقصاں دیکھتا ہے، اور تلواروں کی جھنکار سنتا ہے، تو اس کے لیے یہی آزمائش کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بعد اسے امن و سکون اور خوشی و راحت عطا فرمائیں گے۔

المرابط:

یہ وہ مجاہد ہے جو اپنے گھر سے دور، پہرے پر مامور ہوتا ہے۔ جو مسلمانوں کی حفاظت کرتا ہے اور لڑنے کے لیے حکم کے انتظار میں ہوتا ہے۔ لفظ مرابط 'ربط' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو باندھنا۔ گویا مرابط وہ ہے جو اپنی ذمّہ داری سے بندھا ہوا ہے، وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اسے دن اور رات یہ پہرے کی ذمّہ داری ادا کرنی ہے۔ یہ ایک مشکل اور صبر آزما ذمّہ داری ہے جس کے صلے میں اللہ تعالیٰ اسے ایک خاص انعام دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'ہر شخص کے اعمال اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں، سوائے مرابط کے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کا اجر جاری رکھیں گے اور وہ بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے، اور مرابط عذابِ قبر سے بھی محفوظ رہے گا'۔

بروز جمعہ وفات پانے والے

ایک حسن حدیث میں مذکور ہے کہ 'ہر وہ مومن جو جمعہ کے روز وفات پاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبر کے عذاب سے محفوظ رکھیں گے'۔

اللہ تعالیٰ ہماری، ہمارے خاندان و احباب کی اور جملہ مسلمانوں کی عذابِ قبر سے حفاظت فرمائیں، آمین۔

صلی اللہ علی سیدنا محمد، وعلی آله وصحبه وسلم!

[یہ سلسلۂ مضامین نابغۂ روزگار مجاہد و داعی شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلۂ دروس 'Al-Aakhirah – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیے جا رہے ہیں۔]

بقیہ: شہادت کی قبولیت کی شرائط

تو پیارو! اس بیعت کو پورا کرنے کے لیے بہت صبر چاہیے کہ حکم ناپسند ہے، نہیں مجھے پسند، میری پسند کے، میری مرضی کے، میرے مزاج کے خلاف ہے، میں اس پہ صبر کروں، جزع فزع نہ کروں۔ شور مچا کے، منہ بنا کے، خوب ہنگامہ کر کے پھر بات مان لی، یہ کوئی بات ماننا تو نہ ہوا نا۔ تو جتنے صبر کے ساتھ بات مانیں گے، جس جگہ بٹھا دیا جائے بیٹھیں گے، جس کام پر لگا دیا جائے کریں گے، تو اتنا زیادہ ان شاء اللہ اللہ کے ہاں جو ہے وہ شہادت مقبول ہو گی۔ اور جتنا من مانی کریں گے اتنا آپ اپنی شہادت کو خطرے میں ڈال رہے ہیں، اتنا اس کی قبولیت کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ تو اس صبر کے لیے، کہ دوسروں کو ہم پہ ترجیح دی جائے، ہم جہاد میں پرانے ہوں، ہم زیادہ علم والے ہوں، زیادہ تجربہ والے ہوں، ہماری بات نہ سنی جا رہی ہو، اللہ کی خاطر صبر کریں۔ یہ اُس بیعت میں شامل ہے ہماری کہ ہم پہ دوسروں کو، ہم سے کم علم و فہم والوں کو، کم تجربہ والوں کو ترجیح دی جائے، ہم قبول کریں گے، اللہ کی خاطر صبر کریں گے۔ کیونکہ معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، انسانوں کو راضی کرنے نہیں آئے تھے ہم یہاں پہ۔ تو یہ دوسری صفت ہے کہ جو مطلوب ہے اگر شہادت قبول کروانی ہے، کہ أنت صابرٌ... کہ تم صبر کرنے والے ہو، پھر شہادت قبول ہو گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ

خطبوں اور شعر و نثر سن پڑھ کر کسی کیفیتِ خاص میں آنسو تو ہماری آنکھوں سے چھلک جاتے ہیں مگر یہ آنسو دل کے اقرار سے نہیں نکلتے، ایک محفل میں آنسو اور اگلی میں وہی قلب و ذہن کا دنیا کے رقص و سرود میں مشغول ہو جانا، عصیاں کی بستی میں وہی نافرمانیاں..... گھاٹے کا سودا ہے۔

پھر اپنے پچھلے سبھی اشعار میں بیان کردہ افکار کو اس آخری شعر میں سمو کر اقبالؒ بے عملوں کو کہہ رہے ہیں کہ ہم سب اچھی اچھی باتیں تو خوب کر لیتے ہیں لیکن مطلوب تو کردار و عمل ہے۔ دین کا اہم ترین ستون نماز پکارے تو نماز اور وقتِ جہاد ہو تو یہی نمازی غازی نظر آئیں!

☆☆☆☆☆

شہادت ۳
کی قبولیت کی شرائط

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

اسی طرح کوئی کسی تنظیم کی سربلندی کے لیے لڑ رہا ہے، ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی مجموعے سے وابستہ ہے، کسی نہ کسی تنظیم سے وابستہ ہے، جس کی جنگ شریعت کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ میری تنظیم غالب آجائے، اس کا بول بالا پوری دنیا میں ہو جائے، اس کا سکّہ ہر طرف بیٹھ جائے اور میری تنظیم حاکم ہو اور باقی سب محکوم ہوں اور مجھے اسی طرح شریعت چاہیے، مجھے حکومت اپنی تنظیم کی چاہیے، اور کسی کی نہیں چاہیے، باقی سب کو اس کے تابع ہونا چاہیے۔ تو کوئی اس نیت سے لڑے گا اور اگر کسی اور مجموعے کے، کسی چھوٹے سے مجموعے کے، کسی اور کے لوگ آکر کل کو حاکم بن جائیں اور ایک شرعی نظام نافذ کر دیں تو اس کو ہضم نہ ہو رہا ہو وہ نظام، تو بھائی! اس کی جنگ اللہ کے رستے کی جنگ نہیں ہے۔ چاہے وہ القاعدہ کے لیے اس نیت سے لڑتا ہو، چاہے وہ تحریک طالبان کے لیے اس نیت سے لڑتا ہو، چاہے وہ کسی بھی محترم سے محترم نام کے لیے اس نیت سے لڑتا ہو، اگر نیت یہ ہے، ہدف یہ ہے کہ تنظیم کو غالب لے کے آنا ہے، ہماری تنظیم کو جیتنا چاہیے، باقی ساری تنظیموں کو ہرانا ہے، تو جو اس لیے لڑ رہا ہے وہ اللہ کے رستے میں نہیں لڑ رہا۔ ہم تو اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ کوئی عبدِ حبشی، نک کٹا غلام بھی اگر شریعت کا نام لے گا اور شریعت کا نظام نافذ کرے گا تو اس کے پاؤں دھوئیں گے اور اس کی خدمت کریں گے اور ان شاء اللہ اس کے حکم میں اس کے تحت چلیں گے چاہے وہ کسی بھی تنظیم کے کسی بھی مجموعے سے، کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔ تو ایک مجاہد کا نظریہ اور ذہن اتنا واضح ہونا چاہیے اس 'فی سبیل اللہ' کے مسئلے میں، کہ وہ ان میں سے کسی چیز کے لیے نہیں لڑ رہا۔

اسی طرح کوئی اپنے امیر کی سربلندی کے لیے لڑتا ہے، شخصیت پرستی کے بت میں گرفتار ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے امیر کے ہاتھ سے اسلام آئے، اسلام چاہیے لیکن اس کے ذریعے سے چاہیے۔ یہ حاکم ہو، باقی سب محکوم ہوں اور یہ امیر المومنین بنے، باقی سب اس کے تابع ہوں، تو یہ بھی اپنے جہاد کے اوپر سوالیہ نشان لگا رہا ہے۔ اور اسی طرح خدانخواستہ کوئی امیر خود اس لیے لڑ رہا ہے کہ میں بلند ہو جاؤں، میں حاکم بن جاؤں، میری حکومت آجائے، میری سربلندی ہو جائے، تو پیارو! جو بھی کلمۃ اللہ کے علاوہ کسی چیز کو بلند کرنا چاہے گا، اِس میں سے کسی بھی مقصد کے لیے لڑے گا، وہ فی سبیل اللہ نہیں ہے۔

اللہ نے ہمیں جو دین دیا ہے وہ ان ساری قیود سے، وہ شخصیت پرستی، تنظیم پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، لسانیت پرستی، ان سب پرستشوں سے آزاد ہو کے ایک اللہ کی خاطر لڑنا، لا الٰہ الا اللہ کی خاطر لڑنا سکھاتا ہے، جو لا الٰہ الا اللہ کی خاطر لڑ رہا ہے، وہ فی سبیل اللہ ہے۔ تو اپنا ہدف واضح رکھیں تاکہ یہ نہ ہو کہ خدانخواستہ لڑ تو رہے ہوں اُسی میدان جہاد میں، لیکن آخرت کے دن جاکر پتہ چلے کہ نعوذ باللہ تم تو فی سبیل اللہ تھے ہی نہیں، تم تو کسی اور چیز کی خاطر، کسی اور چیز کو بلند کرنے کی خاطر لڑ رہے تھے۔ تو یہ چیز اچھی طرح ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں واضح ہو کیونکہ آخرت کے جتنے وعدے ہیں قرآن میں، وہ اسی چیز سے جڑے ہیں کہ انسان اپنی سربلندی اور کسی اور چیز کی بلندی نہ چاہ رہا ہو۔ اللہ فرماتے ہیں:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ (سورۃ القصص: ۸۳)

وہ آخرت کا گھر، جنت، ہم نے ان کے لیے رکھا ہے جو کیا ہوں؟ دو صفات ان میں پائی جاتی ہوں؛ نہ زمین میں اپنے لیے بلندی، غلبہ، تسلط چاہتے ہوں اور نہ زمین کے اندر فساد مچانا چاہتے ہوں۔ جو ان وجوہات سے لڑے گا، جس کو اپنی بلندی کچھ نہیں چاہیے، اپنے لیے کوئی دنیا کی طلب نہیں ہے، اللہ اور بس اللہ کے لیے لڑ رہا ہے، اللہ کے دین کے لیے لڑ رہا ہے، اللہ کے کلمے کے لیے لڑ رہا ہے، توحید کے لیے لڑ رہا ہے، شریعت کے لیے لڑ رہا ہے، تو جو اس لیے لڑ رہا ہے وہ آخرت کے گھر کا، جنت کا مستحق ہو گا۔

تو علامہ ابو سعود لکھتے ہیں کہ عُلُوًّا سے یہاں مراد ہے غلبةً و تسلطاً۔ جو اس لیے لڑے کہ میرا غلبہ ہو جائے، میرا تسلط آجائے، ہمارا، ہماری پارٹی کا، ہمارے گروپ کا، ہم لوگوں کا، ہماری قوم کا، ہمارے وطن کا، یہ اُس کا مقصود ہے۔ قطعِ نظر اس سے کہ اسلام کیا کہہ رہا ہے، اگر یہ اس کا مقصود ہے تو پھر وہ جو دار الآخرۃ ہے وہ اس کے لیے نہیں ہے۔ وہ آخرت کا گھر پھر اس کے لیے نہیں ہے۔

اسی طرح جو فساد مچانے کے لیے لڑ رہا ہے، شریعت کے علاوہ جو کچھ بھی لے کے آئے گا، وہ کمیونزم لائے گا، وہ ڈیموکریسی لائے گا، وہ کوئی بھی چیز لے کے آئے گا انسانی عقل کی اختراع کردہ، اسلام سے ہٹ کے، وہ فسادی ہے، وہ فساد مچائے گا، اسلام کے سوا سب کچھ فساد ہے، اسلام کے سوا کسی بھی چیز کا غلبہ فساد ہے، توحید کے سوا جو کچھ بھی ہو گا وہ کفر و شرک ہو گا، وہ فساد کا باعث ہو گا۔ تو جو ان میں سے کسی بھی چیز کی خاطر لڑے گا پیارو! وہ اپنا جہاد خراب کرے گا۔ یہ پہلی شرط ہے جس کو ذہن میں بٹھانے کی ضرورت ہے کہ شہید وہ ہے جو کیا کر رہا ہو؟ فی سبیل اللہ لڑ رہا ہو، جو اللہ کے رستے میں لڑ رہا ہو۔

دوسری چیز پیارے بھائیو! جو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایانعم إن قتلت في سبيل الله و أنت صابرٌ... کہ ہاں تمہارے گناہ تب معاف ہوں گے جب تم اللہ کے رستے میں لڑ رہے ہو اور تم صابر ہو۔ دوسری شرط شہادت کی قبولیت کے لیے یہ ہے کہ انسان صابر ہو۔ تو صبر کس کو کہتے ہیں؟ صابر ہونے سے مراد ہے الغَيْرُ جَزِعٍ..... یعنی جزع فزع کرنے والا نہ ہو، بے قرار قسم کی شخصیت نہ ہو۔ ہوتے ہیں نا، مجاہدین کے اندر بھی ہوتی ہیں، بے چین روحیں ہوتی ہیں بہت ساری، کہیں بیٹھتے نہیں ہیں آرام سے، کہیں سکون سے نہیں بیٹھتے، کوئی حکم دیں تو ماننا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے، ان کو اپنی پسند کا حکم چاہیے، ان کے پاس ایک اپنا ایجنڈا ہے، ان کو وہ کام چاہیے جو وہ چاہتے ہیں اور ان کو وہ حکم چاہیے جو ان کی پسند اور ناپسند سے میل کھاتا ہو، اس کے مطابق وہ چلنا چاہتے ہیں۔ تو کہیں بھی ٹکنا، کہیں بھی سکون سے بیٹھنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔

صبر کی تعریف علماء کرتے ہیں کہ دل کی بے قراری پہ قابو پانے کا نام صبر ہے۔ خلاصہ صبر کا یہ ہے۔ صبر بہت وسیع لفظ ہے اور شاید یہ ایک تعریف سب چیزوں کو سمیٹ لیتی ہے۔ یہ دل کی بے قراری ہے جو نماز میں دل نہیں لگنے دیتی ہے، اِدھر اُدھر لے کے جاتی ہے، تو ذرا سکون اُس پہ طاری کرنا، اُس کا رُخ نماز کی طرف ہی رکھنا، یہ صبر ہے۔ اسی طرح دشمن کی طرف سے بمباری ہو رہی ہو، سر کے اوپر ایک مصیبت گھوم رہی ہو اور اسی طرح گولیاں دائیں بائیں سے گزر رہی ہوں، ان ساری کیفیات کے اندر دل تو بے قرار ہوتا ہے نا، دل کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ قلب! قلب اور انقلاب کا مادہ ایک ہی ہے۔ دل کی فطرت ہے کہ اس میں انقلاب آتے ہیں، وہ الٹتا پلٹتا رہتا ہے، ایک حالت پہ ٹکتا نہیں ہے، الا یہ کہ اللہ اس کو سکینت نصیب فرمادے۔ دل کی سکینت کس چیز میں ہے؟ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ..... دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے۔ اللہ کے احکامات کو بجالانے میں، اللہ کی یاد میں، ان چیزوں کو پکڑنے سے، عبادات کو کرنے سے دل پہ سکینت طاری ہوتی ہے۔ عبادات کو کرنے سے دل کی بے قراری ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے دل کے اندر کی یہ جو جزع فزع ہے، یہ رکتی ہے، اور دل کے اوپر ایک متانت، ایک سنجیدگی، ایک وقار، ایک کنٹرول جو ہے وہ انسان کو نصیب ہوتا ہے جب وہ عبادات کرتا ہے اور جب وہ اللہ کے احکامات کو بجالاتا ہے۔

تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ صبر ایک بہت وسیع صفت ہے اور جو مجاہد صبر میں جتنا کم ہو گا، شہادت میں وہ اتنا نیچے ہو گا۔ پہلی چیز ہے شہادت کی قبولیت، پھر قبولیت کے بعد شہادت میں بھی تو کتنے درجات ہیں۔ حدیث میں نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے مجاہدین کے لیے کتنے درجے تیار کیے؟ مِأَةَ درجات، سو درجات تیار کیے۔ تو سب ایک سطح کے شہید نہیں ہوں گے کہ سب کے سب نے ایک ہی جگہ جانا ہے، سب شہداء کے درجوں میں فرق ہے۔ اسی لیے علماء کہتے ہیں، علامہ ابنِ قیمؒ نے لکھا ہے کہ جو شہادت کے بعد، ایک تو بعد از قیامت جو کچھ ہونا ہے نا حساب کتاب کے بعد، ایک اُس سے قبل شہید ہوتے ساتھ ہی، جو احادیث میں آتا ہے کہ اُس کی روحوں نے جنت کے باہر گردش کرنا ہے، تو وہ جو عِلِّيِّيْنَ میں روحیں ہوں گی، شہید کی روحوں کے حوالے سے مختلف حدیثیں آتی ہیں، بعض کہتی ہیں کہ جنت کے اندر ہوں گی، بعض کہتی ہیں جنت سے باہر ہوں گی۔ ابنِ قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ شہداء کے مختلف درجوں کے اعتبار سے ہے۔ جو اعلیٰ درجے کا شہید ہو گا، اُس کی روح کو مرتے ساتھ ہی، قتل ہوتے ساتھ ہی اجازت ہو گی اِس بات کی کہ وہ جنت کے اندر گھومیں۔ اور جو اس سے کم درجے کا ہو گا وہ جنت کے دروازے پہ، جو اس سے کم درجے کا ہو گا وہ جنت کے باہر کا جو علاقہ ہے، جنت سے باہر جو نہریں نکل رہی ہیں، اُس کے اوپر، اور جو اُس سے کم درجے کا ہو گا، اُسی اعتبار سے اس کی جو فضیلت ہے وہ کم ہوتی چلی جائے گی۔

تو ہم نے پہلے ہی کہا کہ مومن کی تڑپ یہ ہونی چاہیے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ کے پیچھے جائے، بہتر سے بہتر کے پیچھے جائے۔ جتنا صبر کم ہو گا، اتنی شہادت کا درجہ کم ہوتا جائے گا اور جتنا صبر زیادہ ہو گا اتنے اعلیٰ درجے کی شہادت ان شاء اللہ ملے گی اور اللہ کے ہاں اتنا اونچا ثواب ملے گا۔ اور صبر ہو گا ہی نہیں تو آپ کی شہادت کی قبولیت پہ ہی سوالیہ نشان پڑ جائے گا۔ تو صبر جو ہے وہ ایک بنیادی صفت ہے۔ گناہوں کے خلاف صبر، نفس کی اکساہٹوں کے خلاف صبر، شیطان کے حملوں کے خلاف صبر، عبادات پر جمے رہنے کے لیے جو صبر مطلوب ہے وہ صبر۔ اسی طرح دشمن کی طرف سے جو آزمائشیں آتی ہیں، شہادتیں ہوتی ہیں، گرفتاریاں ہوتی ہیں، مایوسی شیطان ڈالتا ہے، اُس کے اوپر صبر۔ تو ان سب چیزوں پر صبر کرنا، مَردوں کی طرح مصائب کا مقابلہ کرنا، مشکلات کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونا اور ہر مشکل کے اوپر جو ہے وہ دل کڑا کر کے اللہ کی خاطر اُس کو برداشت کرنا۔ اسی طرح پہاڑ چڑھنے کے اوپر صبر، سردی برداشت کرنے پہ صبر، اہل و عیال سے دور رہنے پہ صبر، یہ سارے صبر ہیں۔ جو اس میں جتنا آگے ہو گا، جو جتنا دل کی بے قراری کو قابو میں رکھے گا، اتنا ان شاء اللہ وہ اللہ کے ہاں اعلیٰ مرتبہ پا رہا ہے۔ اور اسی کے ساتھ شامل کر لیں بالخصوص یہ صبر جو میں نے پہلے ذکر کیا کہ سمع وطاعت کے اوپر صبر کرنا، یہ سب سے مشکل صبر میں سے ہے کہ انسان کو اس کی پسند کے خلاف حکم دیا جائے۔ تو پیارو! وہ ایک بیعت جو صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کی تھی یا رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے لی تھی اور جو اصلاً ہم میں سے ہر ایک نے بالواسطہ طریقہ سے کر رکھی ہے اللہ کے نبی ﷺ سے جو بیعت، وہ کیا بیعت تھی؟ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیعت لی سمع وطاعت کی، بات سننے اور ماننے کی، چاہے تنگی ہو چاہے آسانی ہو، چاہے حکم پسند ہو یا حکم ناپسند ہو، اور چاہے دوسروں کو ہم پہ ترجیح دی جا رہی ہو، ان پانچوں صورتوں میں ہم حکم کو مانیں گے۔ یہ وہ بیعت ہے جو صحابہؓ نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر کی۔ یہ ہر مسلمان کی بیعت ہے کہ اس نے سمع وطاعت کرنی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 18 پر)

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البـــــراء الِإبّـــي

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابوالبراء الاِبّی کی تصنیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

تیسری وجہ: مرجفین کی افواہیں اور مخذلین کی حوصلہ شکنی

امام ابن النحاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"امیر [حوصلہ شکنی کرنے والے] مخذل کو لشکر میں شامل ہونے سے منع کرے۔ اگر وہ شامل ہو جائے تو اسے واپس کر دے۔ اگر وہ لڑ بھی لے تو وہ [غنیمت وغیرہ میں سے] کسی چیز کا مستحق نہ ہو گا۔ امام شافعی اور امام احمد کے ہاں اگر وہ کافر کو قتل بھی کر دے تب بھی کافر کے سلب [لوٹے ہوئے مال] کا مستحق نہ ہو گا۔

مخذل وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو ڈرائے کہ دشمن کی تعداد بہت ہے، ہمارے گھوڑے کمزور ہیں، ان کے مقابلے میں ہم بے بس ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اور مرجف بھی اسی کے ہم معنی ہے، جو افواہیں پھیلاتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ فلاں لشکر آرہا ہے، یا فلاں طرف سے دشمن کو مدد پہنچ گئی ہے، یا فلاں جگہ پر انہوں نے کمین لگائی ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

سیر [اسلامی جنگ] کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید کو یرموک کے موقع پر ایک شخص نے کہا: "رومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کتنے کم"، تو حضرت خالد بن ولید نے فرمایا: "تم نے بہت برا کہا۔ لشکر کثرت تعداد کے سبب نہیں جیتتا، الٹا ہمت ٹوٹ جانے (خذلان) سے ہارتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا۱۲۔۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ڔ وَمَا هِىَ بِعَوْرَةٍ ڔ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۱۳۔۔

"یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب اُن میں سے ایک گروہ نے کہا کہ "اے یثرب کے لوگو، تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو" جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ "ہمارے گھر خطرے میں ہیں" حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ (محاذ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔" [الاحزاب:12-13]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ آیتیں تب نازل ہوئیں جب طعمہ بن ابیرق، ابن قشیر اور دیگر کوئی ۷۰ افراد نے خندق کے دن کہا تھا: [آپ صلی اللہ علیہ وسلم] کیسے ہمیں کسریٰ اور قیصر کے خزانوں پر قبضہ کرنے کے وعدے کر رہے ہیں جبکہ ہم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے بھی نہیں جا سکتا۔"

استاذ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں فرماتے ہیں:

"ان لوگوں، یعنی منافقین کو، قدموں کو ڈگمگا دینے والی آزمائش اور سانس گھوٹنے والی سختی میں موقع مل گیا کہ وہ اپنے اندر چھپی خباثت بھی اگل دیں اور انہیں کوئی ملامت بھی نہ کر سکے۔ انہیں موقع ملا کہ وہ حوصلہ توڑیں، ہمتیں پست کریں، اللہ اور اس کے رسول کے وعدے میں شک اور بد ظنی پیدا کریں۔ جبکہ انہیں تسلی تھی کہ اس موقع پر ہمیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ کیونکہ بظاہر صورت حال حوصلہ شکنی اور شک پھیلانے میں مدد دے رہی تھی۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کا اپنا آپ اور ان کے جذبات ان کی منطق حقیقت کے مطابق ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ کیونکہ ہیبت ناک صورت حال نے ان پر سے وہ پتلا پردہ بھی ہٹا دیا تھا جس سے وہ خوشنما نظر آنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ان کی جانوں کو ایسا ڈرایا تھا کہ ان کا ڈگمگاتا ہوا ایمان مزید نہ ٹھہر سکا! اس حالت میں انہوں نے اپنے حقیقی جذبات ظاہر کر دیے، بغیر کسی ملمع سازی کے!

ایسے منافق اور مرجف ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں جن کا سختی کے موقع پر ویسا ہی موقف ہوتا ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ بالا ساتھیوں کا گزرا۔

یہ ہر زمانے میں بار بار ظاہر ہونے والا معاملہ ہے۔ نسل در نسل اور جماعت در جماعت۔ انہوں نے اہل مدینہ کو شہ دی کہ وہ صفوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس لوٹیں۔ اس دلیل کی بنا پر کہ ان کا جنگی حالت میں خندق کے سامنے ایسے ٹھہرے رہنے کا کوئی جواز اور ضرورت نہیں، جبکہ پیچھے ان کے گھروں کو خطرہ لاحق ہے۔ یہ خبیث پکار دلوں میں کمزور ترین جگہ سے داخل ہوتی ہے، عورتوں اور بچوں پر ڈر کے راستے سے۔

جبکہ خطرات نے گھیرا ہوا ہے اور سختی زوروں پر ہے، اور گمانوں کا طوفان ایسے برپا ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتا! اور ان میں سے ایک گروہ نبی ﷺ سے اجازت مانگتا ہے (کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں)۔ گھروں کا بغیر حفاظت کے دشمن کے نرغے میں ہونے کو دلیل بنا کر اجازت مانگی۔

یہاں قرآن اصل حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کی دلیل اور عذر کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتا ہے (حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے)۔ اور انہیں جھوٹ، چالبازی، بزدلی اور فرار کی اس حالت میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہے (دراصل وہ جنگ سے بھاگنا چاہتے ہیں)۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ ۸۳

"پھر اگر خدا تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے نکلنے کی اجازت طلب کریں تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ (مددگار ہو کر) دشمن سے لڑائی کرو گے۔" [التوبہ:83]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

"یہ دلالت کرتا ہے کہ ڈگمگانے والے (مرجف) کو جنگ میں لے جانا جائز نہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور اس طرح جب [تاتاری] دشمن آیا تب منافقین میں سے ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا: چونکہ اسلامی ریاستیں اب نہیں کھڑی ہو رہی اس لیے تاتار کی دولت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اور بعض افراد نے کہا: شام کی سرزمین اب قابل رہائش نہ رہی، اس لیے ہمیں یہاں سے منتقل ہو جانا چاہیے۔ چاہے حجاز کی طرف ہو، یمن کی طرف ہو یا مصر کی طرف۔ بعض نے کہا: مصلحت اس میں ہے کہ ہم ان کے سامنے تسلیم ہو جائیں جیسے عراق والے تسلیم ہوئے اور ان کی حکومت کے تابع ہو گئے۔ اس سانحہ میں بھی یہ تین باتیں کہی گئیں جیسا کہ اس سے پہلے کہی گئی تھیں۔ اس طرح منافقین کے ایک گروہ اور بیمار دل والوں نے اہل دمشق کو خصوصاً اور اہل شام کو عموماً کہا: اس زمین پر اب تمہارا ٹھہرنے کا موقع نہیں۔"

شیخ الاسلام نے یہ بھی فرمایا:

"اس فتنے میں لوگ تین گروہ میں بٹ گئے۔ طائفہ منصورہ کا گروہ؛ یعنی کہ مفسد قوم سے جہاد کرنے والے، مخالف گروہ؛ یہ وہ [منافق] لوگ تھے اور ان کی طرف داری کرنے والے اسلام سے منسوب عقل سے فارغ لوگ، اور مخذل گروہ؛ جو جہاد چھوڑ کر بیٹھ گئے اگرچہ ان کا اسلام درست تھا۔ تو ہر شخص دیکھے آیا وہ طائفہ منصورہ میں سے ہے، طائفہ خاذلہ میں سے ہے یا مخالفہ میں سے، کیوں کے چوتھی قسم کوئی نہیں۔ اور جان لے کہ جہاد میں دنیا اور آخرت کی خیر ہے اور اس کے چھوڑنے میں دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ ۵۲

"کہہ دو آیا تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو۔" [التوبہ:52]

یعنی کہ یا فتح و نصرت اور یا شہادت اور جنت کے۔ پس مجاہدین میں سے جو زندہ رہ جائے تو وہ باعزت ہے۔ اس کے لیے دنیا میں بھی اجر ہے اور آخرت میں بہترین اجر ہے۔ اور جو مر گیا یا قتل ہوا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔"

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ المغنی میں لکھتے ہیں:

"امیر اپنے ساتھ مخذل کو نہ لے جائے۔ مخذل وہ ہے جو لوگوں کو جنگ سے مایوس کرتا ہے اور قتال، جہاد اور جنگ پر نکلنے سے انہیں روکتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے: گرمی یا سردی بہت سخت ہے، سفر بھی سخت ہے، اور ایسے لشکر کے ہاتھوں شکست کھانا کوئی بعید نہیں، اسی طرح کی دیگر باتیں۔

اور نہ ہی مرجف کو لے جائے۔ یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ مسلمانوں کا سریہ ہلاک ہو گیا، ان کے لیے اب کوئی کمک نہیں، وہ کفار کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کافروں کو قوت، کمک اور صبر حاصل ہے، ان کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، اور ایسی دیگر باتیں کرے۔

اور نہ ایسے شخص کو ساتھ لے جائے جو جاسوسی کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کرے اور کفار کو مسلمانوں کے کمزور پہلو دکھائے، ان کی خبریں لکھ کر بھیجے، ان کی کمزوریاں بتائے، ان کے جاسوسوں کو پناہ دے۔

اور نہ ہی ایسے شخص کو ساتھ لے جائے جو مسلمانوں کے درمیان دشمنی پیدا کرے اور فساد پھیلائے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَّلٰكِنۡ كَرِهَ اللّٰهُ انۡۢبِعَاثَهُمۡ فَثَبَّطَهُمۡ وَقِيۡلَ اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ۴۶ لَوۡ خَرَجُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡۤوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ يَبۡغُوۡنَكُمُ الۡفِتۡنَةَ ۚ ۴۷

"لیکن خدا نے ان کا اُٹھنا (اور نکلنا) پسند نہ کیا تو ان کو ملنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں معذور بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ

تم میں (شامل ہو کر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے۔"

[التوبہ:46-47]

اور کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے لیے نقصان کا باعث ہیں اس لیے امیر پر لازم ہے کہ انہیں منع کرے۔ اور اگر ان کے ساتھ ایسا کوئی شخص نکلے تو اسے نہ غنیمت میں حصہ دے اور نہ انعام دے چاہے وہ مسلمانوں کے ساتھ بظاہر مدد کرتا نظر آئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ایسا منافقت میں کر رہا ہو جبکہ اس پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ اس لیے وہ محض نقصان ہی ہے، اور وہ غنیمت میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے (شقحب کے) واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے:

"لوگوں کے درمیان تاتاریوں کے ساتھ جنگ کرنے کے حکم کے بارے میں بحث ہوئی، کہ یہ قتال کس حکم کے تحت ہے؟ کیونکہ وہ اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ پھر وہ امام پر باغی بھی نہیں کیونکہ وہ کبھی اس کی اطاعت میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے کہ اب مخالفت کر رہے ہوں۔ تو شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے فرمایا:

"در حقیقت یہ خوارج کی طرح ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف خروج کیا۔ ان کا موقف تھا کہ وہ ان دونوں سے زیادہ خود حکمرانی کے حقدار ہیں۔ اور یہ گروہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق قائم کرنے میں مسلمانوں سے زیادہ حقدار ہیں۔ نیز مسلمانوں کو ان کے گناہوں اور ظلم کی وجہ سے برا بھلا کہتے ہیں، جبکہ وہ خود اس سے کئی گنا زیادہ محرمات کے مرتکب ہیں۔ پس علماء اور لوگ ان کو سمجھ گئے۔"

اور شیخ ابن تیمیہ لوگوں سے یہ کہتے تھے:

"اگر تم مجھے ان کی طرف پاؤ اور میرے سر پر قرآن کریم کا نسخہ بھی ہو تو مجھے قتل کر دینا۔"

تب جا کر لوگوں میں تاتاریوں کے خلاف لڑنے کی جرأت پیدا ہوئی اور ان کے دل اور نیتیں مضبوط ہوئیں، وللہ الحمد۔"

چوتھی وجہ: مجاہدین کو صحیح طرح نہ سمجھ پانا

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جو شخص جہاد کے ساتھ نیا نیا جڑتا ہے وہ مجاہدین کو ایسے فرشتے تصور کرتا ہے جن سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی اور اگر ہوئی تو گویا یہ جہاد کے منافی ہے۔ حالانکہ مجاہدین بھی تو انسان ہیں۔ غلط بھی کرتے ہیں اور اچھا بھی۔ ہم ان کے بارے میں یہ گمان ضرور کرتے ہیں کہ ان کی اچھائیاں ان کی غلطیوں سے زیادہ ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں کوئی غلطی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مجاہدین میں غلطیاں ہوتی ہیں چاہے بڑی ہوں یا چھوٹی، کم ہوں یا زیادہ۔ کیونکہ یہ بھی تو دیگر انسانوں کی طرح انسان ہیں۔

اب جب کوئی جو ان یہ تصور لے کر مجاہدین میں داخل ہو گا تو یقیناً اسے غلطیاں دیکھ کر جھٹکا لگے گا۔ اس صورت حال سے اس کی زندگی میں تناؤ پیدا ہوتا ہے جو کہ اس پر منفی اثر مرتب کرتا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ جہاد چھوڑ بیٹھتا ہے۔ خصوصاً اگر غلطی بڑوں کی طرف سے ہو۔

مجاہدین کے بعض افراد کی طرف سے غلطی سرزد ہونے کا مطلب جہاد کا غلط ہونا نہیں ہے۔ مجاہدین کو نصیحت بھی محبت کے ساتھ دوستانہ طریقے سے ہونی چاہیے تاکہ جہاد کا انکار کرنے والے مخذل اس نصیحت کو جہاد سے متنفر کرنے کے لیے نہ استعمال کر پائیں۔

مجاہدین دیگر افراد کی طرح انسان ہیں۔ ان سے برائی بھی ہوتی ہے اور اچھائی بھی۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کسی کو عصمت حاصل نہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن جب بھی غلطیوں کا تذکرہ کرنے کی ضرورت پڑے تو انتہائی احتیاط برتنی چاہیے۔ نصیحت کرنی ہو تو فقط مخصوص دائرے میں کریں۔ عام منبروں پر نہ ہو تاکہ اس نصیحت کو جہاد اور مجاہدین پر انکار نہ سمجھا جائے۔ دشمنان دین اور دشمنان دعوت و جہاد کا یہ خاص ہدف ہوتا ہے کہ عام منبروں پہ ان غلطیوں کے ذکر کو بار بار پیش کریں۔ تاکہ وہ سچے داعیوں کو ختم کرنے کے لیے اور جہاد اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دینی فریضہ کو ختم کرنے کے لیے اپنے شاطرانہ منصوبہ میں اس پہلو سے فائدہ اٹھائیں۔

مجاہدین کی خطاؤں کے بارے میں بولنے کے انجام پر توجہ نہ دینے سے ایک بڑا مفسدہ پیدا ہوتا ہے۔ امت کو جہاد کے ذریعے جگانے سے روکنے میں ایسا بولنے والا اپنے آپ کو دشمنان دین کے ساتھ کھڑا دیکھے گا اور کبھی نہ جانتے ہوئے اپنے آپ کو کافر اور منافق طواغیت کی صف میں کھڑا کر دے گا۔

آیئے دیکھیں کہ قرآن مجید مجاہدین کی غلطیاں کیسے درست کرتا ہے۔ جب غزوۂ احد میں تیر انداز رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ڈٹے نہ رہے اور میدان جنگ میں اتر آئے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہر حال میں اپنی جگہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اور کافرینِ قریش کے ساتھ جنگ ختم ہونے سے پہلے انہیں منع کیا تھا کہ وہ میدان جنگ میں اتریں، لیکن انہوں نے تیزی دکھائی اور جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی میدان میں اتر آئے، پھر جب ہار گئے تو انہوں نے پوچھنا شروع کیا: ہم کیوں ہارے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۶۵

(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (اُحد کے دن کافر کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوچند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی؟ کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے (کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا) بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ [آل عمران:165]

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مجاہدین کی غلطی تو بیان کی لیکن نہ ان کی ثقاہت پر جرح کی اور نہ ان کی نیتوں پر شک کیا۔ کیونکہ ان افراد کا نصرتِ اسلام میں ایک بڑا کردار تھا۔ نقد کے معاملے میں اسلامی منہج بیک وقت متوازن اور معروضی ہے۔ سرزنش کرنا اور ہر خطاکار کی غلطی بیان کرنا اسلامی فرض ہے، لیکن یہ خطا اس خطاکار کی بے شمار نیکیوں کے درمیان معاف کر دینی چاہیے۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس نکتہ پر بہت توجہ دیتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرتے تھے:

أقيلوا ذوي الهيئات عثراتهم

"صاحب حیثیت کی لغزشوں سے درگزر کرو۔"

اس طرح صاحب قدر و منزلت و غیرت کی غلطیوں کے ساتھ تعامل کے منہج میں توازن پیدا ہوتا ہے۔

کیا آپ نے سنا ہے کہ احد میں شریک کسی بھی صحابی نے اپنے بھائی کو عار دلایا کہ وہ میدان جنگ سے بھاگا۔ اور پھر پوری زندگی اسے عار دلاتا رہے کہ اے بھگوڑے، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔

ہم پر [(یمن کے شہر) مکلا سے] پسپائی کے ڈیڑھ سال گزر گئے اور آج تک بیمار ذہن پسپائی کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ کاش وہ شریعت نافذ کرنے اور دیگر بھلائی کے کاموں کی تعریف بھی کیا کریں۔ نہیں! دراصل انہیں پیچھے رہ جانے والے اموال اور ہوٹلوں اور ایئر کنڈیشنوں پر حسرت ہے۔

ہمیں آج بھی احزاب کی جنگ کا سامنا ہے۔ تو آیئے احزاب اور امت کے خلاف ان کے حملے پر باتیں کریں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں، انہیں شکست دینے کے لیے کیا منصوبے بنائیں، کیسے فتح یاب ہوں۔

مجاہدین معصوم نہیں ہیں۔ ان میں صالح افراد بھی ہیں اور دیگر بھی۔ بلکہ ممکن ہے کہ ان کا امیر فجار میں سے ہو۔ پھر بھی یہ جہاد چھوڑنے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ یہاں تک کہ اہل سنت نے اس مسئلے کو اپنے منہج کے اصول اور عقائد کی بحثوں میں ذکر کیا ہے، کہ جہاد قیامت تک ہر نیک اور فاجر امیر کے ساتھ جاری رہے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

"چنانچہ اہل سنت و جماعت کے اصول میں سے ہر نیک اور فاجر کے ساتھ جنگ لڑنا شامل ہے۔ اللہ اس دین کی تائید فاجر شخص سے بھی کرتا ہے۔ اور ایسی قوموں سے جنہیں خیر و بھلائی نصیب نہیں۔ جیسا کہ پیغمبر پاک ﷺ نے ہمیں بتایا۔ کیونکہ اگر جنگ صرف فاجر امیر کے ساتھ ہی ممکن ہو، یا ایسے لشکر کے ساتھ جن کی اکثریت فاجر ہے تو اب دو باتوں میں ایک ممکن ہے۔ یا تو ان کے ساتھ جہاد چھوڑ دیا جائے، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دین و دنیا کے اعتبار سے ان سے زیادہ بدتر لوگ قابض ہو جائیں گے۔ اور یا فاجر امیر کا ہی ساتھ دیا جائے، جس سے دونوں فریق میں سے بدتر کو دفع کیا جا سکے اور اسلام کے اکثر احکام نافذ ہو سکیں، اگرچہ تمام نافذ نہ بھی ہوں۔ اس حالت اور اس طرح کی تمام حالتوں میں یہی واجب ہے، بلکہ خلفائے راشدین کے بعد جتنا بھی جہاد ہوا، وہ اکثر اسی صورت پر تھا۔

نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

الخيل معقود في نواصيها الخير إلى يوم القيامة: الأجر والمغنم

"تا قیامت گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر بندھا ہوا ہے: اجر بھی اور غنیمت بھی۔"

یہ حدیث شریف اسی حدیث کے معنی پر دلالت کرتی ہے جو سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الغزو ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل.

"جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس وقت سے جہاد جاری ہو چکا ہے یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال کے خلاف لڑ نہ لیں۔ اس دوران نہ کسی ظالم کا ظلم اور نہ کسی عادل کا عدل اسے روک سکے گا۔"

نیز رسول اللہ ﷺ سے کافی روایات میں آیا ہے کہ:

لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، لا يضرهم من خالفهم إلى يوم القيامة.

"میری امت میں سے ایک گروہ حق پر ثابت رہے گا۔ انہیں تا قیامت مخالفت کرنے والے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

ان کے علاوہ وہ تمام دلیلیں بھی موجود ہیں جن پر عمل کرنے پر اہل سنت و جماعت کے تمام گروہ متفق ہیں کہ نیک و بد تمام امراء کے ساتھ جہاد کرنا چاہیے بر خلاف رافضہ اور خوارج کے جو کہ سنت و جماعت سے خارج ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر 27 پر)

صحابۂ کرامؓ کا مقام

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی نوّر اللہ مرقدہٗ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقدس ترین طبقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ فیض یافتہ اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے جن کا اصطلاحی لقب صحابۂ کرام ہے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خدا اور رسول نے من حیث الطبقہ اگر کسی گروہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صرف صحابۂ کرام کا طبقہ ہے۔ ان کے سوا کسی طبقے کو من حیث الطبقہ مقدس نہیں فرمایا کہ طبقے کے طبقے کی تقدیس کی ہو۔ مگر اس پورے کے پورے طبقے کو راشد و مرشد، راضی و مرضی، تقی القلب، پاک باطن، مستقر الطاعت، محسن و صادق، اور موعود بالجنۃ فرمایا۔ پھر ان کی عمومی مقبولیت و شہرت کو کسی خاص قرن اور دور کے ساتھ مخصوص اور محدود نہیں رکھا بلکہ عمومی گردانا۔ کتبِ سابقہ میں ان کے تذکروں کی خبر دے کر بتلایا کہ وہ اگلوں میں بھی جانے پہچانے لوگ تھے اور قرآن کریم میں ان کے مدائح و مناقب کا ذکر کر کے بتلایا کہ وہ پچھلوں میں بھی جانے پہچانے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جب تک قرآن کریم رہے گا۔ زبانوں پر، دلوں میں ہر وقت کی تلاوت میں پنج وقتہ نمازوں میں، خطبات و موعظت میں، مسجدوں میں اور معبدوں میں، مدرسوں اور خانقاہوں میں، خلوتوں اور جلوتوں میں، غرض جہاں بھی اور جب بھی اور جس نوعیّت سے بھی قرآنِ کریم پڑھا جاتا رہے گا، وہیں ان کا چرچا اور اُمت پر ان کا تفوّق نمایاں ہوتا رہے گا بس بلحاظِ مدح و ثنا وہ اُمّت میں یکتا و بے نظیر ہیں جن کی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اوّل و آخر کوئی نظیر نہیں ملتی۔ مگر علمائے دیوبند نے اپنے اس مسلک میں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت عرض کیا گیا، رشتہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی گوشہ سے بھی اس میں افراط و تفریط اور غلو کو آنے نہیں دیا۔

مثلاً وہ اس عظمت و جلالت کے معیار سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائق محبت سمجھیں اور کسی کو معاذاللہ لائق عداوت سمجھیں۔ کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوں اور العیاذ باللہ کسی کی مذمت میں، یا تو انہیں سب و شتم اور قتل و غارت کرنے پر اتر آئیں اور ان کا خون بہانے میں بھی کسر نہ چھوڑیں اور یا پھر ان میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آجائیں۔ انہیں معصوم سمجھنے لگیں حتیٰ کے ان میں سے بعض کو حلولِ خداوندی ماننے لگیں۔

علماء دیوبند کے مسلک پر یہ سب حضراتِ مقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں۔ مگر نبی یا خدا نہیں۔ بلکہ بشریت کی صفات سے متصف، لوازم بشریت اور ضروریاتِ بشری کے پابند ہیں، مگر عام بشر کی سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں۔ جو عام بشر تو بجائے خود ہیں۔ پوری امت کے اولیائے کرام بھی ان مقامات تک نہیں پہنچ سکے۔ یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شرفِ صحابیّت اور صحابیّت کی بزرگی میں یکساں ہیں اس لیے محبت و عظمت میں بھی یکساں ہیں۔ البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب بھی ہے، لیکن یہ فرق چونکہ نفسِ صحابیت کا فرق نہیں اس لیے اس سے نفسِ صحابیت کی محبت و عقیدت میں بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔

پس اس مسلک میں "اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُم عَدُوْلٌ" (صحابۂ کرام سب کے سب عادل تھے) کا اصول کارفرما ہے جو اس دائرے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کا جو بعینہٖ مسلک علماء دیوبند ہے اوّلین سنگِ بنیاد ہے۔

اسی طرح علماء دیوبند ان کی اس عمومی عظمت و جلال کی وجہ سے انہیں بلا استثناء نجومِ ہدایت مانتے ہیں اور یہ کہ بعد والوں کی نجات انہی کی علمی و عملی اتباع کے دائرے میں محدود ہے لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق تشریع ان کے لیے ماننے لگیں اور یہ کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جسے چاہیں حرام بنا دیں۔ ورنہ نبوت اور صحابیت میں فرق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس وہ امتی تھے مگر نبوت کے مخلص ترین جاں نثار خادم تھے جن کی بدولت دین اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور اس نے دنیا میں قدم جمائے اس لیے وہ سب کے سب مجموعی طور پر مخدوم العالم اور خیر الخلائق بعد الانبیاء ہیں، ہاں مگر یہ حضرات اس مسلک کی رُو سے گو شارع تو نہ تھے مگر فانی فی الشریعت تھے۔ شریعت ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی تھی اور وہ اس میں گم ہو کر اس کے درجۂ کمال پر آگئے تھے جو مدار اطاعت ہوتا ہے اس لیے علمائے دیوبند انہیں شریعت کے بارے میں عیاذاً باللہ خائن یا متساہل یا بدنیت یا حب جاہ و جلال کا اسیر کہنے کی معصیّت میں مبتلا نہیں۔ ان کے نزدیک یہ سب مقدسین، دین کی روایت کے راوی اوّل، دینی درایت کے مبصّرِ اول، دینی مفہومات کے فہیم اوّل اور پوری امت کے مربّیِ اول حسب فرمودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کے حق و باطل تھے جن کی رُو سے فرقوں کے حق و باطل کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر ان کی محبّت و عظمت دل میں ہے اور بلا استثناء ہے تو وہ فرقہ حقّہ کا فرد ہے۔ اور اگر ذرا بھی ان کی عظمت و عقیدت میں کمی یا دل میں ان کی نسبت سے سوئے ظن ہے تو اسی نسبت سے وہ فرقہ ناجیہ سے الگ ہے۔ پس حق و باطل کے پرکھنے کی پہلی کسوٹی ان کی محبت و عظمت اور ان کی دیانت اور تقوائے باطن کا اعتراف اور ان کی نسبت قلبی اذعان و اعتماد ہے، اس لیے جو فرقہ بھی بلا استثناء انہیں عدولِ و متقن مانتا ہے وہی حسب ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فرقہ حقہ ہے اور وہ الحمدللہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ اور جو ان کے بارے میں بدگمانی یا بدزبانی کا شکار ہے تو وہی حقانیت سے ہٹا ہوا ہے۔ اس لیے شریعت کے باب میں ان کے بارے میں کسی ادنیٰ دخل و فصل کا تو ہم پورے دین پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے اگر وہ بھی معاذاللہ دین کے بارے میں راہ سے اِدھر

اُدھر بھٹکے ہوئے تھے تو بعد والوں کے لیے صراطِ مستقیم پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پوری اُمّت اوّل سے آخر تک ناقابل اعتبار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے حسب مسلکِ علمائے دیوبند جہاں وہ منفرداً اپنی اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی و نقی اور صفی و دنی ہیں وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی انہی کے اتباع میں منحصر ہے اور وہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقہ پوری امت کے لیے نبی علیہ السلام کے قائم مقام اور معیارِ حق تھے۔ پس جیسے نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے ایسے ہی ان کے اجماع کا منکر بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے حتیٰ کہ ان کا تعامل بھی بعض ائمۂ ہدایت کے یہاں شرعی حجت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لیے جذباتی رنگ سے انہیں گھٹانا بڑھانا یا چڑھانا اور گرانا جس طرح عقل و نقل قبول نہیں کرتی اسی طرح علمائے دیوبند کا جامع عقل و نقل مسلک بھی قبول نہیں کر سکتا۔ علمائے دیوبند ان کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیش نظر انہیں سرتاج اولیاء مانتے ہیں مگر ان کے معصوم ہونے کے قائل نہیں البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ جس میں تقویٰ کی انتہاء پر بشاشت ایمان جوہر نفس ہو جاتی ہے اور سنت اللہ کے مطابق صدورِ معصیت عادۃً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ذالک اذا خالط بشاشة القلوب ۔اس مقام کے تقاضا سے ان کا تقوائے باطن ہمہ وقت ان کے لیے مذکر رہتا ہے۔ پس معصوم نہ ہونے کی وجہ سے ان میں معصیت کا امکان تھا مگر محفوظ من اللہ ہونے کی وجہ سے ان میں معصیت کا صدور اور ذنوب کا اقدام نہ تھا۔ پھر اس طبقہ میں یہ امکانی معصیت کا احتمال بھی بیرونی عوارض یا طبیعت کی حد تک تھا، قلبی دواعی کی حد تک نہ تھا کیونکہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے تقویٰ کے پرکھے پر کھائے ہونے کی شہادت قرآن کریم دے رہا ہے۔ اس لیے اگر عوام صحابۂ کرام میں سے کسی سے ابتدائی منزل میں طبعاً کوئی لغزش سرزد بھی ہوئی تو جیسا کہ وہ قلبی داعیہ یا گناہ کے کسی ملکہ سے جو دل میں جڑ پکڑے ہوئے ہو، سرزد شدہ نہ تھی ایسے ہی اس کا اثر بھی ان کے قلبی ملکات و احوال، یا باطنی تقویٰ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے ایسی اتفاقی لغزش سے بھی ان کی باطنی بزرگی جس کی خدا تعالیٰ نے شہادت دی ہے متہم نہیں ٹھہر سکتی۔

پس ان مقدسین میں کمال زہد و تقویٰ اور کمالِ فراست و بصیرت کی وجہ سے جذباتِ معصیت مضمحل اور دواعیٔ طاعت مشتعل تھے۔ معصیت سے وہ ہمہ وقت بیگانہ تھے اور طاعتِ حق میں یگانہ۔ ایمان و تقویٰ ان کے قلوب میں مزیّن اور کفر و فسوق ان کے باطن میں مبغوض تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارے میں قابل تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے، کہ بعد والے انہیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنالیں بلکہ آپ کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتۂ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید و تبصرہ کے فعل سے اُمّت مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حقدار سمجھتے بلکہ ان کی پاکدامنی اور تقوائے قلب کے منصوص ہو جانے کے دین کے معاملات میں ان کی لغزش تابحدِّ خطارہ جاتی ہے۔ معصیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء و صواب کا تقابل ہے، حق و باطل و معصیّت کا نہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کے باہمی معاملات میں (جو کہ نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) حسبِ مسلکِ علماء دیوبند نہ بدگمانی جائز ہے اور نہ بدزبانی۔ یہ توجیہہ کا مقام ہے نہ کہ تنقید کا۔ تِلْكَ دِمَآءٌ طَهَّرَاللّٰهُ عَنْهَا اَيدِينَا فَلَا نُلَوثُ بِهَا اَلسِنَتِنَا (عمر بن عبد العزیزؒ)۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی طبقہ بحیثیت طبقے کے مقدس نہیں کہ پورے طبقہ کو پاک باطن اور بلا استثناء عدول کہا جائے لیکن پھر بھی اس اُمت مرحومہ کا کوئی قرن اور کوئی دور مصلحوں، ہادیوں، مجددوں اور مقدسین سے خالی نہیں رہا۔ اور ائمۂ ہدایت، ائمۂ علوم اور ائمۂ کمالاتِ ظاہر و باطن کی کمی نہیں رہی۔ علماء دیوبند کے مسلک میں ان تمام جواہر فرد افراد کی عظمت و جلالت یکساں ہے خواہ وہ مجتہد مطلق ائمہ ہوں یا مجتہد فی المذہب، راسخین فی العلم ہوں یا ائمہ فنون، محدثین ہوں یا فقہاء، عرفاء ہوں یا حکمائے اسلام سب کی قدر و منزلت ان کے یہاں ضروری ہے۔ کیونکہ ان وارثانِ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی طبقہ نسبتِ ایمان و اسلام کا محافظ رہا اور کوئی نسبتِ احسان و عرفان کا۔ بالفاظِ دیگر ایک علمائے ظواہر کا رہا اور ایک علمائے بواطن کا۔ اور یہ دونوں طبقے تا قیامِ قیامت اپنے طبعی فرق و تفاوت کے ساتھ باقی رہیں گے۔ اس لیے حسبِ مسلکِ علمائے دیوبند اعتقاد و استفادہ کی یہ اعتدالی صورت بھی ان سب طبقات مابعد کے ساتھ قائم رہے گی۔ فرق اتنا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پورے طبقے کے ساتھ یہ عظمت یکسانی سے قائم تھی کہ وہ سب کے سب عدول اور متقن مانے ہوئے تھے۔ لیکن بعد والوں میں متقن بھی ہیں اور غیر متقن بھی، اس لیے طبقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو موافقت کے سوا کسی مخالفت کا سوال ہی نہ تھا لیکن طبقاتِ مابعد میں چونکہ وہ قرنِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خیریتِ مطلقہ اور خیریّتِ عامہ قائم نہیں رہی، گو جنسِ خیر منقطع بھی نہیں لیکن اس لیے ان میں عدول و غیر عدول دونوں قسم کے افراد ہوتے رہے اس لیے موافقت کے ساتھ مخالفت اور اتفاق کے ساتھ اختلاف کا پہلو بھی قائم رہا۔ مگر علمائے دیوبند نے اس موافقت و مخالفت اور اتفاق و اختلاف کے دونوں ہی پہلوؤں میں رشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا نہ موافقت میں غلو کیا نہ مخالفت میں۔ نہ کسی کو بے وجہ سامنے رکھ کر اس کے مقابلہ میں کوئی مستقل محاذ بنایا اور نہ بے وجہ کسی کو گروہی یا فرقہ واری انداز سے اپنا کر اس کی مدح و ثناء ہی کو مستقل موضوع قرار دیا، شخصیتوں کی عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطاء کو خطاء۔ اور پھر خطاء کا وہ علمی عذر بھی پیش نظر رکھا جو ایک اچھی اور مقدّس شخصیّت کی خطا میں پنہاں ہوتا ہے۔ نیز اس خطاء پر اس کی ساری زندگی کو خاطئانہ قرار دینے کی غلطی نہیں کی۔ البتہ اگر یہ اعتذار ان کی زندگی سے مفہوم نہ ہو سکا تو خطاء کو اچھالنے یا شخصیت کو مطعون کرنے کی بجائے اس خطاء کی حد تک معاملہ خدا کے سپرد کر کے ذہنی یکسوئی پیدا کر لی۔ اسے خوامخواہ ہدف بنا کر شخصیّتوں کو مجروح و مطعون کرنے کی کوشش نہیں کی، جیسا کہ ارباب غلو اور اصحابِ علویا اہلِ خلو کا طریقہ رہا ہے۔

بالخصوص اس دورِ فتن میں جس کا خاص امتیازی نشان ہی علم و فہم اور حلم کی بجائے یا غلو کا غلبہ ہے جو حدود شکنی ہے یا علو کا زور ہے جو کبر و نخوت ہے اور یا خلو کا دباؤ ہے جو جہالت کا استیلاء ہے اور یہ تینوں ظلم و جہل کے شعبے ہیں علم و عدل کے نہیں۔ اور علماء دیوبند کے مسلک کی بنیاد علم و عدل پر ہے، ظلم و جہل پر نہیں۔

اس لیے اس میں نہ غلو ہے اور علو ہے اور نہ خلو۔ چنانچہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ ذاتِ بابرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ذواتِ قدسیہ صحابۂ کرام کے بارے میں اس کا مسلک عدل و اعتدال سے پُر اور رعایتِ حدود پر مبنی ہے۔ غلو اور علو پر مبنی نہیں۔

(ماخوذ از: مسلکِ علمائے دیوبند)

☆☆☆☆☆

بقیہ: مجاہد جہاد کیوں چھوڑتا ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خبر دی کہ:

> سيلي أمراء ظلمة خونة فجرة، فمن صدقهم بكذبهم وأعانهم فليس مني ولست منه، ولا يرد على الحوض، ومن لم يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فهو مني وأنا منه وسيرد على الحوض.
>
> ”میرے بعد ظالم، خائن اور فاجر حکمران آئیں گے۔ جو شخص ان کے جھوٹ کو تسلیم کرے اور ان کی مدد کرے تو نہ وہ مجھ میں سے ہے اور نہ میں اس میں سے۔ اور نہ ہی وہ میرے حوض پر آئے گا۔ اور جو ان کے جھوٹ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد نہ کرے تو وہ شخص مجھ میں سے ہے اور میں اس میں سے اور وہ حوض پر آئے گا۔“

تو اگر انسان کو اس پورے معاملے کا احاطہ ہو جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے قیامت تک حکمرانوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور ظالموں کے ساتھ ان کے ظلم میں مدد نہ کرنے کا بھی، تو اسے معلوم ہو گا کہ درمیانہ راستہ جو کہ خالص دینِ اسلام ہے وہ یہ ہے کہ: جس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے، جیسا کہ یہ قوم ہے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، اس کے خلاف ہر اس امیر اور گروہ کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے جو اسلام کے ان سے زیادہ پاسدار ہوں۔ نیز جس گروہ کے ساتھ جہاد کرے ان کی اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نافرمانی میں مدد نہ کرے، بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ان کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت کرنا باطل ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: کرسمس کیک کاٹنے کا جرم

- عطاء بن دینار سے روایت ہے کہ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”ان کے تہواروں کے دن ان کی عبادت گاہوں میں نہ جاؤ، کیونکہ ان پر اللہ کا غضب ہوتا ہے“۔ (بیہقی)
- حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص نے فرمایا ”جو شخص عجمیوں کافروں کے نوروزومرجان (تہواروں) میں شریک ہو اور اس کا اہتمام کرے اور ان کی مشابہت اختیار کرے اور موت آنے تک اسی کردار پر قائم رہے تو قیامت کے دن انہی لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا“۔ (السنن الکبریٰ بیہقی ۹/۲۳۴)۔
- علمائے احناف کے نزدیک ان کے شعائر پر مبارک دینا ”کفر“ ہے (البحر الدقائق)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شعائر، مذہب کی علامت ہوتے ہیں گویا کہ اُن کے کفر پر مبارک دی جارہی ہے۔ امام ابو حفص حنفی لکھتے ہیں کہ ”اگر کوئی کسی مشرک کو کسی دن کی تعظیم میں تحفہ دیتا ہے تو یہ کفر ہے“۔ (فتح الباری ۲/۵۱۳)
- امام ادریس ترکمانی حنفی ایسے اعمال کے ذکر کے طور پر، جن کا ارتکاب مسلمان ’عیسائیوں کی عید کے موقع پر کرتے ہیں‘ فرماتے ہیں ’علمائے احناف میں سے کچھ یہ کہتے ہیں کہ جس نے یہ سب کچھ کیا اور بغیر توبہ کے مر گیا تو انہی کی طرح کافر ہے (اللمع فی الحوادث ۱/۳۹۴)۔
- امام ابنِ قیم فرماتے ہیں شعائرِ کفر سے متعلقہ کاموں پر مبارک باد دینا باتفاقِ علما حرام ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے انہیں صلیب کو سجدہ کرنے پر مبارک دی جائے ’یہ تو کسی کو شراب پینے اور زنا کرنے پر مبارک باد دینے سے بھی بُرا ہے۔ (احکام اہل الذمۃ ۱۔۲۰۴)
- بعض مالکی فقہا کا کہنا ہے کہ ”جس نے نوروز کے احترام میں تربوز کاٹا تو اس نے گویا سور ذبح کیا“۔ (اللمع فی الحوادث)

غور کرنے کی بات ہے کہ دنیا کے عارضی مفاد کے لیے اپنی آخرت برباد کیے جانا کہاں کی عقلمندی ہے؟؟؟

☆☆☆☆☆

”دورِ حاضر میں حق والوں کی بات رہتی ہے..... سر نہیں رہتے۔“

(ملک اسحاق شہید رحمۃ اللہ علیہ)

صحابۂ کرامؓ پر جرح و تنقید

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں

مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”یہ بات تواتر سے عوام و خواص کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق تھا۔ اور ان تینوں حضرات کو آپ ﷺ کا قرب و اختصاص حاصل تھا اور ان تینوں کے آپ ﷺ کے ساتھ رشتے ہیں۔ دو کی صاحبزادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ اور ایک کے نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ اور کہیں اس کا ذکر نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مذمّت کرتے تھے، یا ان پر لعنت کرتے تھے۔ بلکہ معروف یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے۔ اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہراً و باطناً صالح، وفادار، سلیم العقیدہ اور صحیح العقل تھے۔ یا یہ کہ وہ تینوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد استقامت پر نہیں تھے، اور (معاذاللہ) دین سے منحرف تھے۔ دوسری صورت میں اگر اس حالت اور انحراف کے باوجود ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تقرب حاصل تھا، تو دو میں سے ایک بات ماننی پڑے گی۔ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا، یا علم تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) مداہنت کرتے تھے۔ ان دونوں صورتوں میں سے ہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر بڑا دھبّہ اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

یہ تو وہی بات ہوگی جو شاعر نے کہی ہے:

فإن كنت لا تدري فتلك مصيبة

وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کی زندگی تک تو وہ راہِ راست پر تھے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امّت کے خواص اور اکابر اصحاب کے بارے میں بڑا دھوکہ اور ناکامی ہوئی۔ جس شخص کو اپنے بعد کی اطلاعیں دی گئی تھیں اور جس نے اپنے بعد ہونے والے واقعات کی خبر دی، اس کو اتنی بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے اخص خواص اس طرح منحرف ہو جائیں گے۔ اور احتیاط کا تو یہی تقاضا تھا کہ امّت کو آپ ﷺ اس کی خبر دے جاتے، تاکہ وہ غلطی سے کہیں ان کو خلیفہ نہ بنالیں اور جس شخص سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا، اس کے اکابر و خواص کیسے مرتد ہو سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتوں سے روافض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر بہت بڑا اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے صحیح فرمایا کہ دراصل روافض نے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو مطعون کرنا چاہا تاکہ لوگ کہیں کہ برے آدمی تھے، اس لیے ان کے برے ساتھی تھے۔ اگر اچھے آدمی ہوتے تو ان کے ساتھی بھی اچھے ہوتے، اسی لیے اہلِ علم کا قول ہے کہ رفض زندقہ کی ایک سازش ہے۔“[1]

فضائلِ صحابہؓ قطعی و متواتر ہیں

امام ابن تیمیہؒ صحابۂ کرام کی عدالت کو اسلام کی ایک اہم بنیاد مانتے ہیں اور ان کو ان کی صداقت و ثقاہت پر بڑا یقین ہے۔ وہ ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت اور فیضِ صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک صحابۂ کرام کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں، اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص و آیات سے اور ایسی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی تاریخی روایت یا کسی غریب و شاذ حدیث سے مشکوک نہیں ہو سکتے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جب کتاب و سنّت اور نقلِ متواتر سے صحابۂ کرامؓ کے محاسن و فضائل ثابت ہو چکے ہیں، تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی منقولات سے ردّ ہو جائیں جن میں سے بعض منقطع، بعض محرّف ہیں، اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے کہ یقین، شک سے زائل نہیں ہوا کرتا، ہم کو کتاب و سنّت اور اپنے پیشروؤں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور عقلی دلائل سے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ صحابۂ کرام انبیا علیہم السلام کے بعد افضل الحق تھے، اس یقینی و متواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑ سکتا جو مشکوک و مشتبہ ہیں، چہ جائیکہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔“[2]

[1] منہاج السنۃ: ج ۴، ص ۱۲۳

[2] حصّہ ۳، ص ۲۰۹

امام ابنِ تیمیہؒ اس کے قائل نہیں کہ صحابۂ کرام انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم تھے، ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن وہ اس کے ضرور قائل ہیں کہ امّت کے تمام لوگوں میں وہ سب سے زیادہ عادل، خدا ترس، صادق القول، امین اور راست باز تھے۔ اگر ان سے غلطیاں یا گناہ ہوئے تو اس کے مقابلے میں ان سے ایسے اعمالِ حسنہ اور خدا اور رسول ﷺ کو راضی کرنے والے کام ہوئے، جو ان سیئات کا کفارہ بن گئے۔ اور بہر حال ان کے حسنات اور اعمال کا پلّہ ان کی تقصیرات پر بھاری ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کے قائل نہیں، چہ جائیکہ خطاء فی الاجتہاد کے بھی قائل نہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ○ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ○ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ○ (سورۃ الزمر: ۳۳-۳۵)

'اور جو سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پرہیز گار ہیں، ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے، ان کے ربّ کے پاس موجود ہو گا، نیکوکاروں کا یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان سے وہ برائیاں دور کر دے جو انہوں نے کی تھیں اور اللہ ان کو ان کا اجر دے، ان نیک کاموں کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔'

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ○ (سورۃ الاحقاف: ۱۶)

'یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور بہشتیوں میں شامل کر کے ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں۔ یہ اس سچے وعدے کے مطابق ہے جو ان سے کیا گیا تھا۔''

صحابۂ کرامؓ کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

وہ کہتے ہیں کہ ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں، مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افرادِ انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابِ کرامؓ سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آتی۔ اگر ان کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبّے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سفید کپڑے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے، یہ عیب چینوں کا قصور ہے کہ انہیں اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا، اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی، دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامۂ اعمال سیاہ نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''صحابۂ کرام اخیارِ امّت ہیں۔ امّتِ محمدی ﷺ میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جو ان سے زیادہ ہدایت اور دینِ حق پر مجتمع اور تفرق و اختلاف سے دور ہو، ان کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے، تو اگر اس کا کسی دوسری امت کے حالات سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ غلطی اس شخص کی ہے جس کو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے مگر سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی، یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے۔ اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی ترجیح ظاہر ہو۔ باقی یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنائے یا کوئی معیار تجویز کرے جس کو اللہ نے پیدا ہی نہ کیا ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک شخص اپنے دل میں ایک امام معصوم کا تصور قائم کر لیتا ہے، ایک شخص ایک اور ایسے امام کا تصور قائم کرتا ہے جس میں اور معصوم میں کوئی فرق نہیں، اگرچہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا۔ اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور خواہ وہ کیسا ہی کثیر العلم، کیسا ہی دیندار صاحبِ محاسن ہو، اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں، لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل العلم ہونا چاہیے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے۔ وہ بشریت کے لوازم اور خصائص سے پاک ہو۔ کبھی اس کو غصّہ نہ آتا ہو..... تو اس کا کوئی علاج نہیں، بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے ہیں جو انبیاء تک کے لیے تجویز نہیں کرتے ہیں.....''[1]

امام ابنِ تیمیہؒ اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہو گی، اور اس نے مختلف قوموں، امّتوں اور ملّتوں کے حالات پڑھے ہوں گے، اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہو گا، اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابۂ کرام سے زیادہ متحد، حق کا پیرو، فتنہ اور افتراق سے نفور اور نفسانیت اور دنیاداری سے دور کوئی جماعت نہیں گزری، وہ لکھتے ہیں:

''فمن استقراء اخبار العالم فی جمیع الفرق تبین له انّ لم یکن قطّ طائفة اعظم اتفاقا علی الهدی والرشد والبعد عن الفتنة والتفرق والاختلاف من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم،

[1] منہاج السنۃ، حصہ ۳

الذین ھم خیر الخلق بشھادۃ اللہ لھم بذلک اذ یقول تعالیٰ (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ)۔"

"جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات وواقعات کا اہتمام سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے حالات کا تتبع کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گزرا جو ہدایت ورشد پر صحابہ کرامؓ سے زیادہ مجتمع اور تفرق واختلاف سے ان سے زیادہ دور ہو۔ ان صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ وہ فرماتا ہے کہ 'تم وہ بہترین امّت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو'۔"

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابۂ کرامؓ کی برکت ہے

امام ابنِ تیمیہؒ یہ بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس علم و دین کا جو کچھ سرمایہ ہے، خیر و برکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے، شعائرِ اسلام کی بلندی، اسلام کی اشاعت، عملِ خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیقِ خیر ہے، اور سچ پوچھیے تو عالم میں اس وقت جو کچھ صلاح و خیر نظر آ رہی ہے، وہ سب صحابہ کرامؓ کی جانفشانیوں، اخلاص، علوِ ہمت، ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوسِ قدسیہ کی برکت و نورانیت ہے۔ امام ابنِ تیمیہؒ بڑے جوش سے لکھتے ہیں:

"واما الخلفاء والصحابة فكل خير فيه المسلمون الى يوم القيامة من الايمان والاسلام والقرآن والعلم و المعارف والعبادات و دخول الجنة والنجاة من النار، وانتصارهم على الكفار و علو كلمة الله- فانما هو ببركةما فعله الصحابةالذين بلغوا الدين و جاهدوا فى سبيل الله۔ و كل مومن آمن بالله فللصحابة رضى الله عنهم عليه فضل الى يوم القيامة۔ و كل خير فيه الشيعة وغيرهم فهو ببركة الصحابة۔ وخير الصحابة تبع لخير الخلفاءالراشدين فهم كانواقوم بكل خيرفى الدين والدنيامن سائر الصحابة۔"

"اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ خیر ہے مثلاً ایمان و اسلام، قرآن، علوم و معارف، عبادات، دخولِ جنت اور جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ، اللہ کے نام کی بلندی، وہ سب صحابۂ کرام کی کوششوں کی برکت ہے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا، اس پر صحابۂ کرامؓ کا احسان قیامت تک رہے گا۔ اور شیعہ وغیرہ کو بھی کچھ خیر حاصل ہے تو وہ بھی صحابۂ کرامؓ کی برکت سے۔ اور صحابۂ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی خیر کے تابع ہے، اس لیے کہ وہ دین و دنیا کی ہر خیر کے ذمہ دار و سرچشمہ تھے۔"

☆☆☆☆☆

نبیؐ کے صحابہؓ تھے کتنے وہ پیارے.....

دعوت کو دیں کی ہوئے وہ مقرر.....

عزیمت کے راہی، وفا کے وہ پیکر.....

نبیؐ کے صحابہؓ تھے کتنے وہ پیارے.....

وہ رہبر ہمارے، اکابر ہمارے.....

حدیثِ نبیؐ کے، بنے وہ ہیں راوی.....

تھے سارے وہ جنت کے رستے کے راہی.....

کبھی ہو سکا نہ عدو ان پہ حاوی.....

یہی ہم سے کہتے ہیں اوراقِ ماضی.....

(ہفتۂ مدحِ صحابہؓ کے موقع پر 'اختِ عبدالہادی' کے ادارے کو بھیجے گئے چند احساسات)

صحابۂ کرامؓ کا مقدس مشن

مولانا حافظ انوار الحق صاحب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (سورۃ النور:۵۵)

”تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے، اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔“

سب سے اہم واَقدم فریضہ

تلاوت شدہ آیت کریمہ کے ضمن میں ابھی تک جو معروضات پیش کر چکا ہوں آپ کو اندازہ ہو چکا ہو گا کہ مذکورہ آیت اور کئی دیگر آیات مبارکہ میں بار بار ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو لازمی قرار دیا گیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن اور مسلم حقیقی طور پر اس وقت تک مومن اور مسلمان کہلوانے کا حقدار نہیں جب تک ایمان و اسلام کے دعوے کے ساتھ اعمالِ صالحہ پر گامزن اور معاصی سے اجتناب نہ کرے۔ مسلمان کو اپنی زندگی انہی مقدس مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف کرنی ہوگی۔ رحمۃ للعالمین، سردار دو عالم ﷺ کی حیات مقدسہ انہی مقاصد کی تعلیم و تبلیغ میں صرف ہوئی۔ یہی اہم فریضہ جو صحابہؓ آپؐ کے بعد خلافت و امارت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے انہوں نے بھی حضورؐ کے مقررہ اصولوں کے مطابق احسن طریقہ سے ادا کر دیا۔

اطاعت کی برکتیں

وہ مختصر جماعتِ مہاجرین وانصار، اللہ اور رسولؐ کی ہر بات ماننے کے ایسے عادی بن چکے تھے کہ ایمان و عمل صالح کے نتیجہ میں جو بشارتیں، ان کو دی جاتیں ان کا یقین محکم ہو جاتا کہ ان اعمال کے نتیجہ میں آخرت کی رحمت، مغفرت اور جنت الفردوس کا ملنا تو یقینی ہے بلکہ نہ صرف آخرت، دنیا ہی میں ان دونوں کی بدولت بڑی بڑی نعمتیں مثلاً سلطنت، امانت، خلافت اور عزت وغیرہ کا حاصل ہونا بھی یقینی امر ہے۔ اور یہی پھر ہوا بھی۔ جس قوم کی معاشرے میں کوئی قدر و منزلت اور عزت نہ تھی تمام شوکتیں ان کے ہاتھ میں آ گئیں۔

صحابہ کرامؓ کا مقدس مشن

اسی دور کی وہ قومیں جو ان کے سامنے شیر بن کر ان کو ہر وقت للکار رہی تھی وہ ان کے سامنے لومڑی اور گیدڑ سے بھی کمزور بن کر قدموں میں جھک گئیں۔ امت کے طبقۂ علیا سے تعلق رکھنے والے اس خدا پرور، درویش اور فقیر منش مختصر جماعت صحابہ کا مقصد دوسری اقوام سے عزت و دولت چھیننا نہ تھا بس صرف ایک ہی مدعا تھا کہ خود بھی دینِ متین کے عامل بن جائیں اور لوگوں سے بھی یہی مطالبہ تھا کہ نیک، متقی اور صرف اللہ کے عبادت کرنے والے بن جاؤ، نہ ان کو اقتدار کی طلب اور نہ بڑے سے بڑے عہدے کی خواہش و لالچ تھی۔

صحابہ کرامؓ کے شب روز

ھم باللیل رھبان وبالنھار فرسان کا لقب پانے والے ساری ساری رات نماز، ذکر، دعاؤں اور خالق کائنات کے حضور رو رو کر گزارتے۔ خشیت الٰہی سے ان کے قلوب معمور و منور تھے۔ راتیں اس کیفیت میں اور دن ایک نڈر اور بہادر سپاہی کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے گھوڑے کی پشت پر گزارتے۔ اخلاق محمدیؐ اور اعلیٰ کردار کو لے کر جب میدان عمل میں نکلے تو اس راستہ میں جو مفسد اور باطل قوت رکاوٹ بن کر زور آزمائی کی کوشش کرتی خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی اور اس کا نام و نشان ہی مٹ جاتا۔

صحابہ کرام کی مجاہدانہ عظمتِ شان

حضرت عمرؓ کا دور خلافت ہے مسلمانوں نے اپنے جوش ایمانی اور اطاعت ربانی کے باعث طاقت و حکومت کے نشے میں مدہوش قیصر و کسریٰ یعنی روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کو شکست دے کر ان کا نشہ و غرور پاش پاش کر دیا۔ تاریخ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ ایک طرف چند صحرا نشین اور درویش جن کے پاس روایتی اور وقتی ہتھیار بھی نہیں۔ دوسرے طرف لاکھوں کی تعداد میں حاکمانِ کسریٰ کی تنخواہ دار فوج، ظاہری آلات و اسباب حرب سے مالا مال..... شدید جنگ ہوئی، مسلمان غازیوں، مجاہدوں اور صحابہ کی کل تعداد قریباً ۳۰ ہزار، ایرانیوں کا لشکر تین لاکھ نفوس پر مشتمل اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس، قیادت گورنر خراسان کے بیٹے رستم جو نہایت شجاع اور جنگی امور کا ماہر تھا، کے ہاتھ میں تھی۔ اہل فارس کو مذہبی غیرت کا جوش دلا کر ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مجاہدین کے پاس وردی تک نہیں۔ کسی کے پاس صرف لمبا کرتہ اور کسی کے ہاتھ میں خنجر۔ چند کے ہاتھوں میں تلوار اور

بعض نیزے اٹھائے ہوئے تھے۔ نہ غذا کا باقاعدہ انتظام ہے اور نہ اسلحہ و خوراک وغیرہ کے رسد کے ذرائع و وسائل۔ اپنے سروں کو ڈھانپنے کیلیے پگڑیاں بھی تمام غازیوں کو میسر نہ تھیں، جس کے پاس پگڑی نہ تھی تو سر پر رسی باندھی ہوئی تھی۔ وہ صرف ایمان اور اللہ و رسول کی اطاعت و محبت سے بھرپور ہو کر میدانِ کارزار میں لاکھوں ایرانیوں کی یلغار کا مقابلہ کرنے آئے تھے۔ لاکھوں فارسی..... صحابہ اور مجاہدوں کے چند ہزار پر مشتمل لشکر جرار کا سامنا کرتے ہی ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ صحابہ شیروں کی طرح ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن نے ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔

صحابۂ کرام کی اخلاقی بلندیاں

اس زمانے کا نامور اور مشہور جنگو اور پہلوان رستم اپنے لاکھوں فوجیوں کو بلیوں اور چوہوں کی طرح بھاگتے ہوئے دیکھ کر حیرانی و پریشانی کی حالت میں اپنے ماتحت کمانڈروں سے اپنی شکست کی وجوہات پوچھ رہا تھا کہ ہماری لاکھوں کی فوج جن کے پاس ہر قسم کا اسلحہ، وسائل، ظاہری قوت وسطوت موجود ہے اور مقابلہ میں چند ہزار ظاہری بے یارومددگار، وسائل جنگ سے محروم، کمزور عرب بدوؤں کے سامنے ٹھہرنے کی بجائے کیوں راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ رستم کے ماتحتوں نے اپنی جان بخشی کی شرط پر اور نئی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کے لیے عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لیے بے شمار راز پوشیدہ ہیں برملا اقرار کیا کہ وہ بھی انہی مختصر جماعتِ صحابہ و مسلمانوں کے کردار و اخلاق کو اپنا کر فارس جیسے عظیم اسلام دشمنوں کا تیاپانچا کر سکتے ہیں..... رستم پہلوان کے زیر کمان لڑنے والے جنگجوئوں نے واضح اقرار کیا کہ یہی بے سروسامانی کی حالت میں لڑنے والے عنقریب تمہارے پورے ملک پر قبضہ کرنے والے ہیں۔ سلطنت فارس کے لشکر ہر محاذ پر شکست سے دوچار ہو جائیں گے ان کی طاقت و قوت پاش پاش ہو جائے گی۔ کیونکہ اخلاق عالیہ، امانت و دیانت، شفقت و محبت اپنے رب کی اطاعت، زہد و تقویٰ جیسے اوصاف سے مالا مال ہو کر ان لڑنے والوں کی تقدیر میں یقیناً فتح ہی فتح ہو گی۔ یہ ایسی عجیب و غریب مخلوق ہے۔ کہ دن بھر دشمن کے مقابلہ میں لڑتے ہیں۔ رات بھر اپنے خالق ومالک کے آگے آہ وزاری میں اس سے مدد کے طلبگار رہتے ہیں۔ عاجزی وانکساری میں یہ لوگ بے مثال ہیں۔ اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں مبتلا رہنے کی بجائے اپنے رب سے فتح و نصرت کے طلبگار ہیں۔ ان کی برکت سے بے آب و گیاہ اور اجڑے ہوئے علاقے آباد اور سرسبز ہو جاتے ہیں۔ کسی غیر کی عورت کو بد نظر سے دیکھنے کا تو ان کے ہاں تصور نہیں۔ ان کے مقابلہ میں تیری فوج اخلاقی قوت سے بالکل عاری، امانت و دیانت کا ان کے ہاں ذکر تک نہیں۔ شراب نوشی و زنا ان کا محبوب مشغلہ، لوٹ مار اور دوسروں کے اموال پر قبضہ کر کے اسے شیر مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ جس علاقہ میں داخل ہو جاتے ہیں ہنستے بستے اور سرسبز و شاداب علاقے کھنڈرات میں تبدیل ہو کر لوگوں کے باغات اور فصل بنجر و بے آب و گیاہ ہو جاتے ہیں۔ اب خود موازنہ کر لو کہ فتح تمہاری ہو گی، یا ایمان صالحہ کے فولادی اسلحہ سے لیس ان دوریشوں کی ہو گی؟ اور پھر وعدۂ ربانی کا ایفا کرتے ہوئے یہی ہوا۔ عظیم سلطنت فارس کے لاکھوں فوجیوں کو شکست اس کے جانے پہچانے پہلوان جرنیل رستم کو تیسرے معرکہ میں موت کے گھاٹ اتار کر اس کی موت کے ساتھ اپنی کرسی اور اقتدار اور دنیا پر غلبہ پر غرور حاصل کرنے والوں کے خواب ان فقرا کے ہاتھوں چکنا چور ہو کر ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ شاہان کسریٰ کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔

اسلامی سلطنت کی وسعتیں

مکہ و جزیرۃ العرب آنحضرت کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فارس، شام، مصر، دمشق و دیگر اہم علاقوں میں اسلام کے جھنڈے سربلند ہو کر کفر کے درختوں کی بیخ کنی شروع کر دی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی امارت میں یہ فتوحات بام عروج پر پہنچیں۔ اپنے اپنے وقت اور علاقوں کے ان بڑے بڑے فرعونوں کے سیم وزر سے بھرے ہوئے خزانے، دین کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والوں کے قبضہ میں آ کر فقرا و مساکین اور حاجت مندوں کے دروازوں پر لے جا کر ان میں تقسیم کر دیے گئے۔ حضرت عثمان غنی ذی النورین مسند نشین خلافت ہوئے۔ ان کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کی سرحدات مزید پھیلتی گئیں۔ الجزائر و مراکش کے موجودہ ممالک جن کو افریقہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ سپین کے بعض حصے، قبرص و طبرستان اور کئی اور علاقے ان ہی کے سربراہی میں فتح ہو کر اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔

صحابہؓ حق وانصاف کے علمبردار تھے

اپنے سے کئی گنا طاقتور اور بڑی حکومتوں سے ٹکر لے کر فتوحات حاصل کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وحیٔ الٰہی کی روشنی میں ان کی ایسی تربیت اور نفوس کا تزکیہ ہوا کہ وہ زہد اور تقویٰ کا مجسمہ بن گئے۔ عفت، امانت، خوفِ خدا، ایثار و قربانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ حکومت اور عہدے کی حرص و لالچ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اللہ کے قانون کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے تھے، حق وانصاف کے ایسے علمبردار تھے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی حق و انصاف کا دامن ترک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

امت کے لیے لائحۂ عمل

اللہ کے اٹل فیصلے کے مطابق فتح و شکست، عزت و ذلت کے اپنے اپنے اسباب و عوامل ہیں۔ جس نے جس راہ کو اختیار کیا نتیجہ اسی کے مطابق حاصل ہو گا۔ ارشاد باری ہے:

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○ (سورۃ آل عمران:۱۶۰)

”اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔“

کاش اگر ہم اللہ کے صحیح بندے بن جائیں تو ہر لحہ و گھڑی اللہ کی امداد شامل رہے گی۔ جب اللہ کسی کا معاون بن جائے، تو پھر سمندر و دریا، جنگل و پہاڑ بھی اس کے حکم سے مسخر ہو جاتے ہیں۔ بادلوں پر بھی انہی کا حکم چلتا ہے۔ اشارہ کرتے ہی اللہ کے حکم پر بارش برسنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ عقیدہ مسلمان کا مضبوط ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کی ارشاد کردہ دعا: اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ”یا اللہ جو نعمت (عظمت و عزت) تو دے دے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو نعمت تو منع کر دے (روک دے) اس کو دینے والا کوئی نہیں“ کا ظہور وقوع یقینی ہے، شرط یہ کہ اپنے آپ کو خالق و مالکِ کون و مکان کی عبادت کے لیے وقف کر دیں اور اپنے اعمال و زندگیوں کو قرآن و حدیث کی حدود و قیود کے اندر گزاریں۔ مسلمانوں کی عظمتِ گزشتہ پر اگر ایک نظر ڈالیں اور اپنے پیغمبر کی پیشن گوئیوں کا مطالعہ کریں کہ آج بھی مسلمانوں کی رہی سہی جو سلطنتیں قائم ہیں۔ وہ حضورؐ کی پیشن گوئیوں کی حقانیت اور اللہ کی جانب سے نیک عمل کرنے والے ایمان کے زیور سے آراستہ مسلمانوں سے وعدہ کرنے ہی کا صلہ اور نتیجہ ہے۔

اصلاح احوال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

اس دور میں مسلمان کلمۂ شہادت کے علمبردار بن کر بھی اپنے ہر فعل و قول میں اللہ سے کیے ہوئے وعدوں میں نافرمانی پر اصرار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے شکوہ بھی اسی رب سے کر رہے ہیں جس کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے بھٹک کر کفری طاقتوں کی دوستی اور سایوں میں سکون تلاش کر رہے ہیں۔ عجیب تضاد ہے۔ موجودہ ہمارے اعمال و گفتار کی موجودگی میں یہ کہنا کہ رب کائنات نے اپنی رحمت و مدد روک دی ہے اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنا اور جان بوجھ کر اپنے زوال اور بیماریوں کے اسباب سے آنکھیں چرانے کا ایسا المیہ ہے جس کے انجام میں مسلمان قدم قدم پر عذاب الٰہی کو مزید دعوت دینے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

صحابہ کی امتیازی شان رجوع الی اللہ

ایک وہ مقدس و روحانی دور تھا کہ جب کوئی آفت، مصیبت، اور خطرے کی گھڑی آتی وہ پاکیزہ نفوس فوراً رجوع الی اللہ کر کے آفات کے ازالہ کے لیے خدا ہی کو یاد کرتے، کبھی انہوں نے ظاہری اسباب و علل پر اعتماد نہیں کیا۔ خشوع و خضوع، عجز و انکساری کے اظہار کے ساتھ ہی اللہ کی رحمت کا نزول شروع ہو جاتا، غزوۂ احد کے پُر خطر موقع پر آنحضرتؐ نے اللہ ہی سے غالب آنے اور فتح حاصل کرنے کے لیے آہ و زاری سے دعا کی جس کا نتیجہ فتح کی صورت میں نکلا۔

”حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ غزوۂ بدر کے موقع پر دعا فرما رہے تھے ’یا اللہ میں تجھ سے تیری امان چاہتا ہوں۔ اور تیرے وعدے کا پورا کرنا چاہتا ہوں‘۔ حضرت ابو بکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا کہا یا رسول اللہ ﷺ بس فرمایئے (کافی ہے) آپ نے اپنے رب سے آہ و زاری اور گڑگڑانے کیساتھ جو دعا فرمائی یہی فتح و کامیابی کے لیے کافی ہے۔ جس کے بعد آپ ﷺ اطمینان و مسرت سے (زرہ پہنے ہوئے) یعنی مسلح ہو کر خیمہ سے باہر آکر اور بلند آواز سے اسی وقت نازل ہونے والی آیت پڑھ رہے تھے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ عنقریب کفار کی یہ جماعت شکست کھا کر اور سامنے آنے کی بجائے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائی گی۔“

صرف اسی ایک ہی واقعہ میں آج کے زوال پذیر اور پسے ہوئے مسلمانوں کی مذہبی و قومی سربلندی و عروج کے لیے ایک ایسا بیش قیمت نسخۂ اکسیر اور دعوت موجود ہے کہ اسے اپنا کر کفار و اغیار کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے بچ سکتے ہیں اور وہ یہی ہے کہ سختی اور مصائب کے موقع پر ہم خدا فراموشی اور خود فراموشی کو ترک کر کے رجوع الی اللہ، عجز و بندگی، خودداری، اور اللہ کے رسول کے وعدوں پر کامل بھروسہ و اعتماد، عمل صالح، خشیت الٰہی، مجاہدۂ نفس جیسے اوصاف حمیدہ پر عمل پیرا ہو کر مسلمان اپنی گم کردہ عظمت و مقام کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

مالکِ کون و مکان ہم اور آپ سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرماویں، آمین!

☆☆☆☆☆

’نوائے غزوۂ ہند‘ کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس

تمام معزز قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے ’سوشل میڈیا اکاؤنٹس‘ توزیعی مقاصد (propagation) کے لیے ہیں۔ ان اکاؤنٹس کو ’نوائے غزوۂ ہند‘ کی مجلسِ ادارت یا مدیر سے رابطے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

’نوائے غزوۂ ہند‘ سے رابطے کے لیے مجلّے کے تازہ ترین شمارے میں درج مجلسِ ادارت یا مدیر کے ’ای میل ایڈریس‘ کو استعمال کیا جائے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً

(مجلسِ ادارت ’نوائے غزوۂ ہند‘)

صحابۂ کرامؓ کو اپنا آئیڈیل بنائیں!!!

ابو صقر ترابی

ہر مصنف، مؤلف، لکھاری، ناقل و مؤرخ کا انداز بیاں مختلف ہوتا ہے، پھر ہر شعبۂ دین سے تعلق رکھنے والے احباب اسے اپنے انداز سے خوبصورت بنا کر اذہان میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور دین کے کسی ایک شعبے کی جانب سعیٔ صحابہ کو کھینچتے ہیں (جو کہ ظلم بر آں ہیں)۔

لیکن.....

صحابۂ کرامؓ کی سوانح پر مشتمل دستاویزی کتب کے مطالعے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی اشاعت کی راہ میں ان کی کیا اور کیسی خدمات ہیں؟ حالات کی حد درجہ ناسازگاری کے باوجود اسلام کو عروج واستحکام بخشنے میں ان کا کردار کیا ہے؟ اسلامی شریعت کے عملی نفاذ میں خود ان کی جانب سے عملی اطاعت کس نوعیت اور کس درجے کی تھی؟ کفار کے تعاقب، مصائب کی گہما گہمی، اسباب و وسائل کے یکسر فقدان اور دشمنوں کی شدید مخالفت کے باوجود اسلام کو ایک مضبوط اور ٹھوس پلیٹ فارم بنانے میں ان کا کیا کردار رہا ہے؟ مزاحمت اور رد عمل کے کیا اسلوب تھے؟ دعوت و تبلیغ کے کیا مناہج تھے؟ خطرات کے اژدحام، دشمنوں کی شدت انگیزیوں اور بھرپور اقدامات کے باوجود مسلمان اور اسلام محفوظ کیونکر رہا؟ ان سوالوں کے جوابات صحابہ کی بہترین اور مثالی زندگی کے مطالعاتی غور و فکر کے بعد واضح ہو جاتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی خدمات، جرأت اور ہمت، ان کی دانائی، دانشمندی اور لیاقت، اسلام سے محبت، غایت درجہ الفت اور اس کے تئیں جذبۂ فداکاری اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے ہمہ تن پیشی وانہماک؛ دعوت کی راہ میں حائل قوتوں سے جنگ و مزاحمت اور دشمن طاقتوں سے اپنا لوہا منوانا اور ہر پہلو سے ایک فولادی، مستحکم اور ناقابل تسخیر پہاڑ ثابت ہونا اور ایسے ایسے کارنامے انجام دینا جن پر عقول انسانی آج تک دنگ ہیں ایسی روایتی یا عام سی افسانوی کہانی نہیں یا ایسا کوئی تصوراتی خاکہ نہیں کہ جس کی سچائی وصداقت پر سوالیہ نشان لگایا جا سکے۔

جن چودہ صدیوں میں جتنی تصانیف اسلام کی اشاعت اور اس کے بقا و تحفظ کے عنوان سے معرض وجود میں آئیں وہ سب کی سب، صحابۂ کرامؓ کی خدمات جلیلہ اور بہترین کارکردگیوں کا واضح اعتراف ہیں، واقعہ نگاروں نے ایسے بے شمار تذکرے کتابیں اور تصانیف تحریر کی ہیں جو صحابۂ کرامؓ کے کردار اور ان کے مقام کے تعیین و انتخاب میں بدیہی دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دراصل معروضہ اور مقصد یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی تمام تر خدماتِ جلیلہ کے باوجود، مسلم طبقے میں صحابۂ کرامؓ کے تئیں اعتقادی حوالے سے وہ عملی استحکام نہیں جو ایک مسلم کے دل میں ہونی چاہیے۔ لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ حضرات جن کی انتھک جدوجہد اور تعاون کے بعد اسلام کو ایک وسیع اور عالمگیر فضا ملی انہیں ہی فراموش کر دیا گیا اور ان کی خدمات کو ذہول ونسیان کے خانے میں ڈال دیا گیا جو مسلم قوم کے لیے کسی بدترین المیہ سے کم نہیں۔

آج کی تاریخ میں امت مسلمہ کا موجودہ بحران اور اس کی ناقابل تدارک پسماندگی کے جو بھی اسباب ہوں اور جیسے بھی محرکات و مضمرات ہوں وہ ایک المیہ ہے۔ دراصل آئیڈیل ہدف کی تعیین، ان تمام المناک مراحل کا سدباب ہے۔ آج اگر ہم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک زیست کے اصول اور حیات گزاری کے اسلوب کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک لائحۂ عمل تیار کریں گے اور اسے برتیں گے تو عین ممکن ہے کہ مسلم کمیونٹی کے لیے دن بدن پیدا ہونے والے مسائل کی شیطانی رفتار، تھم جائے اور امت مسلمہ کی پسماندگی چھٹتی نظر آئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم صحابۂ کرام کی زندگی کی طرف ایک بار دوبارہ مڑ کر دیکھیں اور ان کی جدوجہد سے لبریز تاریخ کے انقلابی گوشوں کو مشعل راہ بنائیں، ہو سکتا ہے؛ بلکہ عین ممکن ہے کہ امید کے امکانات روشن ہوں گے، ہمیں اپنے مسائل سے چھٹکارا ملے گا اور کھوئی ہوئی عظمت رفتہ پھر دوبارہ ہمیں مل جائے گی۔

اور یہ بعید نہیں!!!

چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے، کہ صحابۂ کرامؓ کو جنہوں نے اپنا آئیڈیل بنائے رکھا تاریخ نے ان کا تذکرہ جلی حروف سے کیا، اور صحابہؓ کو اپنا آئیڈیل ماننے والے اور ان کے نقوش کو مشعل راہ بنانے والے خود بھی آج ہمارے دلوں میں ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کیوں نہ ہم بھی آج سے یہ عہد کر لیں..... کہ ہم بھی صحابۂ کرامؓ کو اپنا آئیڈیل بنائیں!

پھر نہ تو ہمارا ذہن خلشفار کا شکار ہوگا، اور نہ آئیڈیالوجیکل وار (نظریاتی جنگ) ہم پر اثر کرے گی، نہ عالم کفر کی ایٹمی قوت ہمارے سامنے کوئی وقعت رکھے گی، نہ ہم مسلکی اختلافات کا شکار ہوں گے، نہ ہماری قوت منتشر ہوگی، اور نہ ہم قومیت و وطنیت جیسے بتوں کی پوجا کریں گے، اور نہ ہم دین اسلام کے علاوہ کسی نظام کے فریب میں آکر اس کا حصہ بنیں گے (چاہے وہ نظام: سیکولرازم، نیشنل ازم، بادشاہت یا جمہوریت ہو)، اور نہ ہم خوارج کی طرح امت کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کریں گے (جیسا کہ ہمارے زمانے کے خوارج داعش نے امت کے بچے کھچے شیرازے کو بکھیرا، اور امت کے بہترین لوگوں کو سستے اور وہمی دلائل کی بنا پر شہید کر ڈالا)۔

یہ سب کچھ تب ممکن ہوگا، جب ہم ذہنی اعتبار سے منہج اہل سنت کو اپنے اذہان و اجسام پر لاگو کریں گے۔ اللہ تعالی ہمیں صحابۂ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں!!!

ساری عمر برائے مدحِ صحابہؓ!

معین الدین شامی

احبابِ کرام نے اس سال بھی صحابہ کی مدحت کرتے ایک ہفتہ سوشل میڈیا پر منایا۔ جن کی تعریف اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، ان کی تعریف بیان کرنا اور ذکر سعادت ہے اور ایں سعادت بزورِ بازو نیست! وما توفیقي إلا باللہ!

انہیؓ کے واسطے اور فیض سے، انہی کی محنت اور طریق سے دین ہم تک پہنچا ہے۔ کیسی خوش بختی ہے کہ پیدا ہوئے تو ماں باپ نے دو نام رکھے، اور دونوں صحابہ کے ناموں پر۔ ایک نام اہلِ بیت میں سے ایک جلیل القدر صحابی پر اور دوسرا امّی نے کہا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے مجاہد کمانڈر تھے ان کے نام پر رکھا۔ یہ کوئی امتیاز نہیں، امت کی کروڑوں ماؤں اور کروڑوں باپوں نے اپنی اولاد کے نام ایسے ہی رکھے ہیں۔ امتیاز تو صحابہ کا ہے کہ ان کے کردار و عمل کی بلندی دیکھ کر ماں باپ اپنی اولاد کو ان بلند ناموں سے منسوب کرتے ہیں۔ ماں نے ہر رات کسی صحابی کی کہانی سنائی۔ شاید آج کے جدید دنیا میں غرق ماں باپ کے بچوں کے لیے سپر مین سے سپائڈر مین کے 'کامکس' تک میں اس قدر جاذبیت نہ ہوتی ہو جو ہمیں قصصِ صحابہ سے بفیضِ صحابہ بحمد اللہ حاصل ہو گئی۔ ہم جماعت بچے ان دنوں 'Tekken' اور 'Conan the Adventurer' کی باتیں کرتے تھے اور سکول کے پلے ایریا کے سلائڈ پر ہم دو تین بچے دوست ایک صحابہ کے قصوں کی محفل جماتے۔ یہاں ناانصافی ہو گی اگر طالب ہاشمی صاحب مرحوم کا ذکر نہ کروں، جن کی لکھی صحابہ کی سچی کہانیوں کی کتابیں مجھے ہر کھلونے اور تحفے سے زیادہ بچپن میں عزیز تھیں اور میں اپنے انگریزی تعلیمی ادارے میں اپنے جدید دوست بچوں کی کبھی 'برتھ ڈے پارٹیوں' میں جاتا تو بھی یہی کتابیں تحفہ دیا کرتا، یہ قیمتی ہی اتنی تھیں۔ لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ایک تبلیغی دوست جو شاید مجھ سے دس سال بڑے تھے، نے مولانا یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کی 'حیاۃ الصحابہ' سے آشنائی کروائی اور یہ کتاب مجھے لاکھوں دیگر نیاز مندوں کی طرح نہایت محبوب ہو گئی۔ اللہ پاک رحم فرمائے علامہ واقدی پر جن کی فتوح الشام کو میں نے بھی ہر قاری کی طرح ایسے ہی پڑھا جیسے میں ارضِ شام کے تمام معارک میں، صحابہ کے ساتھ ہی انہی کے لشکر میں کسی گھوڑے پر سوار ہوں۔ پھر مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم نے فتوح الشام کی جو تہذیب کی ہے، نیز مصر و عراق اور ایران کی فتوحات پر جو تالیفات کی ہیں وہ بھی علامہ واقدی کی محنت کا تسلسل ہیں۔

ابو ہمیں ہمارے بچپن سے وہ حدیث بطورِ شعار سناتے جس کا معنیٰ و مفہوم علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ دیگر روایات کی روشنی میں 'صحیح' ہے: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم"، میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی تو کیا ہی بات ہے کہ ان چاروں کا ذکر قبل از بعثتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسرائیلی روایات میں بھی ملتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی چھ جو مبشر بالجنۃ ہیں: ابو عبیدہ ابن الجراح، عبد الرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر ابن العوام اور سعید بن زید کیا ذی شان ہیں کہ ایک ایک کا نام نبی جی صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر فرمایا "..... في الجنۃ!..... في الجنۃ!"۔

اور کیا کہنے بلال کے کہ جن کے عشق و مستی میں زبان سے نکلا 'اَحَد اَحَد' آج تک ان کے پیروکار گوانتاناموتا اڈیالہ و تہاڑ میں دہراتے ہیں، رضی اللہ عنہ۔ اور قربان جاؤں ابو سفیان بن حرب کے کہ جن کی ایک آنکھ غزوۂ طائف میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے شانہ بشانہ لڑتے شہید ہو گئی اور پھر آپؐ نے انؓ سے پوچھا کہ اگر چاہو تو میں اللہ سے دعا مانگوں اور تم کو اس دنیا میں یہ آنکھ واپس مل جائے اور چاہو تو جنت میں ایک آنکھ لے لینا اور ابو سفیان نے جنت کی آنکھ کو ترجیح دی، جو دوسری آنکھ بچی تھی وہ بھی جنگِ یرموک میں شہید ہو کر ابو سفیانؓ سے پہلے جنت میں پہنچ گئی، رضی اللہ عنہ! حضرتِ ابو سفیان کی نذر شاعرِ جہاد احسن عزیز شہید کے یہ اشعار میرے پسندیدہ ترین اشعار میں سے ہیں جنہیں میں پڑھ پڑھ کر اور یاد کر کر کبھی نہیں تھکتا:

جیتا تھا بتوں کے لیے اب حق پہ فدا ہوں
تم میری محبت کا اِمالہ بھی تو دیکھو

"احزاب" میں مطلوب تھا "یرموک" میں طالب
تاریک شبوں کا یہ اِزالہ بھی تو دیکھو

وہ دن بھی تھے یہ نور بجھانے کی تڑپ تھی
اب ماہِ مدینہؐ کا یہ ہالہ بھی تو دیکھو

پھر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ کی شان کیسی بلند ہے، رضی اللہ عنہ، جسے عبد اللہ ابنِ مبارکؒ نے بیان کیا:

"حضرت عبد اللہ ابن المبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ؟ سوال کرنے والے نے حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا تقابل کرنا چاہا تھا، اور اس کے ذہن میں یہ رہا ہو گا کہ عمر بن عبد العزیزؒ مقبول اور ہر نزاع سے پاک تابعی ہیں، جب کہ حضرت معاویہ صحابی کی شخصیت متعدد نزاعات کی وجہ سے کچھ طبقات کے

نزدیک نعوذ باللہ داغ دار ہے، حضرت عبد اللہ ابن المبارکؒ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی ناک کے سوراخ میں داخل ہونے والا غبار بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے افضل ہے!''(البدایۃ والنہایۃ)

قربان زید پر بھی اور ابنِ زید پر بھی کہ جن کے متعلق محبوبؐ نے فرمایا کہ مجھے اسامہ بھی محبوب اور اس کا باپ زید بھی، رضی اللہ عنہما!

حسن و حسین تو ایسے محبوب ہیں کہ جب ان میں سے کسی کو افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ پر سوار فرمایا اور کسی صحابی نے دیکھ کر کہا کہ کیسی اچھی سواری ہے، تو میرے ماں باپ اس سواری (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان، فرمایا: سوار بھی تو کیسا اچھا ہے! جب ایک ظالم نے حسین ابنِ علی کا سر کٹوا کر سامنے رکھا اور حسین رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں پر اپنی چھڑی مارنے لگا تو ایک صحابی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے ان ہونٹوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں کو بوسہ لیتے دیکھا ہے! کیسے اعلیٰ نسب و نصیب والے تھے کہ نانا حضورؐ، ابا علیؓ اور ماں فاطمہ، سیّدۃ النساء اہل الجنۃ۔

آہ..... حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ جب چبایا گیا تو حضور کا کیا حال ہوا۔ اور جب جعفر بن ابی طالب کی شہادت کی خبر دینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اسماء بنتِ عمیسؓ کے پاس گئے تو آپ کے آنسو بہتے جاتے تھے، وہ آنسو، مول جن کے جگ کے سب لعل و گہر نہ تھے، آپ نے اولادِ جعفر کو پیار کیا اور کہا کہ آج سے میں ان کے لیے مثلِ باپ ہوں۔

سیف من سیوف اللہ، خالد ابن الولید کو یاد نہ کریں، رضی اللہ عنہ۔ یاسر و ابنِ یاسر عمار اور ان کی ماں سمیّہ کو نہ یاد کریں۔ ابو ایوب الانصاری، سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ کو یاد نہ کریں۔ محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھی جنہوں نے 'افلحت الوجوہ..... یہ چہرے کامیاب رہیں' کی بشارت پائی اور جواباً حضور کو بھی 'ووجہك یا رسول اللہ..... آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہے' کہنے کی سعادت حاصل کی۔ وہ عکرمہ بن ابی جہل جن کے استقبال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں دل و جان سے اٹھے کہ حضور کے شانوں سے چادر بھی ڈھے گئی، رضی اللہ عنہ۔ وہ صہیب الرومی جنہوں نے اپنی ساری زندگی کی کمائی دے کر ایمان و اسلام کا سودا کیا اور جب ابی دحداح نے پورا باغ جنت کے ایک درخت کے بدلے بیچ دیا تو حضور نے فرمایا: 'ربح البیع..... کیسی نفع والی تجارت کی تم نے!' رضی اللہ عنہما۔ خبیب و خباب کو کوئی بھول سکتا ہے، ابو ذر کو کیسے بھولیں کہ جن سب نے مکے میں ماریں کھائیں، رضی اللہ عنہم اجمعین!

اور اپنی ماؤں میں سے خدیجۃ الکبریٰ طاہرہ کا ذکر نہ کروں کہ ان کی وفات کے برسوں بعد جب ان کا کوئی ہار حضورؐ کو نظر آیا تو غم سے آپ کی آنکھیں بہہ بہہ گئیں۔ عائشہ، جن کی تقدیس ربّ العالمین نے بیان کی اور حضور کو ایسی محبوب تھیں کہ پوچھنے والے نے پوچھا یا رسول اللہ لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا 'عائشہ'، کہا نہیں مَردوں میں، فرمایا 'أبوها..... اس کے والد!' اور فرمایا: 'فضل العایشة علی سائر النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام..... عائشہ کو عورتوں پر ایسے فضیلت حاصل ہے جیسے کھانوں میں ثرید کو باقی کھانوں پر فضیلت!'

اور میں قربان ان انصاریہ غامدیہ صحابیہ پر کہ جن سے گناہ ہو گیا تو خود کو سنگسار ہونے کے لیے پیش کر دیا، جب سنگسار ہوئیں تو ان کے خون کا چھینٹا کسی پر پڑا، جن پر پڑا وہ بولے کہ ناپاک ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پورے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو جائے''..... سوچیے مدینہ میں کون کون سی جلیل القدر ہستیاں رہا کرتی تھیں!!! رضی اللہ عنہا!

محض چند اصحاب کا ذکر یہاں آیا، پچاسیوں کا ذکر نہ ہو سکا اور ہزاروں کے نام شاید تاریخ کو بھی یاد نہیں.....

مرے بھائیو! یہ جو اسلام ہم تک آج پہنچا ہے
اسی دریائے آتش سے سفینے پار کر کر کے

اِنہی آہن کی برساتوں میں جانیں وار کر کر کے
ہمارے پاس پہنچا ہے انہی اسلاف کے ذریعے

اگر میں یہ چند سطریں آج لکھ رہا ہوں، یہ امت اگر مسلمان ہے اور ہم اگر جہاد سے منسوب اور خاتمہ بالخیر کے طالب ہیں تو یہ سب ہمیں صحابہؓ ہی کے ذریعے ملا ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار ہیں، جنہوں نے اپنی شیر خوار اولادوں کو ڈھال بنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انؐ کے دین کا دفاع کیا..... ہم بھی ان صحابہ کے وفادار ہیں۔ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه!

وفا جس سے نبھاؤ گے اسی کے ساتھ جاؤ گے
یہ ہیں خوش خبریاں محبوبِ جاں کے ہم نشینوںؓ میں!

اللهم اجعلنا من أهل الصدق والوفاء والشهادة، آمین یا ربّ العالمین!

وصلی اللہ علی النبي وعلی آله وأصحابه أجمعین!

☆☆☆☆☆

امتِ محمد ﷺ کا فتنہ اور اس سے حفاظت

شیخ مکرم، استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ نے یہ سلسلۂ مضامین 'اصحاب الاخدود' والی حدیث کو سامنے رکھ کر تحریر کیا ہے۔ (ادارہ)

حدیث میں اس جگہ پہنچے تھے کہ:

"بادشاہ کا وزیر، جو نابینا ہو گیا تھا، نوجوان کے پاس بہت سارے قیمتی تحائف لے کر حاضر ہوا اور مطالبہ کیا کہ مجھے شفا دیں تو بدلے میں یہ سب کچھ لے لیں۔ نوجوان نے (تحائف لینے سے انکار کیا اور) کہا 'إِنِّي لَا أَشْفِي أَحَدًا إِنَّمَا يَشْفِي اللَّهُ فَإِنْ أَنْتَ آمَنْتَ بِاللَّهِ دَعَوْتُ اللَّهَ فَشَفَاكَ فَآمَنَ بِاللَّهِ فَشَفَاهُ اللهُ'۔ 'میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا اللہ دیتا ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ تو میں تمہارے لیے دعا کروں گا، اللہ (چاہے تو) تمہیں شفا دے دے گا'، وزیر ایمان لے آیا اور اللہ نے اسے شفا عطا فرمائی۔"

ہدایت کی نشانی

نعمتِ ہدایت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ یہ جس کو نصیب ہو، اس کے دل میں حبِ دنیا نہیں رہتی، اُسے دنیاوی مال و متاع، منصب و مرتبہ اور نمود و نمائش کی پھر پرواہ نہیں ہوتی ہے اور وہ بس اللہ کی رضا اور اس کی مخلوق کی ہدایت ہی کو اپنا مقصدِ اول رکھتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف جنہیں صبح و شام حقیر 'متاعِ قلیل' کی فکر کھاتی ہے، وہاں دین داری دنیا کے تابع ہوتی ہے، اگر تو دنیا کے ساتھ دین چلتا ہے تو اچھی بات ہے مگر جہاں دنیا اور دین کا ٹکراؤ آ گیا، وہاں دین چھوڑ کر دنیا کو ترجیح دی گئی، تو یہ (والعیاذ باللہ) ہدایت سے محرومی کی نشانی ہے۔ دنیا کے ساتھ کسی کا کیا تعامل ہے؟ اس کی نظر میں اس کا کیا مقام اور دل میں کیا مرتبہ ہے؟ خالق سے تو کوئی کیا چھپ سکتا ہے، مخلوق کے سامنے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے اور یہی ایسا پیمانہ ہے کہ جو دوسروں کو بھی بتاتا ہے کہ کوئی کتنا راہ ہدایت پر ہے اور کتنا اس سے دور ہے۔ ملکہ بلقیس نے بھی جب سلیمان علیہ السلام کی حقیقت جاننا چاہی تو انہیں قیمتی تحائف بھجوائے اور کہا ﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ﴾[1]۔ مفسر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ لکھتے ہیں "بلقیس کے مطابق سلیمان (علیہ السلام) اگر دنیادار بادشاہ ہوئے تو مال انہیں محبوب ہو گا اور یہ تحائف قبول کر لیں گے، لیکن اگر وہ واقعی اللہ والے ہوئے تو ان چیزوں کی انہیں حاجت نہیں ہو گی، اور وہ بس ایک ہی خواہش کریں گے کہ ہم ان کے دین میں داخل ہوں اور اس دین کی پیروی کریں"۔ یہاں اس حدیث میں نوجوان نے بھی تحائف کی طرف التفات نہیں کیا بلکہ ایمان کا مطالبہ کیا۔ شیخ ابو قتادہ (حفظہ اللہ) کہتے ہیں کہ شفا کے لیے وزیر کا ایمان لانا ضروری نہیں تھا، اس لیے کہ دم و دعا تو کسی کافر کے حق میں بھی اثر کر سکتی ہے، جیسا کہ سورۂ فاتحہ کے دم کے متعلق صحابیٔ رسول کا مشہور واقعہ ہے، مگر یہ نوجوان چونکہ داعی تھا، اس کے نزدیک خطرناک ترین بیماری، کفر و گمراہی کی بیماری تھی اور بدترین محرومی ایمان و ہدایت سے محرومی تھی، اس لیے اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا۔ ایک یہ راہ ہدایت پر چلنے والوں کا کردار ہے کہ اس میں قدم قدم پر اللہ کی رضا کی فکر رہتی ہے، خلق خدا کی ہدایت کے لیے دل تڑپتا ہے اور اس کارِ عبادت میں دنیا کو رتی برابر اہمیت نہیں دی جاتی ہے اور دوسرا راہِ گم کردہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے بدنصیبوں کا کردار ہے کہ جہاں اصل مقصد دنیا ہوتا ہے اور دین اس کے حصول کے ایک وسیلے کی جگہ لیتا ہے۔ دنیا اگر مل رہی ہو، تو چاہے اس کے گرد کفر و طغیان کے مظاہر ہوتے ہوں، اس کے ماتھے پر شکن تک بھی نہیں پڑتی، بلکہ اپنی دنیا بچانے اور بڑھانے کے لیے حق کے مقابل باطل تک کا ساتھ بھی دے دیتا ہے۔

امت محمد ﷺ کا فتنہ

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے "إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وَإِنَّ فِتْنَةَ أُمَّتِي الْمَالُ" "ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے"۔ آج یہ فتنہ ہر سُو نظر آ رہا ہے، اور شاید کہ تاریخ انسانی میں اس کو ایسی گھیرائی (وسعت) اور اثر پذیری پہلے کبھی نہیں ملی ہو جتنا کہ آج کے اس 'ماڈرن' دور میں اسے ملی ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فتنوں سے ڈرایا کہ عمل کرو اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے جب فتنے اندھیری رات کی طرح برسیں، ایک شخص صبح مسلمان ہو گا اور شام کو کافر ہو گا، شام کو مسلمان ہو گا اور صبح کافر ہو گا، اور وجہ اس کی یہ بیان فرمائی کہ "يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا"، "آدمی اپنا دین دنیا کی تھوڑی سی متاع کے عوض بیچ ڈالے گا"[2]۔ دنیا کا فتنہ انتہائی خطرناک ہے، حدیث میں حلوۃ اور خضرۃ اسے کہا گیا ہے، یعنی خوش ذائقہ بھی ہے اور دیکھنے میں بھی بڑا پرکشش ہے۔ حق کی طرف آنے میں شیطان دنیا کی رغبت دلا کر رکاوٹ ڈالتا ہے تاکہ بندہ دنیا کی طرف متوجہ ہو، اس کی طرف جھکے اور اللہ کی عبادت سے محروم ہو، یا دوسری صورت میں جو موجود دنیا ہے، اس کی محرومی سے ڈراتا ہے کہ دینی تقاضوں پر عمل کرو گے تو موجود دنیا بھی ختم ہو جائے گی، اہل حق کے خلاف یہ ترغیب اور ترہیب حکومتوں کا بھی ہتھیار رہے، غالباً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کوڑوں

[1] "اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں؟" (سورۃ النمل: ۳۵)

[2] «بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا»

(تشدد و عقوبت) کی آزمائش تو اپنی جگہ ہے مگر توڑوں کا امتحان اس سے کہیں زیادہ نازک ہے، یعنی لفافوں یا تھیلوں میں مال کے ذریعہ جو ایمان اور کردار کی قیمت لگائی جاتی ہے، وہ کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

بچاؤ کا ہتھیار کیا ہے؟

یہ ہتھیار زہد ہے، دنیا سے بے رغبتی ہے، دنیا کی اصل حقیقت نظر میں رکھنا اور دل کے اندر اس کی محبت کو جگہ نہیں دینا ہے..... اور یہ ہتھیار بھی تب ہی ہاتھ آتا ہے جب اللہ کے سامنے کھڑے ہونے اور جزا و سزا پانے کا یقین ہو اور دنیا کی حقیر، معیوب اور عارضی ساز و سامان کے مقابل جنت کی دائمی، لازوال اور بے مثال نعمتوں پر نظر ہو..... یہ زہد و یقین ہی وہ ہتھیار ہیں کہ جن کے سبب صبر و شکر کی حالت اللہ عطا کرتا ہے اور پھر فتنوں کا مقابلہ آسان ہو جاتا ہے، آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے "صَلَاحُ أَوَّلِ هَذِهِ الأُمَّةِ بِالزُّهْدِ وَاليَقِينِ وَهَلَاكِ آخِرِهَا بِالْبُخْلِ وَالأَمَلِ" "اللہ نے اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح/بھلائی زہد اور یقین کے سبب فرمائی اور اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ بخل اور بے عمل امیدوں کے سبب برباد ہوئے"۔ اللہ کا حق ہے کہ دل بس اسی کی محبت سے آباد ہو اور زندگی کا ہر لمحہ اس کی اطاعت و خوشنودی میں بسر ہو، جبکہ یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک دل دنیا کی محبت سے خالی نہ ہو، امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق جس کا دعویٰ ہو کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت بھی ہے اور دنیا کی محبت بھی تو وہ جھوٹا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس طرح آگ اور پانی کا ملاپ ناممکن ہے اس طرح ایک دل میں اللہ کی محبت اور دنیا کی محبت ناممکن ہے۔ بیشک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے، آپ ﷺ نے دنیا کو کتنی اہمیت دی، اس کے مال و متاع کو اپنی ذات کے لیے کتنا استعمال کیا؟ یقیناً کوئی بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، مگر حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھی عالمِ حق، داعیٔ دین یا مجاہد راہِ حق پر استقامت نہیں دکھا سکتا جب تک وہ دنیا کے ساتھ تعامل کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے نمونۂ عمل نہ بنائے۔ آپ ﷺ نے پوری زندگی ایسی گزاری کہ کبھی زکوٰۃ کے نصاب کے بقدر مال تک بھی اپنے پاس نہیں رکھا، اور دنیا سے انتقال کر گئے تو ایسی صورت میں کہ چراغ میں تیل تک نہیں تھا اور ام المومنین کو وہ قرض لینا پڑا۔ کتنے شب و روز ایسے گزر جاتے کہ آپ ﷺ کے گھر میں آگ نہیں جلتی اور صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا۔ ایک دفعہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کی حالت دیکھی کہ آپ کھجور کی چٹائی زمین پر بچھائے اس پر لیٹے ہیں اور آپ کے جسم مبارک پر اس کے نشان بنے ہوئے ہیں، تو آپؓ روئے اور کہا کہ قیصر و کسریٰ تو عیاشیاں کریں اور اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حالت ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الآخِرَةُ"، "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے یہ دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو"۔

دنیا مقصود نہیں، مقصود کا ذریعہ

جب دل میں اللہ کی محبت ہو تو پھر دنیا استعمال کی جاتی ہے مگر بس اس قدر اور اس لیے کہ اس سے آخرت میں فائدہ ہو۔ ایسے میں مقصود دنیا نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود اللہ کی رضا ہوتی ہے اور دنیا اتنی استعمال ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے مقصود تک پہنچا جا سکے اور یہی زہد کی حقیقت ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دنیا بمثل (دریا یا سمندر کا) پانی ہے، اگر یہ دل سے باہر ہو تو سفر خیر کے ساتھ تمام ہوتا ہے اور منزل مل جاتی ہے، لیکن اگر یہ دل میں داخل ہو جائے تو جس طرح کشتی کے اندر پانی داخل ہونے سے کشتی غرق ہو جاتی ہے، دنیا کی محبت دل میں داخل ہونے سے حبِّ الٰہی نکل جاتا ہے اور انسان غرق ہو جاتا ہے۔

جب دل میں خالص اللہ کی محبت ہو اور فکرِ آخرت ہی بندے کو لاحق ہو، تو پھر دنیا کی خاطر کوئی ایسا عمل نہیں ہو گا جو اللہ کو ناپسند ہو۔ پھر نہ انفرادی زندگی میں بغض و حسد ہو گا اور نہ ہی اجتماعی و تحریکی زندگی میں تعصب اور ظلم، کہ ان تمام امراض کا سبب آخرت کے مقابل دنیا کو ترجیح دینا ہے، اور یہی دنیا کی محبت ہے، اس لیے کہ دنیا کی محبت محض مال کی محبت قطعاً نہیں ہے، جاہ کی محبت اس میں بدرجۂ اتم شامل ہے، بلکہ اپنے آپ کو برتر دکھانے کی خواہش مال کی محبت سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے اور اس خواہش ہی کے سبب پھر اقوال میں بھی ظلم ہوتا ہے اور افعال میں بھی۔ اللہ نے اہل جنت کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ وہ نہ دنیا میں برتری چاہتے ہیں اور نہ ہی فساد کرتے ہیں: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾[1]۔

طرزِ عمل ٹھیک کرنے کی ضرورت

نوجوان نے کہا شفا میں نہیں دیتا، شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ دیتا ہے، میرا کام اسباب استعمال کرنا ہے، نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہی راہ ہدایت پر چلنے والوں کا طریقہ ہے، وہ اللہ کی رحمت کی نسبت اللہ کی طرف ہی کرتے ہیں، رزق، شفا، معاشی استحکام، امن و امان، چین و سکون اور خوشحالی، یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ ان چیزوں کا وعدہ نہیں کرتے ہیں بلکہ ان چیزوں کے حصول کے لیے اللہ نے جو اسباب مقرر کیے ہیں، اُن اسباب کے استعمال کا خود اپنے آپ کو بھی پابند کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی انہیں عمل میں لانے کا تقاضہ کرتے ہیں، ان اسباب میں اول و اہم اللہ کی اطاعت ہے، اللہ پر ایمان ہے اور اللہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنا ہے۔ اس کے

[1] "وہ آخرت والا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں، اور نہ فساد، اور آخرت انجام پرہیزگاروں کے حق میں ہو گا۔" (سورۃ القصص: ۸۳)

بعد مادی اسباب و ذرائع کی باری آتی ہے۔ جہاں تک نتائج کا تعلق ہے تو وہ اللہ کے پاس ہیں اور جب مخلوق ان اسباب کو اچھے طریقے سے عمل میں لاتی ہے تو پھر اللہ انعام کے طور پر یہ نتائج بھی عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ نئی تہذیب اور جمہوری سیاست کے سبب جو کام بندوں نے کرنا تھا، اس کی طرف نہ دھیان ہے اور نہ دعوت ہے، اور جو اللہ کا کام ہے، اُس کے وعدے عوام کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ اپنی اور قوم کی ذمہ داری یہ تھی کہ سب اللہ کی طرف لوٹیں اور اللہ کی شریعت کی پیروی کریں، پھر اللہ نے جو مادی اسباب مقرر کیے ہیں، انہیں بھی بروئے کار لائیں، مگر افسوس کہ ان فرائض کو عمل میں نہیں لایا جاتا (جزوی یا کلی طور پر)، یا اللہ کی طرف رجوع اور اس کی اطاعت کے بغیر محض مادی ذرائع پر بھروسہ کیا جاتا ہے اور پھر خوشحالی اور ترقی کے وعدے کیے جاتے ہیں، گویا کہ نتائج بھی جیسے نعوذ باللہ ان کے ہاتھ میں ہوں، کفار کے ساتھ تو اللہ گزارہ کرتا ہے کہ یہ دنیا ان کی جنت ہے مگر جن کا دعوی ایمان کا ہو، انہیں کیوں کر ایسے چھوڑا جائے، لہٰذا نتیجہ یہ ہے کہ ہر آئے دن ہماری بدحالی اور تنزل میں اضافہ ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ کم از کم دینی تحریکات اس معاملے میں اپنا طرزِ عمل ٹھیک کریں اور وہ قوم کو وہ راستہ بتائیں جو واقعی خوشحالی کا راستہ ہے۔

اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، دنیا کی حقیقت ہمارے دلوں میں بٹھائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے ساتھ اس کی حقیقت کے مطابق تعامل کریں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: خطوط از ارضِ رباط

جو لوگ دنیا کے فریب میں آکر اپنے پیاروں کو دنیا کے فتنے میں ڈال دیتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے عزیزوں کے سچے خیر خواہ نہیں ہوتے ہیں۔ اس لیے نام نہاد بہی خواہوں کی خیر خواہی میں آکر اور دنیا کی چمک دمک دیکھ کر اللہ کی سچی راہ کو نہ چھوڑنا اور اپنے دادا جان کی آرزو کی لاج رکھنا ہے! یہ چند باتیں ہیں جو میری طرف سے آپ لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر کاربند رہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین!

آخر میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیں اور اسی سے مانگیں اور اسی کی طرف رجوع کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دینے والے ہیں۔

اپنے نانا نانی اور ماموؤں کو میرا اسلام عرض کیجیے گا۔ میری طرف سے سب کو بہت بہت پیار و دعا دیجیے گا۔ ہاں اپنے چاچو اور ان کے گھر والوں کو اور ان کے سب بچوں کو میری طرف سے سلام و دعا اور پیار پہنچا دینا۔

دعاؤں میں یاد رکھنا۔

والسلام تمہارا ابو

قاری

عبد العزیز

۴ جولائی ۲۰۰۹ء

☆☆☆☆☆

محمدؐ ہے تو سب کچھ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)!

”آج مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں روحِ صدیقؓ پیدا کرو۔ آج محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر کمینے اور ذلیل قسم کے انسان حملہ آور ہیں۔ یاد رکھو! محمدؐ ہے تو قرآن ہے۔ محمدؐ ہے تو دین ہے۔ محمدؐ نہیں تو کچھ نہیں، صلی اللہ علیہ وسلم! ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم یقیناً ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دشمن، ہمارا بدترین دشمن ہے۔ میری گردن تو آج بھی تحفظِ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پھانسی لگنے کو تڑپتی ہے۔ میں تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوں کہ تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کی حفاظت کرو تو میں تمہارے کتے بھی پالنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کی تو بھر میں تمہارا باغی ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہوں۔“

(امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

برِّ صغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا مسلمانوں پر کیوں واجب ہے؟

مولانا فضل الرحمٰن قاسمی حفظہ اللہ

مولانا فضل الرحمٰن قاسمی کا تعلق شہید سراج الدولہ، سید تیتو میر اور حاجی شریعت اللہ رحمہم اللہ کی سرزمین سے ہے جس کے بیشتر حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے اور آپ نے یہ تحریر بنگلہ دیش میں ہی قلم بند کی ہے۔(ادارہ)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد

اس موقع پر ہم تین امور ذرا تفصیل سے پیش کرنا چاہتے ہیں، پہلا امر تو یہ ہے کہ یہ خطۂ زمین دو سو برس پہلے کیوں دار الحرب بنا اور اب بھی کیوں دار الحرب ہے؟ دوسرا امر اس کہانی کی مختصر تصویر ہے جو دو سو برس سے ہم پر گزری، تیسرا امر ہے کہ ایک دار الاسلام کے دار الحرب بننے کے بعد اس کو دار الاسلام بنانے کی جو 'فرض' ذمہ داری ہم پر عائد ہوئی تھی اور وہ اب تک ادا نہ ہو سکی، تو اب دو سو برس گزر جانے کے بعد اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اور شریعت کی طرف سے ہم پر کیا کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟ اللہ توفیق عطا فرمائے۔

بر صغیر کیوں دار الحرب بنا اور اب بھی کیوں دار الحرب ہے؟

بر صغیر (ہندوستان) کیوں اور کیسے دار الحرب بنا؟ ایک زمانہ تک یہ بات مسلمانوں کو معلوم تھی، عرصۂ دراز تک وہ جانتے تھے کہ، ان کی یہ اسلامی سلطنت کیسے اور کیوں دار الحرب بن گئی؟ رفتہ رفتہ زمانہ گزرتا گیا اور مسلمان اپنے ماضی کو بھولتا گیا، مسلمانوں کی آنکھوں اور دلوں سے دار الحرب اور دار الاسلام کا فرق اوجھل ہوتا چلا گیا، دار الاسلام کی حقیقت سمجھنا مسلمانوں کے لیے مشکل ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس بات کو اور اس داستان کو از سر نو ابھارنا وقت کی ضرورت بن گیا، لہٰذا ہم اس کو کچھ عرض کر رہے ہیں۔

یہاں دو باتیں عرض کرنی ہیں، ایک بات ہے اس بارے میں کتاب کا مسئلہ، اور دوسری بات ہے ہندوستان کی حالت جو مسئلہ کا مصداق ہے۔

کتاب کا مسئلہ

کتاب و سنت کی رو سے ہمارے ائمۂ مجتہدین نے دار الحرب کی جو تعریف کی اور کسی دار الاسلام کے دار الحرب میں بدل جانے کے جو اسباب بتائے ہیں ان میں دو باتیں خاص طور پر ملحوظ ہیں، ایک ہے اہل کفر کا غلبہ اور دوسری ہے کفار کے احکام کا رواج۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں جو اگر اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہوں تو دار الحرب دار الاسلام بن جائے گا، مطلب یہ کہ، اگر کسی ملک میں مسلمانوں کا غلبہ ہو جائے اور اسلامی شریعت کے قوانین نافذ ہو جائیں تو وہ دار الحرب دار الاسلام بن جائے گا۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

”ووجه هذا القول: أنَّ حكم الدار إنما يتعلق بالظهور والغلبة، وإجراء حكم الدين بها، والدليل على صحة ذلك: أنا متى غلبنا على دار الحرب، وأجرينا أحكامنا فيها: صارت دار إسلام، سواء كانت متاخمة لدار الإسلام أو لم تكن، فكذلك البلد من دار الإسلام، إذا غلب عليه أهل الكفر، وجرى فيه حكمهم: وجب أن يكون من دار الحرب.“

شرح مختصر الطحاوی للجصاص (المتوفی ۳۷۰ھ)، کتاب السیر والجهاد ۲۱۶/۷-۲۱۷، دار البشائر الإسلامية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۳۱ھ

ترجمہ: ”اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ، دار کا حکم غلبے اور ظہور سے متعلق ہے، اسی طرح وہاں دین کے احکام جاری کرنے کے ساتھ ہے، اس بات کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ، ہم جب دار الحرب پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اور وہاں ہمارے احکام جاری ہوتے ہیں تو وہ دار الاسلام بن جاتا ہے، چاہے وہ دار الاسلام سے ملا ہوا ہو یا ملا ہوا نہ ہو، تو ایسا ہی اگر دار الاسلام کے کسی شہر یا خطے پر کفار کا غلبہ ہو جائے اور اس میں ان کا حکم جاری ہو جائے تو وہ ضرور دار الحرب میں سے ہو جائے گا۔“

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وعن أبي يوسف ومحمد رحمه ما الله تعالى: إذا أظهروا أحكام الشرك فيها فقد صارت دارهم دار حرب؛ لأن البقعة إنما تنسب إلينا أو إليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين، فكانت دار حرب، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين.“

المبسوط للسرخسی (المتوفی ۴۸۳ھ)، کتاب السیر، باب المرتدین، ۱۱۴/۱۰، دار المعرفة، بيروت، لبنان

ترجمہ: ”اور ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ، جب وہ شرک کے احکام کو رواج دیں گے تو ان کا یہ دار، دار الحرب بن جائے گا؛ کیوں کہ زمین کا کوئی حصہ قوت اور غلبہ کے اعتبار سے ہماری یا ان کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ علاقہ جہاں شرک کے احکام کا غلبہ اور رواج ہے وہاں قوت مشرکین کے لیے ثابت ہے، لہٰذا وہ دار الحرب ہو جائے گا، اور ہر وہ علاقہ جہاں اسلام کے احکام کا غلبہ اور رواج ہے، وہاں قوت مسلمانوں کے لیے ثابت ہے۔“

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

"فصل: فی اختلاف الأحكام باختلاف الدارين وأما بيان الأحكام التی تختلف باختلاف الدارين؛ فنقول: لا بد أولا من معرفة معنى الدارين؛ دار الإسلام ودار الكفر؛ لتعرف الأحكام التی تختلف باختلافهما، ومعرفة ذلك مبنية على معرفة ما به، تصير الدار دار إسلام أو دار كفر؛ فنقول: لا خلاف بين أصحابنا فی أن دار الكفر تصير دار إسلام بظهور أحكام الإسلام فيها."

بدائع الصنائع لعلاء الدين الكاسانی (المتوفى ۵۸۷ھ)، كتاب السير، فصل فی اختلاف الأحكام باختلاف الدارين، ۹/۵۱۸-۵۱۹، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ

ترجمہ: "فصل: دارین کے اختلاف سے احکام کے اختلاف کے بیان میں ان احکام کا بیان جو دارین کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ: سب سے پہلے دارین یعنی دار الاسلام اور دار الکفر کا معنیٰ جاننا چاہیے؛ تاکہ ان دو دار کے اختلاف سے احکام میں جو اختلافات ہوتے ہیں وہ معلوم ہو جائیں، اور یہ جاننا اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ، دار الاسلام اور دار الکفر کس وجہ سے بنتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ: اس بات میں ہمارے ائمۂ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ، دار الکفر میں اسلامی احکام جاری ہونے سے دار الاسلام بن جاتا ہے۔"

ان تینوں حوالوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ، ملک پر مسلمانوں کا غلبہ اور اسلامی آئین کے نفاذ کے بغیر کوئی بھی ملک دار الاسلام نہیں بن سکتا، جب تک کفار کا غلبہ ہے اور قوانین غیر اسلامی ہیں تب تک وہ دار دار الحرب ہی رہے گا۔ ساتھ ساتھ امام سرخسی کی عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ، غلبہ اور قوت بھی احکام کے نفاذ سے ثابت ہوتا ہے، ان کی اس عبارت کو دوبارہ ملحوظ فرمائیں:

"فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة فی ذلك الموضع للمشركين، فكانت دار حرب، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين."

ترجمہ: "لہٰذا ہر وہ علاقہ جہاں شرک کے احکام کا غلبہ اور رواج ہے تو وہاں قوت مشرکین کے لیے ثابت ہے، لہٰذا وہ دار الحرب ہو جائے گا، اور ہر وہ علاقہ جہاں اسلام کے احکام کا غلبہ اور رواج ہے، تو وہاں قوت مسلمانوں کے لیے ثابت ہے)۔"

اسی وجہ سے ہندوستان میں جب کفار کا غلبہ ہو گیا، اور قوانین غیر شرعی چلنے لگے، قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے حلال حرام ہونے لگے اور حرام حلال ہونے لگے، اسی طرح فرائض محظورات سے بدلنے لگے اور محظورات واجبات کے مقام پر فائز ہونے لگے، تو وقت کے ذمہ داران، علمائے حقانی وربانی نے اس ملک کو دار الحرب قرار دے کر فتویٰ دیا، حالانکہ اس ملک کو جب دار الحرب قرار دے کر فتویٰ دیا جارہا تھا تو اس وقت اس ملک کے سلطان اور بادشاہ مسلمان تھے، حکمرانی کے تخت پر مسلمان بادشاہ رونق افروز تھے، نمازیں بھی پڑھی جاتی تھیں، روزے بھی رکھے جاتے تھے، حج کا سفر ہوتا تھا، مسلمان زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے، اذانیں ہوتی تھیں، محفلیں بھی چلتی تھیں، دعوت وتبلیغ کا کام بھی چلتا تھا، مدارس میں پڑھنا پڑھانا بھی جاری تھا، غرض ایسے سینکڑوں اسلامی امور اپنے حال پر بحال تھے، لیکن پھر بھی یہ ملک دار الاسلام کی حیثیت کو کھو کر دار الحرب بن گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ، غلبہ اہل کفر کا ہے اور قوانین غیر شرعی قوانین ہیں، قوت وشوکت کفر وشرک کی ہے۔

اور انہی مرکزی دو باتوں کی بنا پر برصغیر ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا گیا، اور اسی فتویٰ کی بناء پر کفری غلبہ اور کفری آئین کے خلاف علمائے اسلام کی قیادت میں مسلمانانِ ہند میدان جہاد میں لڑتے رہے۔

البتہ کسی دار الاسلام کے دار الحرب بننے کے لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید اور دو باتیں بتائیں، ایک یہ کہ، کسی ملک میں دار الاسلام ہونے کی وجہ سے اور دار الاسلام ہونے کی حیثیت سے جو امن و امان تھا وہ بحال رہے اور وہ ملک کسی دار الکفر سے ملا ہوا نہ ہو۔ یاد رہے، ہندوستان جب دار الحرب بن گیا اس وقت جنہوں نے کفار کے کفری قوانین مان لیے، کفار کے تسلط کو اپنے لیے کوئی مصیبت نہیں سمجھا؛ بلکہ کفار کی ماتحتی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھنے لگے، ان کے امن اور راحت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، پھر بھی ہندوستان دار الحرب بن گیا تھا، لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جس امن وامان کی بات کر رہے ہیں وہ اس قسم کے لوگوں کی راحت اور امن نہیں، کیوں کہ اگر ان جیسے لوگوں کی راحت مراد ہوتی تو اس وقت بھی ہندوستان دار الحرب نہیں بنتا، بلکہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ، دنیا میں کوئی دار الحرب کبھی دار الحرب نہیں بن سکتا، کیوں کہ ہر دار الحرب میں آپ کو ایسے مسلمان مل جائیں گے جو کفار کے کفری قوانین اور کفار کے تسلط کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور کفار کے طرزِ حکمرانی کو تسلیم کرتے ہیں، ان کے امن وراحت میں کبھی کوئی خلل نہیں آیا، تو یہ امن وراحت امام ابو حنیفہ کا مقصد نہیں۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے بدائع کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"واختلفوا فی دار الإسلام أنها بماذا تصير دار الكفر؟ قال أبو حنيفة: إنها لا تصير دار الكفر إلا بثلاث شرائط:

أحدها: ظهور أحكام الكفر فيها، والثانی: أن تكون متاخمة لدار الكفر، والثالث: أن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمی آمنا بالأمان الأول، وهو أمان المسلمين.

وقال أبو يوسف، ومحمد - رحمه ما الله: إنها تصير دار الكفر بظهور أحكام الكفر فيها.

وجه قولهما أن قولنا دار الإسلام، ودار الكفر إضافة دار إلى الإسلام وإلى الكفر، وإنما تضاف الدار إلى الإسلام أو إلى الكفر لظهور

الإسلام أو الكفر فيها، كما تسمى الجنة دار السلام، والنار دار البوار؛ لوجود السلامة فى الجنة، والبوار فى النار. وظهور الإسلام والكفر بظهور أحكامهما، فإذا ظهرت أحكام الكفر فى دار، فقد صارت دار كفر فصحت الإضافة، ولهٰذا صارت الدار دار الإسلام بظهور أحكام الإسلام فيها من غير شريطة أخرى، فكذا تصير دار الكفر بظهور أحكام الكفر فيها، والله أعلم.

وجه قول أبى حنيفة - رحمه الله - أن المقصود من إضافة الدار إلى الإسلام والكفر ليس هو عين الإسلام والكفر، وإنما المقصود هو الأمن والخوف، ومعناه أن الأمان إن كان للمسلمين فيها على الإطلاق، والخوف للكفرة على الإطلاق، فهى دار الإسلام، وإن كان الأمان فيها للكفرة على الإطلاق، والخوف للمسلمين على الإطلاق، فهى دار الكفر.''

بدائع الصنائع لعلاء الدين الكاسانى (المتوفى ٥٨٧ھ)، كتاب السير، فصل فى اختلاف الأحكام باختلاف الدارين، ٥١٩/٩، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ١٤٢٤ھ

ترجمہ: ''البتہ دار الاسلام کس وجہ سے دار الکفر بنے گا، اس بارے میں انہوں نے اختلاف کیا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: تین شرائط پائے جانے کے بغیر دار الاسلام دار الحرب نہیں بنے گا۔

ایک ہے اس میں کفر کے احکام کا نافذ ہونا، دوسرا ہے دار الحرب کے سائے میں ہونا، تیسرا ہے کسی مسلمان یا کسی ذمی کا سابقہ امن کی بدولت مامون نہ رہنا یعنی مسلمان کی طرف سے دیا ہوا امن۔

اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں: کہ دار الاسلام میں کفری احکام کے نفاذ سے وہ دار الکفر بن جائے گا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ ہمارا کسی دار کو دار الاسلام یا دار الکفر کہنا، اس کو اسلام اور کفر کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے، دار کو اسلام کی طرف یا کفر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس دار میں اسلام یا کفر کے غلبے کے اعتبار سے، جیسے جنت کو دار السلام (سلامتی کی جگہ) اور جہنم کو دار البوار (بربادی کی جگہ) کہا جاتا ہے؛ جنت میں سلامتی اور جہنم میں بربادی پائے جانے کی وجہ سے، اور اسلام یا کفر کا غلبہ ان دونوں کے احکام کے غلبے اور نفاذ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی دار میں کفر کے احکام کا غلبہ ورواج ہو جائے تو وہ دار دار الکفر بن جائے گا، اور کفر کی طرف دار کی اضافت صحیح ہوگی، اسی طرح کسی دار میں احکام اسلام کے نفاذ اور غلبہ سے وہ دار دار الاسلام بن جائے گا، اور کسی شرط کی ضرورت نہ ہوگی، اسی طرح کفر کے احکام کے نفاذ اور غلبہ سے دار الکفر بن جائے گا، واللہ اعلم۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ، دار کو اسلام اور کفر کی طرف نسبت کرنے سے عین اسلام اور عین کفر مقصد نہیں، بلکہ مقصد ہے امن اور خوف، جس کا مطلب یہ ہے کہ، اگر بلا کسی قید وبند کے امن مسلمانوں کے لیے ہے اور خوف کفار کے لیے ہے تو وہ دار الاسلام ہے، اور اگر بلا کسی قید وبند کے امن کفار کے لیے ہے اور خوف مسلمانوں کے لیے ہے تو وہ دار الکفر ہے۔''

ہندوستان کی حالت

قرآن وحدیث کی رو سے دار الحرب اور دار الاسلام کا جو مصداق نکلتا ہے اسی کی روشنی میں علمائے وقت اپنے ملکوں کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں اور ملک کے باشندوں کو ان کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کراتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظیم سلطنت پر غیر مسلموں کا تسلط جوں جوں بڑھتا گیا تو وہ اس حد تک پہنچ گئے کہ تخت سلطانی پر مسلمان سلطان رونق افروز ہونے کے باوجود ملک کی اپنی اصلی حیثیت مفقود ہو گئی۔ اذان، جمعہ، عیدین کے جاری وساری رہنے کے باوجود اس ملک کی شرعی پہچان اور تعریف بدل گئی۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک اور ملحقہ اضلاع کے لیے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے، اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں، اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مال گزاری پر قبضہ کر سکے، اور مسلمان باشندے اس امن وامان سے زندگی بسر نہ کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے کرتے تھے، تو یہ ملک سیاسی اعتبار سے دار الحرب ہو جائے گا۔''

نقش حیات: خود نوشتہ سوانح، حسین أحمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعۃ دار الاشاعت، کراچی پاکستان ٢/ ٤١٠-٤١١، حاشیہ نمبر-١

دوسرے ایک اور فتویٰ میں شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اور دار الحرب اسی وقت دار الاسلام ہو جاتا ہے کہ اہل اسلام کے احکام اس میں جاری ہو جائیں، اور کافی میں ہے:

'إن المراد بدار الإسلام بلاد يجرى فيها حكم إمام المسلمين ويكون تحت قهره، وبدار الحرب بلاد يجرى فيها أمر عظيمها وتكون تحت قهره.' اهـ

یعنی 'دار الاسلام سے مراد وہ علاقہ ہے جس میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ شہر اس کے زیر حکومت ہو، اور دار الحرب سے وہ علاقہ مراد ہے جس میں ان شہروں کے سردار کا حکم چلتا ہو اور اس کے زیر حکومت ہو۔

اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہر گز جاری نہیں، نصاریٰ کے حکّام کا حکم اور دبدبہ جاری ہے، اور احکام کفر کے جاری ہونے سے یہ مراد ہے کہ مقدمات، انتظامِ سلطنت اور بندوبستِ رعایا، تحصیلِ خراج و باج و عشر واموالِ تجارت میں حکّام بطور خود حاکم ہوں، اور ڈاکوؤں اور چوروں کی سزا، اور رعایا کے باہمی معاملات اور جرائم کی سزا کے مقدمات میں کفار کا حکم جاری ہو، اگرچہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ، عیدین اور اذان اور گائے کے ذبیحے میں کفار تعرض نہ کریں۔"

فتاوی عزیزی، ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان، طبع جدید سنہ ۱۴۰۴ھ، ص: ۴۴۵-۴۵۵

شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان عبارتوں پر ذرا غور کیجیے:

1- "اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہر گز جاری نہیں، نصاریٰ کے حکام کا حکم و دبدبہ جاری ہے"۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں کہ حکم نصاریٰ کا چل رہا ہے، اور تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت سلطنتِ دہلی پر مغل بادشاہ شاہ عالم رونق افروز تھے جن کی حکومت ۱۸۰۶ عیسوی تک تھی، یا اکبر شاہ ثانی تخت سلطنت پر تشریف فرما تھے جن کی حکومت ۱۸۰۶ سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مورتی کی طرح غیر ذی روح مسلمان بادشاہ (کے ہونے) سے کوئی ملک دار الاسلام نہیں بن سکتا، اور اگر وہی مورتی جیسا بادشاہ نصاریٰ کی طرف داری کرنے لگے، اپنے تختِ بادشاہی کو گلے سے لگائے رکھنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف کفار کی کارروائیوں میں شریک بھی ہو جائے، تو وہ ملک غیر مسلم کے ہاتھ میں تو ہے ہی، مزید فکر کی بات یہ ہے کہ اس بادشاہ کا ایمان بھی اب باقی رہا یا نہیں۔ معاملہ اگر یہاں تک پہ نچ گیا تو بادشاہ صورتاً جو مسلمان تھا، وہ بھی شاید نہ رہے گا۔

غرض اس طرح کے مسلمان بادشاہ سے دار دار الاسلام نہیں رہے گا، یہ دار دار الحرب بن جائے گا، محدث دہلوی کا کہنا یہی ہے۔

2- "..... اور جرائم کی سزا کے مقدمات میں کفار کا حکم جاری ہو، اگرچہ بعض احکام اسلام مثلاجمعہ و عیدین اور اذان اور گائے کے ذبیحہ میں کفار تعرض نہ کریں"۔

ان کی اس دوسری بات پر بھی ذرا غور کر کے دیکھیں: اگر کسی ملک میں جرائم کی سزا کے مقدمات غیر شرعی قوانین سے چلتے ہوں، غرض یہ کہ ملک کے آئینی ادارے اگر کفار کے قوانین کے ماتحت ہیں اور شرعی قوانین کے ماتحت نہیں ہیں تو وہ دار دار الحرب ہے، اگرچہ اس ملک میں نماز ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، جمعہ و عیدین میں کوئی پریشانی نہ ہو یا اذان جیسا کھلا اسلامی شعار بھی بحال رہے، پھر بھی وہ دار دار الحرب ہے؛ کیوں کہ غلبہ کفر کا ہے، کفری آئین کی ماتحتی ہے، کفر اور اہل کفر کی اجازت سے بعض اسلامی امور ادا تو ہو جائیں گے، لیکن اس سے کوئی ملک دار الاسلام نہیں بنے گا، دلیل کا یہی فیصلہ ہے۔

اس بارے میں ہندوستان کے اور ایک روشن ضمیر عالم کا فتویٰ بھی دیکھ لیجیے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جب ہندوستان رفتہ رفتہ دار الاسلام کی حیثیت کو کھو کر دار الحرب بنتا چلا جا رہا تھا، وہ ہیں مولانا عبد الحی بڈھانوی۔

مولانا عبد الحی بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی اور ہندوستان خاص کر ملحقہ ممالک (یعنی شمالی مغربی سرحدی صوبے) تک سب کی سب دار الحرب ہے؛ کیوں کہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے، اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دار الحرب ہے۔ یہاں ان تمام شرائط کا بیان کرنا طوالت کا باعث ہو گا جن کے ماتحت جملہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کلکتہ اور اس کے ملحقات دار الحرب ہیں"۔

نقش حیات: خود نوشتہ سوانح، حسین آحمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مطبوع دار الاشاعت، کراچی پاکستان ۲/ ۴۱۰-۴۱۱، حاشیہ نمبر-۱

مولانا بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت پر پھر سے ذرا غور کیجیے جس میں گویا کہ شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات ہی کو دہرایا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دار الحرب ہے"۔ اس میں بھی بات وہی ہے جو ہم پہلے عرض کر رہے تھے، مولانا عبد الحی بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کے لیے جس سبب اور علت پر خاص طور پر روشنی ڈالی، وہ یہ ہے کہ ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔

محترم قارئین سے ہماری درخواست ہے، آپ حضرات اس بات کو ذرا ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے قوانین یعنی شریعتِ اسلامیہ کے قوانین کی جہاں کوئی پرواہ نہیں، اسلامی قوانین کی جہاں کوئی حیثیت نہیں وہ ملک کبھی دار الاسلام نہیں ہو سکتا، وہ ضرور دار الحرب ہے۔ مجتہدینِ کرام نے یہی بات کہی، ہندوستان کے حالات کا مشاہدہ کرنے والے علمائے کرام نے بھی یہی بات کہی، اور اسی بناء پر اس برصغیر ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا۔

بس اس متفق علیہ اصول و فتاوی کی بناء پر یہ ملک دار الحرب بنا اور دار الکفر قرار پایا، اسی بناء پر علمائے اسلام کی قیادت میں کفار کے خلاف مسلمان لڑتے رہے، اسی بناء پر علماء اور عام مسلمان اللہ کے راستے میں شہید اور غازی کا بابرکت مرتبہ حاصل کرتے رہے، اسی بناء پر ہجرت کا عمل چلتا رہا اور یہ سنت زندہ ہوئی، اسی بناء پر جہاد کی ہر قسم کی تیاریاں چلتی رہیں، اسی بناء پر ہمارے مشائخ و اکابر کی ہر خانقاہ ایک ایک قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی، اسی بناء پر قادیانی جیسے زندیقوں اور دوسرے بدعتی فرقوں کے ساتھ ہمارا اختلاف چلتا رہا، اور اسی بناء پر ہمارے اکابر و مشائخ ہم کو جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دیتے رہے اور تلقین کرتے رہے۔

برصغیر ہندوستان اب بھی کیوں دار الحرب ہے؟

جن دو بنیادی باتوں کی بناء پر اور جن دو مرکزی سبب وعلت کی وجہ سے برصغیر ہندوستان تقریباً دو سو برس پہلے دار الحرب اور دار الکفر بنا تھا، اب بھی اُسی سبب وعلت کی وجہ سے برصغیر ہندوستان دار الحرب اور دار الکفر ہے۔ برصغیر ہندوستان پر آج بھی کفار کا تسلط سو فیصد ہے، قانونی ادارے سو فیصد غیر شرعی اور کفری آئین کے ماتحت ہیں، شرعی قوانین کی کہیں کوئی پرواہ نہیں کی جاتی؛ برصغیر کے اس ملک کا نام چاہے بھارت ہو، بنگلہ دیش ہو، اور چاہے اس ملک کا نام پاکستان ہو۔

بھارت:

اگر اس ملک کا نام بھارت ہے تو کتاب کی ہر بات اس ملک کے بارے میں واضح ہے، دار الحرب کا ہر وصف اس پر صادق آتا ہے۔ اس کے حکمران کافر ملعون ہیں، جس کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، اس ملک کے آئینی ادارے سو فیصد غیر شرعی قوانین اور کفری آئین کے ماتحت ہیں، اس ملک میں شرعی قوانین کی کہیں بھی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ لہٰذا یہ ملک کتاب وسنت کی رو سے دار الحرب اور دار الکفر ہے، جو کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں، اور مخفی ہونے کی کوئی گنجائش بھی نہیں۔

بنگلہ دیش:

اور اگر اس ملک کا نام بنگلہ دیش ہے تو دار الحرب کے دو بنیادی اوصاف اس میں بالکل واضح طور پہ موجود ہیں۔ اس ملک پر کفار کا تسلط سو فیصد ہے، اس ملک کے قانونی ادارے سو فی صد غیر شرعی اور کفری قوانین کے ماتحت ہیں، اس ملک میں شرعی قوانین کی کہیں کوئی پرواہ نہیں، لہٰذا یہ ملک کتاب وسنت کی رو سے دار الحرب اور دار الکفر ہے۔

بھارت اور بنگلہ دیش میں ایک لحاظ سے ذرا سا فرق ہے، وہ فرق یہ ہے کہ بھارت کے حکمران خود کو غیر مسلم کہتے ہیں، مگر بنگلہ دیش کے حکمران اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، بنگلہ دیش کے حکمرانوں کا دعوی ہے کہ وہ مسلمان ہیں، عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ صرف مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ وہ اسلام کے خیر خواہ و مخلص خادم ہیں۔ اس بارے میں مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی حکمران اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے، لیکن ملک میں وہ کفری آئین اور غیر شرعی قوانین کو نافذ کرے اور رواج دے، شرعی قوانین کے مقابلہ میں غیر شرعی قوانین کو ترجیح دے تو ایسا حکمران دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہی حکم بنگلہ دیش کے حکمران کا ہے، کیوں کہ وہ غیر شرعی قوانین کو شرعی قوانین کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں، غیر شرعی قوانین پر چلنا ہر مسلمان پر واجب کرتے ہیں، شرعی قوانین پر چلنے کو قابلِ سزا جرم قرار دیتے ہیں، اور شرعی قوانین کو نافذ کرنے کے لیے احتجاج کرنے کو دستور کے خلاف شمار کرتے ہیں اور قابلِ سزا جرم قرار دیتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ، بالفرض اگر مان لیا جائے کہ بنگلہ دیش کے حکمران مسلمان ہیں، پھر بھی یہ ملک دار الحرب ہی ہے؛ کیوں کہ یہ حکمران یا تو مجبورِ محض ہیں، جس وجہ سے وہ خود بھی غیر شرعی قوانین پر چلتے ہیں اور کروڑوں مسلمانوں کو غیر شرعی قوانین پر چلنے کے لیے مجبور کرتے ہیں، اور جس حکمران کی یہ حالت ہو وہ کالعدم ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس ملک پر کفر کا تسلط سو فیصد ہے، تو کفر کا تسلط سو فیصد اور قوانین سو فیصد غیر شرعی ہونے کے بعد ملک کے دار الحرب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اور دار الاسلام ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یا یہ حکمران مجبورِ محض نہیں، سو اگر مجبورِ محض نہیں تو وہ خود مختار ہیں، اور خود مختار ہونے کی صورت میں خود مختار ہونے کی حیثیت سے جو خود غیر شرعی قوانین کو اپنے لیے قانون بناتا ہے، اور کروڑوں مسلمانوں کو اس غیر شرعی قوانین پر چلنے کے لیے مجبور کرتا ہے، وہ علمائے اسلام کے اتفاق سے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اور جب حاکم بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اور قوانین بھی غیر شرعی ہوں، تو یہ دار اور یہ ملک دار الحرب نہ ہو ایسی کوئی صورت نہیں ہے۔ دار الحرب ہونے کی یہ اصولی باتیں ہوتے ہوئے ہزاروں صورتیں نکل سکتی ہیں، لیکن وہ دار دار الحرب کے حکم سے خارج نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ملکِ بنگلہ دیش کے دار الحرب ہونے میں ہمیں کوئی شک نہیں۔

پاکستان:

اور اگر اس ملک کا نام پاکستان ہے تو دار الحرب کے مرکزی (اصولی) دو اوصاف اس میں بھی بالکل واضح طور پہ پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت پاکستان اور بنگلہ دیش میں طرزِ حکمرانی اور اصولِ قانون سازی میں کوئی فرق نہیں۔ جتنا فرق ہے وہ ہم ان شاء اللہ آگے بتائیں گے۔ پاکستان کے حکمرانوں کی ایمانی حالت کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے آپ بنگلہ دیش کے حکمرانوں کے حالات پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ آپ پاکستان کے حکمرانوں کے حالات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کے سامنے یہ حقیقت واضح طور پر اجاگر ہو جائے گی کہ ابتدائی حکمرانوں سے لے کر آج کل کے پرویز، نواز، عمران تک..... کوئی حکمران، کوئی صدر اور کوئی وزیر اعظم ملک کے قوانین کے لیے شرعی قوانین کو ضروری نہیں سمجھتا، اور نہ پاکستان کا کوئی حکمران شرعی قوانین کو کفری قوانین پر ترجیح دیتا ہے۔

آپ اگر صفحاتِ تاریخ کو الٹنے کی ذرا ہمت کریں تو دیکھیں گے کہ قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک کے ہر حکمران نے قرآن وحدیث کے شرعی قوانین کے مقابلہ میں قانونِ وضعی اور برٹش

کے کفری قوانین ہی کو ترجیح دی، اور کروڑوں مسلمانانِ پاکستان کے لیے شرعی قوانین کے مقابلہ میں غیر شرعی قوانین کو (ہی) زیادہ مفید اور مناسب سمجھا۔

آج کا یہ ملکِ پاکستان جب وجود میں آیا اس وقت سے لے کر آج تک وہاں شرعی قانون نافذ نہیں ہوا، آج بھی وضعی اور کفری قانون ہی، اپنی پوری آن بان اور شان کے ساتھ یہاں نافذ ہے۔ اپنی پوری طاقت اور جوش کے ساتھ وہاں کارگر ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ یا تو آپ یہ کہیں گے کہ پاکستان کے حکمران مجبورِ محض تھے اور اب بھی مجبورِ محض ہیں، یا یہ کہیں گے کہ وہ خود مختار ہیں، جو بھی کہیں گے نتیجہ وہی نکلے گا جو آپ بنگلہ دیش کے حق میں ابھی دیکھ چکے ہیں۔

اس موقع پر آپ حضرات کو میں دوبارہ یاد کرانا (دلانا) چاہتا ہوں کہ برصغیر ہندوستان کو جب دار الحرب قرار دے کر (یہاں فرضیتِ جہاد و قتال کا) فتوی دیا جارہا تھا..... اس وقت اس ملک کے تختِ حکمرانی پر مسلمان سلطان تشریف فرما تھے، پھر بھی دار الحرب ہونے کا فیصلہ ہو گیا تھا، وجہ یہی تھی کہ تسلط کفر کا تھا اور قوانین کفری اور غیر شرعی تھے۔

لہٰذا پاکستان کے موجودہ حکمران اگر بالفرض مجبورِ محض ہیں تو وہ ان کے کالعدم ہونے اور سو فیصد کفر کے تسلط کی وجہ سے پاکستان دار الحرب ہے، اور اگر وہ ان امور (شرعی اور غیر شرعی قوانین کے نفاذ) میں مختار ہیں تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ سو جب پاکستان کے حکمران بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوئے اور قوانین بھی غیر شرعی ہیں، تو لا محالہ یہ دار، دار الحرب ہے، اس میں تیسری کوئی صورت نہیں۔

دار الحرب ہونے کے اعتبار سے پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان فرق

فقہائے مجتہدین نے کسی بھی ملک کے دارالحرب ہونے کے لیے، کتاب وسنت سے جو دو مرکزی اور بنیادی شرطیں مستنبط کی ہے، وہ دونوں شرطیں بنگلہ دیش اور پاکستان میں برابر پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دستورِ پاکستان کے دیباچہ اور مقدمہ میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو دستورِ بنگلہ دیش کے مقدمہ میں نہیں ہیں۔

ان باتوں کی تفصیل میں جانا ہمارا مقصد نہیں، البتہ بقدرِ ضرورت کچھ عرض کر دیں گے ان شاء اللہ؛ تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ دستورِ پاکستان کے دیباچہ اور مقدمہ میں دستورِ بنگلہ دیش سے زائد جو باتیں ہیں ان کی وجہ سے کوئی ملک، دار الاسلام نہیں بن سکتا، اور نہ ہی ان باتوں سے پاکستان کو دار الاسلام بنانا، اس کے حکمرانوں کا مقصد ہے۔

یہاں اوپر کی اس عبارت میں ہم نے چھوٹے سے دو دعوے کیے؛

پہلا دعوی یہ ہے کہ دستورِ پاکستان کے دیباچہ اور مقدمہ میں دستورِ بنگلہ دیش سے جو زائد باتیں ہیں، ان باتوں سے پاکستان دار الاسلام نہیں بن سکتا۔

اور دوسرا دعوی یہ ہے کہ ان باتوں سے پاکستان کو دار الاسلام بنانا، پاکستان کے حکمرانوں کا مقصد بھی نہیں۔ ہمارے ان دونوں دعووں کے بارے میں تفصیلی باتیں کرنا اس مضمون میں ذرا مشکل ہے۔ بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ اس لیے مختصر طور پر غیر مرتب دو چار باتیں عرض کرتے ہیں:

1- دستورِ پاکستان کے دیباچہ کی ان باتوں میں اس بات کا اعلان نہیں ہے کہ پاکستان کے آئینی ادارے قرآن وحدیث کے ماتحت چلیں گے۔

2- ان باتوں میں اس بات کا اعلان نہیں ہے کہ پاکستان کی عدالت، شرعی قوانین کے ماتحت چلے گی۔

3- قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان میں ایک دن کے لیے بھی شرعی قانون نافذ نہیں ہوا۔

4- قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک مسلمانوں کی طرف سے شرعی قوانین کے نفاذ کے لیے احتجاج جاری ہے، جس سے یہ حقیقت بار بار منظر عام پر آچکی ہے کہ پاکستان کی عدالت اور پاکستان کے قوانین شرعی قوانین نہیں ہیں، وہاں کی عدالتوں میں قرآن وحدیث کی ماتحتی نہیں ہے۔

5- پاکستان کے ابتدائی حکمرانوں نے شرعی قانون کو ملک کا قانون نہیں بنایا، پاکستان کے اکابر میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر تمام اکابر پاکستان میں شرعی قوانین کو ملک میں قانونی حیثیت دینے کے لیے مسلسل احتجاج کرتے رہے، اور حکمرانوں کی طرف سے اس کا قولی اور عملی طور پر انکار بھی مسلسل ہوتا رہا۔

یہ امور اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ بنگلہ دیش اور پاکستان میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، کسی ملک کے دار الحرب ہونے کے لیے جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، وہ سب پاکستان میں موجود ہیں۔

سو دلیل کے اعتبار سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جن وجوہ سے دو سو برس پہلے برّصغیر ہندوستان دار الحرب بنا تھا، انہی وجوہ کی بناء پر یہ ملک آج بھی دار الحرب ہے، چاہے اس کا نام بھارت ہو، یا بنگلہ دیش ہو یا پھر پاکستان۔ اس ملک یعنی برصغیر ہندوستان (یعنی بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان) کے دار الحرب بننے کے بعد دار الاسلام بننے کا کوئی مرحلہ اس پر سے نہیں گزرا۔ کسی بھی دار الحرب کے دار الاسلام میں تبدیل ہونے کے لیے جو باتیں ضروری تھیں، وہ اس خطہ ارض کو نصیب نہ ہوئیں۔

اب ہم ان مراحل کی مختصر کہانی آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جن سے یہ برصغیر گذشتہ دو سو برس میں گزرا ہے؛ لیکن دار الاسلام بننے کا کوئی مرحلہ اس دوران نہیں آیا۔ ہزاروں تبدیلیاں ہوئیں؛ لیکن دار الاسلام ہونے کے لیے جو تبدیلی ضروری تھی، وہ اس خطے کو نصیب نہ ہوئی۔

اگلے صفحات میں اسی کہانی کو ہم مختصراً پیش کرتے ہیں۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

تحریکِ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ..... اقامتِ دین کی تحریکات کے لیے ایک عمدہ مثال

مولانا محمد مثنیٰ حسان حفظہ اللہ

الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت تحریک میں یقیناً اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی تمام تحریکات کے لیے اسباق ہیں، تاہم بالخصوص وہ تحریکات جو مسلح جدوجہد میں بظاہر وقتی ناکامی سے دوچار ہوں تو ان کے لیے اس تحریک کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ اس تحریر میں اختصار سے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مراحل کا ذکر اور ہر مرحلے میں ان کی اختیار کردہ حکمتِ عملی کا بیان ہے اور ساتھ تجزیہ بھی ہے۔ (محمد مثنیٰ حسان)

پوری امت کی سطح پر نہ بھی کہیں تو بالخصوص برصغیر کی سطح پر ماضی قریب کی دینی تحریکات میں سے نمایاں ترین تحریک الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ[1] کی تحریک ہے۔ برصغیر کا ہر دینی مکتبِ فکر یقیناً اس تحریک سے واقف ہے، وگرنہ ان کے ہاتھ سے لگائے ہوئے دار العلوم دیوبند کے شجر کی شاخیں تو چہار دانگِ عالم میں اپنے ثمرات دے رہی ہیں، اور پورا عالمِ اسلام ہی ان کی علمی خدمات سے واقف ہے۔ یہاں ہم بطورِ اقامتِ دین کی تحریک..... آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور آج کے دور میں اقامتِ دین کی ہر تحریک سے وابستہ افراد کے سامنے اس کا مثال پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اقامتِ دین کی تحریک..... کامیابی و ناکامی کے عوامل

دینِ اسلام کا نام لیوا ہر فرد، اللہ کی کتاب قرآنِ مجید کا ہر قاری، پیارے حبیب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے واقف ہر مسلمان..... اگر ہوائے نفسانی اور شبہات سے بالاتر ہو..... تو یہ بات جانتا ہے کہ اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ یہ دین اپنی نہاد میں تو ہر حال میں ہی غالب ہے۔ دلیل و حجت اور حقانیت کے میدان میں سب ادیان اور سب افکار پر غالب ہے۔ البتہ اپنے ماننے والوں سے اس کے سیاسی غلبے کی جدوجہد کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ بدقسمتی کہیے یا شامتِ اعمال..... ہم اس دور میں جی رہے ہیں کہ یہ دین خود ان خطوں میں بھی قائم نہیں جہاں کی اکثریت مسلمان ہے اور جہاں یہ دین تیرہ صدیوں تک غالب تھا۔ اور اسی وجہ سے ہر خطے میں اقامتِ دین کی تحریکات برسرِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی مدد و نصرت فرمائے گا [إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ]، اور دین کو غالب کرے گا [وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمْ]۔ تاہم اقامتِ دین کے سارے عمل کی کامیابی و ناکامی کو بعض دنیوی عوامل سے بھی جوڑ رکھا ہے۔ دین برحق، اس کی دلیل و حجت بھی برحق، اس کی جدوجہد کرنے والا بھی برحق، مگر دنیا میں اس کی جدوجہد کی کامیابی و ناکامی کا مدار..... تقویٰ و للّٰہیت کے بعد..... اس کے فہم، اس کی صلاحیت اور اس کی تدبیر سے وابستہ ہے۔ الٰہی پیمانوں میں اس کی ہر تدبیر کو پرکھا جاتا ہے اور اس کے وہی عواقب منصہ شہود پر آتے ہیں جو اس کی تدبیر کا خاصہ ہوتے ہیں۔ یہی تو [لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا] والی آزمائش ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے کہ جس سے کوئی بھی اقامتِ دین کی تحریک مستغنی ہے اور نہ مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا ہر اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والے فرد کو یقیناً [وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ] کے وعدے پر یقین رکھنا چاہیے، تاہم اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ

1. رب تعالیٰ سے طلبِ توفیق و اعانت کے بعد
2. شرعی و عقلی پیمانوں پر مصالح و مفاسد کا درست تجزیہ کر کے تدبیر کرے،
3. پھر خود احتسابی کے ساتھ اپنی تدابیر کا جائزہ لیتا رہے اور اس کے مطابق تدبیر کی درستی کا عمل جاری رکھے۔
4. اور ہر تدبیر سے قبل توکل اللہ ہی پر کرے۔

یہی وہ عوامل ہیں جو کسی بھی دینی تحریک کو اس کے اہداف میں کامیابی سے ہمکنار کراتے ہیں، اور اللہ کا وعدہ اس کے حق میں سچا ثابت ہوتا ہے۔

آیئے اب ہم الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر بات کرتے ہیں۔

تحریکِ قاسمی کے مبادی

کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کا پہلا قدم اپنے سیاسی حالات [فقہ الواقع] کا جائزہ اور اس کے مطابق شرعی فرائض [فقہ الواجب] کا تعین ہوتا ہے۔ اس کے مطابق آئندہ کی حکمتِ عملی طے ہوتی ہے۔ اس باب میں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مقصد اور منزل اول روز سے واضح تھے۔ ہندوستان میں اب اسلامی حاکمیت نہیں تھی، انگریز کے تسلط کے بعد یہ دار الحرب بن چکا تھا، اور یہاں دوبارہ اسلامی حاکمیت کی بحالی کے لیے جہاد فرض ہو چکا تھا۔ تحریکِ قاسمی میں آخری مرحلے تک ان مبادی میں فرق نہیں آیا، آپ کی زندگی میں بھی یہی رہے اور آپ کے بعد آپ کے شاگردوں کے یہاں بھی یہی رہے۔ حالات کے پیچ و تاب نے مبادی پر گرد نہ

[1] مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے 'الامام الکبیر' کا لقب مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی سوانح کی ترتیب میں استعمال کیا ہے۔ ہمیں یہ لقب بہت برمحل معلوم ہوتا ہے، اسی لیے ہم نے یہاں یہی لقب لکھا ہے۔ گو حجۃ الاسلام اور قاسم العلوم جیسے القاب بھی حضرت مولانا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بزرگانِ دین کو القاب سے پکارنا یہ اہلِ اسلام کی پرانی رسم ہے اور اس کا مبنیٰ محبت اور عقیدت ہوتی ہے یا ان کی خدمتِ اسلام کا صلہ ہوتا ہے۔ ہاں، اس میں غلو سے بچنا لازمی ہے، جس طرح افراط سے بچنا بھی لازمی ہے کہ بزرگانِ دین کی محبت و عقیدت ہی دلوں میں نہ ہو اور ان کی خدمتِ اسلام کے اعتراف سے دل خالی ہوں۔ والعیاذ باللہ من الغلو والتفریط۔

پڑنے دی، اور یہ کسی بھی دینی تحریک کے لیے سب سے بنیادی نکتہ ہے کہ وہ جن مبادی پر اپنی سیاسی تحریک کو کھڑا کر رہی ہے، حالات کی سازگاری وناسازی ان مبادی پر اثر انداز نہ ہو۔ یہ ضروری ہے کہ حالات کو دیکھ کر حکمتِ عملی میں ردوبدل کیا جائے، کیونکہ یہ تو خود عقل و دانش اور تجربے کا تقاضا ہے کہ جہاں کسی تدبیر سے فائدہ نہ ہو، بلکہ نقصان ہو تو وہاں تدبیر بدل لی جائے۔ حتیٰ کہ جنگ کے اندر بھی اگر مجاہد ایک ہی روش پر اڑا رہے تو شکست کا منہ دیکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی کو اقبال مرحوم نے طرزِ کہن پر اڑنے سے تعبیر کیا تھا۔ لیکن مبادی کا معاملہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ذرا سی ناکامی یا حالات کی ناسازی ہوئی، تو اپنے مبادی ہی سے رجوع کر لیا اور جو پہلے باطل تھا، یا اس سے مفاہمت کر لی یا اسی کو حق ٹھہرالیا۔ تحریکِ قاسمی کے تمام مراحل میں..... جیسا کہ آگے بیان ہو گا..... مبادی پر اہلِ عزیمت ڈٹے رہے، اور وہ تھے ہند سے انگریز کی بے دخلی اور اسلامی حاکمیت کے قیام کے لیے جہاد وجدوجہد۔

تحریکِ قاسمی کے مراحل

پہلا مرحلہ: ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے موقع پر مسلح تصادم

کسی بھی تحریک کے لیے مسلح تصادم اسی وقت موزوں ہوتا ہے جبکہ زمینی حالات اس کے لیے سازگار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر کسی بھی تحریک کو آغاز میں جبکہ حالات ہنگامی نہ ہوں تو مسلح تصادم کے مرحلے میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو کسی بھی دینی تحریک کے لیے آخری مرحلہ ہونا چاہیے کہ جب حالات اس کے حق میں سازگار ہو جائیں اور دشمن کی طرف سے بھی اب مزاحمت کی آخری تدبیر شروع ہو جائے تو وہ مسلح تصادم کا بہترین وقت ہوتا ہے، اور اس میں کامیابی کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ہنگامی حالات کی بات نہیں ہو رہی جبکہ دشمن کی طرف سے آپ کو خود جنگ کی طرف دھکیل دیا جائے، ایسے میں جب آپ کے مبادی میں ہی دشمن کے ساتھ مسلح تصادم کی بنیاد موجود ہو تو لامحالہ دفاعی جہاد کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی الامام الکبیر مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا۔ جس وقت وہ اپنی جوانی کے عروج پر تھے اور تعلّمِ علومِ دینیہ سے فارغ ہو چکے تھے، تو سامنے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو پایا۔ حالات ہی ایسے تھے کہ انگریز کے خلاف وسائل اور عدد کی قلت کے باوجود جہاد وقتال کی کوشش شروع تھی، اور خود اس وقت کے کبار علمائے ہند کی رائے میں بھی جہاد اور وہ بھی قتال فرض تھا، جن میں صدر الصدور مفتی صدر الدین خان آزردہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل تھے۔ الامام الکبیر کی حیثیت اگرچہ اس وقت طالبِ علم کی سی تھی کہ آپ کی عمر کی تیسری دہائی تھی، مگر آپ بھی بالجزم اس فرضِ جہاد کے قائل تھے۔

1. جب شرعی دلیل کا بھی یہی تقاضا تھا،
2. اور دشمن کی طرف سے بھی جنگ مسلط تھی، اور
3. مسلمانوں میں بھی جوش وولولہ بھرپور تھا۔

یہ اسباب کافی تھے کہ مسلح تصادم اور جنگ کی طرف بڑھا جاتا، اور یہی ہوا۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، اور انگریز کے خلاف جنگ شروع کر دی گئی جس میں شاملی کا معرکہ بہت مشہور ہے۔ تاہم مجاہدین کا یہ واحد طلیعہ نہیں تھا جس کی ہر تدبیر پر جنگ منحصر تھی، بلکہ مسلمانوں میں کوئی وحدت ہی نہ تھی اور مختلف گروہ اور طلائع بے ہنگم جنگ کر رہے تھے۔ ایسی کسی بھی جنگ میں اللہ کی سننِ کونیہ کے مطابق یہی فیصلہ ہونا تھا کہ مسلمان بشمول طلیعہ الامام الکبیر شکست سے دوچار ہوئے۔ انگریز غالب آگئے، مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر سزائیں دی گئیں۔ اور ہمارے مذکورہ طلیعہ میں سے امیر طائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ، الامام الکبیر مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الارشاد حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ انگریز حکومت کی نظر میں آگئے اور ان کے وارنٹِ گرفتاری جاری کر دیے گئے۔

اس مرحلے سے حضرات علماء اور بالخصوص الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ معلوم ہو چلا کہ جو ہدف رکھا گیا ہے، اس میں جنگ کوئی وقتی نہیں ہے کہ جسے چند دنوں میں پار کرنا ناگزیر ہے، بلکہ مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے ابھی بہت 'وقت' اور بہت 'تیاری' درکار ہے۔ دشمن سے بچ کر 'وقت' حاصل بھی کرنا ہے، اور دشمن کے خلاف 'تیاری' بھی کرنی ہے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

> "یہ ہنگامہ اگر اس وقت کی زمین ہند پر ختم ہو گیا تھا تو ان بزرگوں کے دل ودماغ سے ختم نہ ہوا تھا جو برابر مستعد رہے اور آگے بڑھتے چلے گئے"۔[1]

دوسرا مرحلہ: دربدری وروپوشی

جنگ کا مرحلہ ختم ہوا اور انگریز غالب آگیا اور اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ تاجِ برطانیہ اب پورے ہندوستان پر قابض ہو چکا تھا۔ ایسے میں ظاہر ہے کہ یہی عقل کا تقاضا تھا کہ جنگ کے تمام 'مجرمین' کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، اور حکومت کی طرف سے اسی کی کوشش شروع ہو گئی۔ کتنوں کو ہی گرفتار کیا گیا اور مختلف جزیروں میں جا قید کیا گیا، جیسا کہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا، کتنوں کو ہی پھانسیاں دی گئیں اور کتنوں کی تلاش شروع ہو گئی۔ امیر طائفہ حضرت حاجی صاحب، الامام الکبیر اور رفیقِ خاص قطب الارشاد رحمۃ اللہ علیہم کے بھی وارنٹِ گرفتاری جاری کر دیے گئے، اور انھیں پکڑنے کے لیے حکومت کے عسکری ادارے فعال ہو گئے۔

[1] سوانح قاسمی؛ ج ۲، ص ۹۴

ایسے وقت میں کسی بھی دینی تحریک سے وابستہ فرد کے سامنے دو ہی آپشن ہوتے ہیں؛

1) یا وہ دشمن کے سامنے ہتھیار رکھ کر تسلیم ہو جائے،

2) یا پھر وہ روپوش ہو جائے، خود کو دشمن سے آخری حد تک چھپائے اور بہتر وقت کا انتظار کرے۔

پہلا آپشن رخصت کا آپشن ہے، اور اس کی گنجائش بھی ہے، جیسا کہ دورِ نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سریے میں تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ تھا۔ تاہم تسلیم ہونے میں اس بات کا قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ غالب باطل قوت تسلیم ہونے والے فرد کو دھوکہ دہی سے قتل کر دے، جیسا کہ سریہ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تینوں اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوا، اور یا پھر اسے حق سے رجوع کرنے پر مجبور کر دے۔ مسئلہ پہلی صورت کا اتنا نہیں کہ اس میں تو اخروی کامیابی ہے، گو دنیوی اعتبار سے ناکامی ہے۔ تاہم دوسری صورت انتہائی خطرناک ہے کہ ایسے میں اپنے ایمان و مبادی کا سودا ہے، جو دنیوی و اخروی دونوں ہی ناکامیوں کا باعث ہے۔ تحریکوں کی زندگی میں سیادت پر فائز افراد اگر دوسری صورت کا شکار ہو جائیں تو یہ نہ صرف ان کے حق میں خسران الدنیا والآخرۃ ہوتا ہے، بلکہ ان کے پیروکار بھی ان کے ساتھ ہی پستی کی طرف رواں ہو جاتے ہیں، جبکہ باہر سے دیکھنے والے بھی آئندہ تن آسانی اور عافیت پسندی کو ہی اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔

دوسرا آپشن کہ باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہونا، بلکہ اس سے روپوش ہو جانا اور اپنے مبادی پر من و عن کھڑا رہنا۔ یہ اہلِ عزیمت کا راستہ ہے۔ یہی راستہ چودہ قرن میں اہلِ عزیمت اپناتے رہے۔ اس راستے میں اس بات کا امکان تو موجود ہے کہ وقت کا انتظار کرنے سے دوبارہ کبھی مناسب موقع ہاتھ آجائے گا کہ جس میں تیاری بھی کر لی جائے اور دوبارہ سے تحریک کو منظم کر لیا جائے۔

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء نے یہی دوسرا آپشن اپنایا اور دشمن کے سامنے تسلیم نہ ہوئے، بلکہ روپوش ہو گئے۔ تلاش جاری رہی، حضرت قطب الارشاد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ [1] تو دھر لیے گئے اور چھ ماہ قید رہے، مگر باذن اللہ امیر طائفہ نور اللہ مرقدہ اور الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ دشمن کے ہاتھ نہ آئے۔ روایات میں تو آتا ہے کہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل روپوشی بھی محض تین دن رہی کہ انھوں نے فرمایا کہ روپوشی کی سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام غارِ ثور میں تین دن کی ہے۔ [2] تین دن بعد وہ چھپ بیٹھنے کو ترک کر کے باہر آ گئے، تاہم اب بھی دشمنوں کی نظر سے بچتے رہے۔ ہم اسے بھی 'روپوشی' سے ہی تعبیر کرتے ہیں اور یہ صورتِ حال ۵۷ء سے ۶۱ء تک پانچ سال رہی جیسا کہ مولانا مناظر احسن صاحب نے بیان کیا ہے۔ امیر طائفہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کی تلاش میں بہت چھاپے مارے گئے، مگر آپ مشیتِ ایزدی سے محفوظ رہے اور بالآخر ہندوستان سے ہجرت کر کے بلادِ حرمین منتقل ہو گئے۔ یوں ایک کمان [انگریزی کی کمانڈ] بلادِ حرمین میں جا بیٹھی اور میدانی کمان یہیں ہندوستان میں موجود رہی، گو حکومت سے نظر بچا کر رہی۔ اس کے بعد اس تحریک کی عملی کمان الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہی رہی، حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کا کردار سرپرستی کا رہا۔

یہ بھی ایک اچھی حکمتِ عملی ہوئی کہ ہائی کمان تو ہجرت کر کے محفوظ ہو گئی اور لوئر کمان میدانِ عمل میں ہی موجود رہی۔ [3]

اس مرحلے میں بھی دو اہم باتوں کی طرف الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت سے ہمیں توجہ ملتی ہے۔ اول یہ کہ اس روپوشی کے مرحلے میں کامل روپوشی تو محض تین دن رہی، باقی سارے وقت میں اگرچہ دشمن سے نظریں بچائی گئیں، مگر مشاورت اور روابط کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ جب تک امیر طائفہ حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ یہاں رہے، تو یہاں بھی خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا [4]، اور جب آپ حجاز ہجرت کر گئے، تو الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے پاس حجاز گئے اور یقیناً آئندہ کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مشاورت ہوئی ہو گی [5]۔ یعنی اگر کسی اقامتِ

---

[1] یہاں اس مرحلے کے واقعات سے متعلق ایک حوالہ ذکر کر دینا فائدے سے خالی معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت قطب الارشاد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تو گرفتار ہو گئے، جبکہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ محفوظ رہے۔ حالانکہ ان کا باہم تعلق رفاقت کے ساتھ ساتھ قائد و مقتدی کا بھی تھا۔ اس حفاظت کے انتظام کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی میں خاصی بحث کی ہے، اور آخر میں نتیجہ خود حضرت قطب الارشاد رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت قطب الارشاد رحمۃ اللہ علیہ نے قید سے رہائی کے بعد فرمایا کہ 'جہادِ شاملی کے مسئلہ میں مجھے ابتداءً کچھ تامل تھا۔ شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے چھ ماہ جیل میں رہنا پڑا۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کسی وقت بھی کوئی تامل نہیں ہوا تو وہ اس ابتلاء سے نہیں گزارے گئے'۔ [سوانح قاسمی؛ ج ۲، ص ۲۰۶] سبحان اللہ! ایک طرف تو حضرت قطب الارشاد رحمۃ اللہ علیہ کی حق پرستی دیکھیے تو دوسری طرف ہمیں یہاں اس واقعے سے صرف یہ واضح کرنا تھا کہ جہاد و قتال کے حوالے سے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ پہلے بھی واضح تھے اور بعد میں بھی۔ یہی روح تھی جو آپ کے شاگردِ رشید حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں منتقل ہوئی۔

[2] علمائے ہند کا شاندار ماضی؛ حصہ چہارم، ص ۸۴۷

[3] مولانا محمد میاں صاحب 'علمائے ہند کا شاندار ماضی' میں لکھتے ہیں: "ظاہری نظر میں یہ جماعت منتشر ہو گئی، اس کے کچھ افراد ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور کچھ نے ہندوستان ہی میں رہ کر زندگی گزاری، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ انتشار بھی ایک خاص نظم کے ماتحت خاص نصب العین کے مطابق تھا"۔ [حصہ چہارم، ص ۸۴۲]

[4] مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں: "اس کے علاوہ آپ کے لیے دلچسپ مشغلہ ایک اور تھا، یعنی اپنے شیخ طریقت اور امیر جہاد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری، ان کے حالات کی خبر گیری، مستقبل کے متعلق ان سے ہدایات حاصل کرنا، مشورہ سے راہِ عمل طے کرنا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دن کو چھپتے چھپاتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے گنگوہ، انبیٹھہ، بوڑیہ گمتھلہ، تنگری، لاوڈہ، پنجلاسہ وغیرہ ضلع سہارنپور اور ضلع انبالہ کے مواضعات میں تشریف لے گئے جہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہنچتے رہے تھے"۔ [علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ چہارم، ص ۸۴۷]

[5] مولانا محمد میاں صاحب اس مقام پر لکھتے ہیں: "اب ضرورت تھی کہ جن کو اس مرکز کے تحت ہندوستان میں مرکزی کردار انجام دینا ہے، پھر ایک مرتبہ مل کر بیٹھیں، اور اب تازہ حالات میں مستقبل کا تفصیلی لائحہ عمل طے کریں"۔ [حوالہ بالا، ص ۸۴۸]

دین کی تحریک سے وابستہ افراد ایسی صورت سے دوچار ہوں تو بھی خفیہ طور پر روابط کی بحالی پر توجہ رکھیں اور مشاورت کی کوششیں جاری رکھیں۔ اگر ہر کوئی فرد بند ہو کر بیٹھ جائے گا تو اکیلا ہی سوچے گا اور اکیلا ہی اقدام کرے گا، جو کسی بھی اجتماعیت کے لیے سود مند نہیں ہو سکتا۔

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ خفیہ سرگرمیوں سے کوئی بھی اقامتِ دین کی تحریک مستغنی نہیں ہو سکتی، کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کے لیے یہ وقتی مرحلہ ہونا چاہیے۔ وہ زمین پر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ معاشرے میں اپنے وجود کو ظاہر نہ کر دے اور اس کی قیادت معاشرے کی زندہ قیادت نہ بن جائے۔ پس پردہ کام کرنے والی تنظیموں (سیکرٹ آرگنائزیشنز) کا منتہیٰ محدود اور وقتی اہداف ہی ہو سکتے ہیں، غلبہ دین اور اقامتِ دین کا ہدف وہ صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتی ہیں جب وہ خفیہ کے مرحلے سے نکل کر معاشرے میں اپنے وجود کو ظاہر کرنے کی منصوبہ بندی کریں، جیسا کہ الامام الکبیر کی تحریک کے اگلے مرحلے میں معلوم ہو گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہی وہ تنہائی اور یکسوئی کا مرحلہ تھا، جب انھیں سماجی سرگرمیوں میں محدودیت اور عمل میں تیزی کا سامنا نہیں تھا، کہ روپوشی تو ہوتی ہی ایسی ہے۔ اس یکسوئی کے مرحلے میں آپ نے دو سال سے کچھ کم میں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ اس سے قبل کی زندگی میں یہ موقع نہ مل سکا تھا تو یہاں موقع سے فائدہ اٹھایا، اور اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے، بحمد اللہ۔ پھر اس عرصہ میں جن احباب نے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو وہ بتاتے تھے کہ کثرت سے قرآنِ مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ سفر حجاز میں ایک ایک قرآن ایک رات میں ختم کرنے کا معمول تھا۔ اقامتِ دین کی تحریک کی بنیاد قرآنِ مجید سے لگاؤ اور اس سے تعلق پر ہی کھڑی ہو سکتی ہے، اور قیادت کے لیے تو اس سے چارہ ہی نہیں کہ قرآنِ مجید اس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔ اقامتِ دین کی تحریک کا کوئی قائد، داعی یا کارکن ..... جب حالات کی ناسازی کے سبب..... عملی جدوجہد سے گریزاں ہو تو یہی وہ بہترین موقع ہوتا ہے کہ وہ قرآنِ مجید کے ساتھ اپنے تعلق کو دوچند کر لے۔ جہاں بھی قرآنِ مجید کے ساتھ تعلق میں میں کمی ہوتی ہے، وہیں روحانی ومادی خسائر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ تحریکِ قاسمی کے دوسرے قائد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی کی جدوجہد کا جو نچوڑ ہمیں بتایا تھا تو اس میں مسلمانوں کی ناکامی کے دو بنیادی اسباب گنوائے، جس میں سے پہلا سبب اسی قرآنِ مجید سے دوری کو بتلایا۔ اسی احساس کے ساتھ آپ نے پیرانہ سالی میں مالٹا کے قید خانے میں بیٹھ کر قرآنِ مجید کا ترجمہ لکھا اور اس کے حواشی لکھنے کی ابتداء کی تھی۔

تیسرا مرحلہ: معاشرتی جدوجہد اور تیاری کا مرحلہ

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا سب سے اہم مرحلہ یہی ہے، اور یہ انتہائی قابلِ توجہ ہے۔ مشیتِ ایزدی سے مناسب موقع آپ کے ہاتھ آگیا کہ جب حکومتِ برطانیہ نے بغاوت کچل دی اور اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کے اصل 'مجرمین' یا کیفرِ کردار تک پہنچ گئے ہیں یا پھر ترکِ وطن کر چکے ہیں، تو اس نے عام معافی کا اعلان کر دیا، اور یوں جن کے وارنٹِ گرفتاری جاری ہوئے تھے، وہ واپس لے لیے گئے۔ گو بعض مجرمین پھر بھی مستثنیٰ تھے کہ جن کی گرفتاری کا حکم پھر بھی موجود تھا، اور انھی میں امیر طائفہ نور اللہ مرقدہ اور الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، مگر مرورِ زمن سے دشمن کی نظر میں کمی آگئی اور پانچ سال بعد سفر حجاز سے واپسی کے بعد اتنی تعقیب بھی نہ رہی کہ آپ اپنے گھر بھی تشریف لے گئے۔

اب الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے میدانِ عمل کھلا تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ جو ہدف لے کر چلے تھے، وہ ہدف تو غالب قوتِ انگریز سے تصادم اور اس سے قوم کو نجات دلا کر دوبارہ برصغیر میں اسلامی حاکمیت کی بحالی اور اسے دار الاسلام بنانا تھا[1]، وہ فوری حاصل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ ایک بار تحریک مکمل طور پر کچلی جا چکی تھی۔ اب انگریز سے لڑوانے کے لیے نہ فوج تھی، نہ وسائل تھے، نہ عوامی حمایت تھی اور نہ حالات۔ بلکہ ان چاروں عناصر کو اب اول سر سے فراہم کرنا تھا۔ اس کے لیے آپ نے کیا اقدامات اٹھائے۔ تو آپ کی سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس عرصے میں درج ذیل امور انجام دیے:

1. دینی مدارس کا قیام
2. فکری میدان میں باطل افکار اور قوتوں کا مقابلہ اور ان کی سرکوبی
3. مرکزِ خلافت کی تائید اور جہادِ خلافت کی زبانی اور مالی امداد کی کوشش
4. عملاً بیرونِ ہند جہاد وقتال میں شرکت کی کوشش
5. شرعی قضاء کا اجراء

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی سابقہ تحریک کے تجربے سے اس قدر تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ جس عالی مقصد کے لیے برسرِ عمل ہیں، اس کے لیے ماہ وسال کی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ بلکہ اس کے

[1] بعض حضرات شاید ہماری اس بات سے اتفاق نہ کریں، اور یہ سمجھتے ہوں کہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مسلح جدوجہد کی ناکامی کے بعد بس یہی ایک مشن تھا کہ اب اس مقبوضہ ہندوستان میں حکومتِ وقت سے تصادم کی فکر چھوڑ کر بس عام مسلمانوں کے ایمان ودین کو بچانے کی فکر کی جائے، اور اپنی محنت کا ہدف بس یہی رکھ لیا جائے کہ اس سے زیادہ بساط نہیں۔ عام طور پر یہی بیان کیا جاتا ہے۔ تاہم ہم آگے کے واقعات کے ذیل میں حاشیوں میں اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے معتد بہ دلائل ذکر کریں گے، تاکہ صورتِ واقعہ واضح ہو سکے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اپنی محدود زندگی کے باقی ایام میں ان کے سامنے یہ ہدف نہ ہو کہ وہ خود دوبارہ ہند میں مسلح جدوجہد کر کے تحریک برپا کریں۔ ہمیں اس کا دعوی نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہدفِ اصلی واضح تھا، اور وہ اپنی استطاعت بھر کوشش اسی کی طرف لے جانے کی کر رہے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کی زمام سنبھال لی اور تحریک کو عملی شکل دینے کی کوشش کی۔ ہم شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ساری تحریک کو تحریکِ قاسمی ہی کا ایک مرحلہ باور کرتے ہیں، جیسا کہ خود شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔

حصول کے لیے تیاری چاہیے اور تیاری کے لیے وقت اور زمانہ درکار ہے۔ لہٰذا آپ نے پہلا قدم یہ اختیار کیا کہ دشمن کے خلاف طریقِ جنگ کو بدلا جائے۔ دشمن جس عمل کو مزاحمت کا نام دے کر فوری کچل سکتا ہے، اس عمل کی بجائے ایسے اعمال کیے جائیں جو دشمن کی نظر میں براہِ راست مزاحمت کے ذیل میں نہ آتے ہوں، لیکن مقصد ان سے مزاحمت کی استعداد پیدا کرنا ہو۔

دینی مدارس کا قیام

اس کے ذیل میں سب سے پہلا کام الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا کہ مدارس کے قیام کی کوشش شروع کی۔ دیوبند، میرٹھ، مراد آباد وغیرہ میں آپ نے مدارس کی بنا رکھی۔ ان سب میں سب سے زیادہ مقبول دیوبند کا مدرسہ ہوا، جس کی سرپرستی کے لیے بعد ازاں خود الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ دیوبند منتقل ہوگئے۔ اس مدرسے کو منجانب اللہ ایسی مقبولیت ملی کہ آج دنیائے اسلام کی سطح پر اہل السنۃ والجماعۃ کے دائرے میں برصغیر کا سب سے بڑا مکتبہ فکر بن گیا، جبکہ اس سے باہر کی مسلم دنیا میں بھی اپنی بڑی تعداد رکھتا ہے۔ دار العلوم دیوبند نے جو تعلیمی و علمی خدمات انجام دیں، اس کا ذکر ہماری اس تحریر کا مقصود نہیں ہے۔ یہاں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قدم کی بابت دو باتیں کرکے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں:

اول: اقامتِ دین کی کوئی بھی تحریک جس کا مقصود و منشور دینِ اسلام کو دنیا میں قائم و رائج کرنا ہو، وہ ایسی نہیں ہو سکتی کہ علومِ دینیہ سے اس کا تعلق بنیاد اور اصول کا سا نہ ہو۔ دین کا تو مفہوم ہی اس وقت سمجھ میں آتا ہے کہ جب دین و شرع کا علم حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ علم روایتی طریق پر ہی حاصل ہو سکتا ہے، ہر کس و ناکس کو اپنی عقل اور دانش سے حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا میں اقامتِ دین کی وہ تحریکیں جن کا تعلق علمِ دینیہ کے ساتھ روایتی نہیں ہے، وہ اگرچہ اخلاص سے دین کی خدمت اور قائم کرنے کی محنت کرنا چاہیں بھی تو اس کمی کی وجہ سے اقامتِ دین کی خدمت کماحقہ نہیں کر پاتیں۔ کیونکہ روایتی علم سے محرومی کے سبب ان کے یہاں وہ پیمان اور معیار ہی نہیں بن پاتا کہ جس کی بنیاد پر مواقف اور آراء کے صواب اور درستی کا فیصلہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی تحریکات کی ابتداء تو اقامتِ دین کے نعرے پر ہوتی ہے، مگر رفتہ رفتہ یہ سیاست کی بھول بھلیوں میں اپنی منزل سے دور نکل جاتی ہیں۔ اقامتِ دین کی کوئی بھی تحریک اس وقت ہی درست نہج پر چل سکتی ہے جب اس کی قیادت..... حقیقی یا حکمی[1] ..... علمائے حق کے ہاتھ میں ہو۔ تحریکِ قاسمی تو اس لحاظ سے ایسی خوش قسمت تحریک تھی کہ اس کے اولین و آخرین سبھی علمائے حق تھے اور اس کا تو اوڑھنا بچھونا ہی علم و تعلم تھا۔ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ خود بھی چوٹی کے عالم تھے، آپ کے اساتذہ بھی چوٹی کے علماء تھے اور آپ کے رفقاء و تلامذہ بھی چوٹی کے علماء تھے۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست، تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

ہاں! یہ ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی کسی بھی تحریک کے علماء بھی حق گو اور راست باز ہوں، شریعت کے نہ صرف رموز شناس ہوں، بلکہ عمل کی معراج ہوں، نفسانی خواہشات اور ذاتی حظوظ سے بالاتر ہوں۔ اگر معاملہ اس کے برخلاف ہو تو محض عالم کا لفظ کسی تحریک میں خیر کو پھیلانے اور شر کو روکنے کا باعث نہیں ہوتا، نہ اس تحریک کی کامیابی کا ضامن ہوتا ہے، الٹا غلط روی کا باعث ضرور بن سکتا ہے۔

دوم: تحریکِ قاسمی کے ذیل میں مدارس کا قیام ایک اعلیٰ مقصد کے تحت تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی دینی مدرسے کے قیام کا بنیادی مقصد نشر و احیائے علمِ دین ہوتا ہے۔ تاہم یہاں اس سے ماوراء ایک بڑا مقصد تھا اور وہ مقصد تھا کہ اقامتِ دین کی تحریک کے لیے افراد پیدا کیے جائیں، اور اقامتِ دین کی تحریک کے لیے مراکز قائم کیے جائیں[2]۔ بلاشبہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی اسکیم انتہائی کامیاب اور انتہائی موثر اسکیم تھی۔ یہی وہ بنیادی حکمتِ عملی تھی جس نے بعد میں تحریکِ شیخ الہند کی صورت دھاری۔ اسی مدرسے کے قیام سے ایک طرف

---

[1] حکمی سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ خود قائد عالم نہ بھی ہو تو وہ علمائے دین کی آراء اور مشوروں سے اقدام کرنے کا خود کو پابند سمجھے۔

[2] اس کے ثبوت کی سب سے پہلی دلیل تو خود دار العلوم دیوبند کے اصولِ ہشتگانہ ہیں جنھیں خود الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اور آپ کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی بابرکت تحریر آج بھی دار العلوم میں موجود ہے۔ اس میں ایک اصول خود الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے درج کیا ہے:

"اس کا (یعنی دار العلوم) کا تعلق عام مسلمانوں سے زائد سے زائد ہو، تاکہ یہ تعلق خود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کرے، جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل میں قائم رکھنے میں معین ہو"۔ [سوانح قاسمی، ج ۲، ص ۲۲۱]

درج بالا اصول کو گہرائی سے دیکھیں اور خط کشیدہ لفظوں پر غور کریں۔ پھر الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی اس باب میں سب سے معتبر ہے۔ اور آپ کی گواہی خود مولانا مناظر احسن گیلانی نے ذکر کی ہے اور وہ خود اس گواہی کے واحد اور براہِ راست سامع ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے:

"حضرت الاستاذ (حضرت نانوتوی) نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم و تعلم کے لیے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، ۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیرِ اثر لوگوں کو تیار کیا جائے، تاکہ ۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔ تعلیم و تعلم، درس و تدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے، میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں۔ لیکن اپنے لیے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے جس کے لیے دار العلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا"۔ [سوانح قاسمی؛ ج ۲، ص ۲۲۶]

یہ بات بعد میں اتنی عام تھی کہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یادِ رفتگاں میں دار العلوم کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا:

"اس حلقہ کی ایک جماعت پر مدرسہ کے مصالح مقدم تھے اور ایک جماعت پر اسلام کے مصالح۔ مولانا محمود حسن صاحب دل سے دوسری جماعت میں شریک تھے، میں نے سنا کہ انھوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے تو مدرسہ اپنے اصلی مقصد (جہاد) پر پردہ ڈالنے کے لیے بنایا تھا"۔ [یادِ رفتگاں؛ ص ۳۸۷] واضح رہے کہ یہاں بین القوسین لفظِ جہاد بھی خود حضرت علامہ ندوی کا تحریر کردہ ہے۔ اس سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسے کے قیام کے پیچھے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پیشِ نظر برصغیر پر قابض انگریز کے خلاف جہاد اور اس کے ذریعے برصغیر میں اقامتِ دین تھا۔

مسلمانوں کو اپنی اجتماعی جدوجہد کی نظم بندی کے لیے ایک مرکز ہاتھ آیا تو دوسری طرف یہیں سے رجالِ کار پیدا ہوئے جنھوں نے آئندہ چل کر تحریک کو آگے بڑھایا۔ اور اسی مدرسے کے سب سے پہلے طالبِ علم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کی۔

یہ اسکیم آج بھی ہر اقامتِ دین کی تحریک کے لیے ایک اہم اسکیم ہے۔ اقامتِ دین کے نعرے کو معاشرے کے اندر مراکز فراہم کرنے اور اس نعرے سے چمٹنے والے رجالِ کار پیدا کرنے کے لیے دینی مدارس کا احیاء ایک اہم حکمتِ عملی ہے۔ بالخصوص ایسی تحریک جو مسلح تصادم کے بعد مغلوب ہو چکی ہو اور معاشرے میں مسلح جدوجہد کے حوالے سے کام کے مواقع دستیاب نہ ہوں، تو آئندہ کام کے مواقع پیدا کرنے کے لیے اور دشمنوں کی نظر سے محفوظ رہنے کے لیے اس اسکیم کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ ہم اسے محض مدرسہ کے قیام تک محدود نہیں دیکھتے، بلکہ کسی بھی وقتی شکست سے دوچار تحریک کے لیے اپنے آپ کو از سرِ نو منظم کرنے کے لیے دین کے عمومی مراکز کا قیام ناگزیر ہوتا ہے، جن میں مدارس کے ساتھ ساتھ مساجد، خانقاہیں اور رفاہِ عامہ کے ادارے سبھی شامل ہیں۔

فکری میدان میں باطل افکار کا تعاقب

اقامتِ دین کی تحریک کی سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ وہ دین کی فکر کو اپنی جامع شکل میں پیش کرے، جس میں افراط و تفریط نہ ہو۔ وہ دین کے تمام شعبوں اور تمام کاموں کی بابت ویسی ہی مبنی بر توازن فکر رکھتی ہو، جیسا کہ حقیقت میں دین ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دین کے مقابلے میں باطل افکار کی بیخ کنی بھی کرتی ہو، اور ایسے افکار کا بطلان لوگوں کے سامنے ثابت کرتی ہو۔ مقصد ان دونوں سے مسلمانوں کے درمیان احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہے۔ جب تک حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا لوگوں کے سامنے واضح نہ ہو تو لوگ کیسے حق کی اتباع اور باطل سے منافرت پر آمادہ ہوں، اور خود حق کے حق میں رائے عامہ ہموار ہو؟ ہر غالب دشمنِ اسلام کے یہاں مسلمانوں کو سیاسی سطح پر مغلوب رکھنے کے لیے ایک موثر ہتھیار باطل افکار کی ترویج اور تشہیر ہوتا ہے، اور وہ اسی کے استعمال سے حق کو لوگوں کی نگاہ میں مشکوک ومشتبہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سارا کام کسی ہنگامے اور قتال کے وقت میں نہیں ہو سکتا، اس کے لیے سکون اور اطمینان کا ماحول درکار ہے۔ پھر اسی کام کے نتیجے میں تحریکوں سے وابستہ افراد معاشرے میں معروف ہوتے ہیں، ان کی شناخت پیدا ہوتی ہے، اور ان افراد کے سوشل دائرے میں تیزی سے وسعت پیدا ہوتی ہے۔ دوسری طرف اگر اس ساری محنت کو پابندِ تحریر بھی کیا جا رہا ہو تو یہ خود تحریک کے لیے لٹریچر کی فراہمی کا کام بھی دیتی ہے، اور اس لٹریچر کی تیاری سے تحریک کی فکر کی توزیع دوچند ہو جاتی ہے۔[1]

۱۸۵۷ء کی ناکامی اور برصغیر پر برطانیہ کے مکمل قبضے کے بعد اب دین دشمن قوتوں نے فکری میدان میں ابھرنا شروع کر دیا، اور مسلمانوں میں شبہات اور فکری کجی پیدا کرنے کا کام شروع کیا۔ عیسائی برطانوی حکومت کے تحت عیسائیت پھیلانے کی کوششیں بھی شروع ہو گئیں، عیسائی پادریوں کو کھلی چھٹی مل چکی تھی کہ وہ بازاروں اور میلوں ٹھیلوں میں دوسروں کے عقائد پر نکتہ چینی کریں۔ ساتھ ساتھ ہندو پنڈتوں کی بھی پذیرائی ہو رہی تھی کہ ہندومت تو ہر 'ازم' کے ساتھ مصالحت کی صورت پیدا کر لیتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اسلام کے خلاف بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے اور اسلام پر چوٹیں کر رہے تھے، جیسا کہ پنڈت دیانند سرسوتی کی 'ستیارتھ پرکاش' کی نشر و توزیع کا واقعہ تھا۔ ایسے وقت میں ناگزیر ہو گیا تھا کہ اسلامی عقائد کی حقانیت دوسروں سے پہلے خود مسلمانوں میں واضح کی جائے، اور دوسری طرف باطل افکار کو دلائل کے میدان میں شکست دی جائے۔ یہی وہ خدمت تھی جس کی انجام دہی کے لیے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے وقت نکالا، آگے بڑھے اور دینِ اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا، اور یہی افکار پابندِ تحریر بھی ہوئے۔ یہ باطل قوتوں کے باطل افکار کے ساتھ مخالفانہ، مخاصمانہ اور مناظرانہ طریقِ اقدام تھا۔

دوسری طرف جب مسلمانوں کے مابین بعض فروعی مسائل پر اختلاف کو ایک طبقے کی طرف سے ہوا دی گئی تو اس میں بھی الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف دلائل کے ساتھ یہ بیان کیا کہ ان مسائل کا شریعت میں اصلی محل کیا ہے اور دوسری طرف اپنے کردار سے یہ بھی بتلایا کہ ان مسائل میں مسلمانوں کے لیے باہم نزاع کی گنجائش نہیں۔ اس باب میں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کا طریق مصالحانہ تھا۔[2]

---

[1] مولانا مناظر احسن صاحب نے بھی الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کاوشوں کا یہ فائدہ لکھا ہے: "[دیگر اہلِ مذاہب سے مکالمہ کے] میلے [یعنی میلہ خدا شناسی] کے بہانے سے 'قاسمی معارف' کا ایک قیمتی حصہ اور صدیوں کام آنے والا سرمایہ جو تیار ہو گیا تھا، اس نے تو تحریر کا قالب اختیار کر لیا۔ حضرت شیخ الہند نے اسی سلسلہ میں یہ خبر بھی دی ہے کہ 'مولانا مولوی فخر الحسن رحمہ اللہ نے اس کے (یعنی قلم بند شدہ تحریر کے) مضامین کے لحاظ سے اس کا نام 'حجۃ الاسلام' تجویز فرما کر اول بار شائع فرمایا تھا'۔" [سوانح قاسمی؛ ج ۲، ص ۴۸۳] عبارت میں بین القوسین [] اضافہ راقم کی طرف سے ہے۔

[2] مولانا مناظر احسن صاحب لکھتے ہیں: "الغرض نئے نئے عنوانات سے معمولی معمولی جزئی باتوں کا مسلمانوں میں چرچا کر کے افتراق و شقاق پیدا کرنے کی عام مولویانہ عادت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا الامام الکبیر فطرۃً کارہ تھے، اور اس کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اسی طرح فرعیات میں ایسے اختلافی مسائل جن میں سلفاً عن خلف نقاطِ نظر کا اختلاف علماء میں رہا ہے، ان کے متعلق آپ کا خیال تھا، اور کتنا پاکیزہ خیال تھا، اس قسم کے ایک مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے کہ "طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں"۔ اور اپنے اسی خیال کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہوئے کہ "اگر ایک طرف ہو رہیے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو برا سمجھنا پڑے گا"۔ آگے ارقام فرماتے ہیں: "اس لیے اہلِ اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں"۔" [سوانح قاسمی، ج ۲، ص ۳۹]

یہ دونوں ہی باتیں کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کے سامنے رہنی چاہییں۔ باطل اور خطا کا فرق واضح رہنا بھی چاہیے اور واضح رکھنا بھی چاہیے، کیونکہ اسی فکر کی بنیاد پر افراد میں معاشرتی رویے فروغ پاتے ہیں۔ افراد اسی فکر کی بنیاد پر سمجھتے ہیں کہ کون دشمن ہے اور کون دوست ہے مگر خطاکار۔

مرکزِ خلافت کی تائید اور جہادِ خلافت کی زبانی اور مالی امداد کی کوشش

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے اسی مرحلے میں جب ۱۸۷۴ء میں روس نے خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں بالقانی ریاستوں پر حملہ کیا، تو روس اور خلافتِ عثمانیہ کی افواج کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ روس تو ایک زمانے سے یہ خواہش رکھتا کہ مشرقی یورپ کی ان ریاستوں کو خلافت سے چھین کر اپنے زیرِ نگیں کرلے۔ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء اس صورت سے شدید متاثر ہوئے۔ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی دینی غیرت نے یہ گوارانہ کیا کہ یورپ کا مسلمان بھی اگر ظلم کا شکار ہو تو وہ اس کی مدد کی کوشش نہ کریں۔ پھر مسئلہ تو مرکزِ خلافت کے دفاع اور حرمینِ شریفین کے دفاع کا تھا کہ مرکزِ خلافت ہی حرمین شریفین کا محافظ تھا۔

یہاں ایک قدم ٹھہر کر سوچیے کہ کیا کسی بھی خطے میں جاری اقامتِ دین کی تحریک ایسی ہوسکتی ہے کہ اس کی فکر و نظر اور عمل بس اپنے خطے کے اندر بند ہو جائے؟ جب اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے تو یہ دین تو سبھی مسلمانوں کا ساجھا ہے اور جہاں بھی اسلام مغلوب ہو تو وہاں اس کے غلبے کی کوشش تمام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے۔ پھر بالخصوص جب مرکزِ خلافت کا مسئلہ ہو یا مسلمانوں کے مقدسات کے دفاع کا معاملہ ہو، تو مسلمانوں پر یہ فرض مزید تاکیدی ہو جاتا ہے، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں۔

یہ معاملہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بالکل واضح تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے فوراً مرکزِ خلافت کی تائید اور حرمین شریفین کے دفاع کے لیے امدادی مہم شروع کر دی۔[1] اگرچہ آپ طبعاً انکساری و تواضع کے سبب خود فتویٰ نہیں لکھا کرتے تھے، مگر اس باب میں فتویٰ بھی تحریر کیا اور خلافتِ عثمانیہ کی جان و مال سے مدد و نصرت کی فرضیت بیان کی۔ چنانچہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے

1. مسلمانوں کے مرکز خلافتِ عثمانیہ کے دفاع کی فرضیت برصغیر کے مسلمانوں پر واضح کی،
2. مسلمانوں کے مقدسات کے دفاع کی فرضیت مسلمانوں کو بتلائی،
3. برصغیر میں روس و عثمانیوں کی جنگ کے دوران پوری قوم کو ان کی مالی امداد کرنے کی مہم میں شریک کیا۔[2]

عملاً بیرونِ ہند جہاد و قتال میں شرکت کی کوشش

اسی جنگ کے موقع پر الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی جہادی روح بھی تڑپ کر رہ گئی۔ وہ تو اسلام کے ایک سپاہی تھے۔ انھوں نے یہاں بھی جو تحریک شروع کر رکھی تھی، اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کا دفاع اور کفر و اہلِ کفر کی شوکت کا خاتمہ تھا۔ مگر یہاں ابھی عملی جہاد اور قتال کا وقت نہیں تھا اور نہ اس کی کامیابی کے امکانات تھے۔ ایسے میں جب ۱۸۷۴ء میں خلافتِ عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑی جس میں خلافت کی حالت کمزوری کی تھی، تو الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں جو جہاد کی چنگاری تھی، وہ بھڑک اٹھی۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ اپنے قریبی رفقاء اور تلامذہ کے ساتھ خلافتِ عثمانیہ کے دفاع میں لڑیں گے۔ یہی ارادہ لیے برصغیر کے علمائے حق کا قیمتی گروہ حجاز کی طرف روانہ ہوا۔ اس گروہ میں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے کہ جنھیں آئندہ چل کر اس تحریک کی زمام سنبھالنی تھی۔ ۷ شوال ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۷ء کو یہ قافلہ روانہ ہوا، حجاز پہنچا اور پھر وہاں سے آگے جہاد کے میدانوں میں جانے کا ارادہ تھا۔[3]

مگر حالات ایسے نہ بنے کہ یہ قافلہ آگے میدانِ قتال تک پہنچ سکتا، اور پھر ہائی کمان [حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ] کا بھی یہی مشورہ تھا کہ ان حالات میں یہ طبقہ علماء قتال کے میدان

---

[1] مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں: ”بزرگوں اور علماء نے مولانا محمد قاسم کی سربراہی اور سرپرستی میں، مولانا کے شوق اور توجہ دلانے سے یہ اہم اور تاریخی فیصلہ فرمایا کہ ہم سب خلافتِ اسلامیہ اور مشرقی یورپ کے مسلمانوں کی مدد کے لیے زیادہ سے زیادہ اور جو کچھ بھی کرسکتے ہیں، اس کے لیے بھرپور کوشش کریں گے۔“ [مجلہ صحیفہ نور، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، احوال و آثار، ص ۹۹]

[2] مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں: ”اس کے لیے مولانا محمد قاسم نے عام مسلمانوں سے بڑی رقم اکٹھی کرکے بابِ عالی (مرکزِ حکومت، ترکی استنبول) بھجوانے کی کوششیں شروع کیں۔ حضرت مولانا نانوتوی نے سب سے پہلے مدرسہ دیوبند کے سب ذمہ داروں، مدرسین، طلبہ اور اہل قصبہ دیوبند سے تعاون کی درخواست و گذارش فرمائی۔ اس کے علاوہ اپنے شاگردوں، متوسلین، نیاز مندوں اور خود قائم کیے ہوئے مدرسہ کے ذمہ داروں کو ادھر متوجہ فرمایا۔ اور حسبِ توقع دیوبند، نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، کاندھلہ اور اطراف کے قصبات اور شہروں کے علاوہ دور دراز شہروں میں بھی اس درخواست کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی۔“ [حوالہ بالا]
یہاں تک کہ خلافتِ عثمانیہ کے وزیر اعظم ابراہیم ادھم کی طرف سے شکریہ کا خط الامام الکبیر کے نام آیا۔

[3] مسلمانانِ ہند ان علمائے کرام کے سفر کی بابت عام رائے یہی تھی کہ یہ جہاد کی نیت سے نکلے ہیں۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس کی نفی کرنے کی کوشش کی ہے، مگر بہت سے علماء حضرات اس کی تائید کرتے ہیں، جیسا کہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اور اسی رائے کی تائید مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب نے بھی کی ہے۔ پھر جب خود الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ میں عملی جہاد کی فرضیت بھی بیان کی، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ خود اسے اپنے پر فرض نہ سمجھتے، اور آپ جیسے غیور اور باحمیت عالم و قائد کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ اس فرض سے خود کو مستثنیٰ سمجھے۔ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:
”الغرض اس لڑائی میں امداد حضرتِ سلطانِ روم خلد اللہ ملکہ وسلطانہ تین وجہ سے فرض ہے؛ اول تو بوجہ یورشِ کفار جس پر آیتِ اول [البقرۃ:۱۹۰] دلالت کرتی ہے، دوسرے بوجہ طلبِ مدد جس پر آیت ثانی [التوبۃ:۳۸] اور ثالث [الأنفال:۷۲] دلالت کرتی ہے، تیسری بوجہ اندیشہ بے حرمتیٔ حرمین جس پر آیت رابع [التوبۃ:۲۸] دلالت کرتی ہے“۔ یہاں امداد سے مراد جانی امداد ہے، مالی امداد کا ذکر الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے الگ کیا ہے۔ دیکھیے متعلقہ فتویٰ۔ [مجلہ صحیفہ نور، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، احوال و آثار، ص ۱۵۰]

میں کچھ خاص خدمت نہ کر سکے گا، بلکہ انھیں واپس اپنے خطے میں اقامتِ دین کی جدوجہد کو دوام دینا چاہیے۔

یہاں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقدام پر ایک مرتبہ پھر ٹھہر کر سوچیے۔ ہمیں یہاں اس اقدام سے متعلق کچھ نصیحتیں اخذ کرنی ہیں:

اول: کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کے نزدیک بنیادی مقصد دینِ اسلام کی خدمت ہوتا ہے، اب یہ خدمت دنیا کے جس کونے میں بھی مسلمانوں سے متقاضی ہو، اس کی 'بساط بھر' کوشش کرنا ایسی تحریک کو اپنے منشور میں شامل کرنا ناگزیر ہے۔ وگرنہ وہ جس مقصد کو بیان کر رہے ہیں، اس میں ناقص ہیں۔

دوم: کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کے سامنے ہر حال میں اپنی فکر کو اپنے ہی خطے اور اپنے ہی دائرے میں بند رکھنا، یہ درست طرزِ عمل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ خاص اپنے مصالح کی رعایت کو مدِ نظر نہ رکھا جائے۔ ہم تو یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ترجیحات متعین ہونی چاہییں۔ اور امت کی مصالح کو..... جبکہ عمل کی دنیا میں امکان ہو..... اپنی مصالح پر غالب رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ یہاں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مرکزِ خلافت اور مقدسات کے دفاع کو اپنی جدوجہد پر مقدم رکھا۔ ہاں! لیکن چونکہ عمل کی دنیا میں ان کے اقدام سے مرکزِ خلافت کی مصلحت پوری ہوتی نظر نہ آئی، الٹا اپنی مصلحت کے بھی فوت ہونے کا غالب گمان ہوا، تو ایسے میں عملی قتال کی شرکت سے رک گئے، اور واپس لوٹ آئے۔ اور یہاں جس قدر ممکن ہو سکا، مرکزِ مسلمانان کی مصلحت کو مقدم رکھ کر یہاں ان کے دفاع کی کوشش کی۔ چنانچہ ہر اقامتِ دین کی تحریک..... جو کسی بھی خطے میں برسرِ عمل ہو..... اسے دیگر خطوں کے مسلمانوں اور ان کے کاموں میں تائید وحمایت کا نہ صرف رویہ رکھنا چاہیے، بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے، اس کی مدد و نصرت کرنی چاہیے[1]، جیسا کہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مالی امداد کے سلسلے میں کیا۔ اور معاملہ جب مسلمانوں کے مقدسات کا ہو تو یہ ذمہ داری تاکیدی ہو جاتی ہے۔

سوم اور اہم تر بات: کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کے لیے جہاد و قتال کا عنصر لازمی اور لابدّی ہے۔ جہاد و قتال کو منفی کر کے اگر کوئی بھی اقامتِ دین کی تحریک اپنی فکر کو پروان چڑھائے اور اس کے بعد عمل بھی اسی نہج پر ہو، تو ایسی تحریک کی کامیابی کے امکانات انتہائی محدود ہیں۔ کیونکہ نہ یہ شرع کا تقاضا ہے اور نہ ہی عقل کا۔ جب ایسی تحریک کے سامنے اپنے میدان میں قتال کی فعالیت کا امکان بوجوہِ حالات وعدمِ اعداد نہ ہو، تب بھی اسے اپنے افراد کو دوسرے خطے میں سہی، بقدرِ امکان، جہاد و قتال کی عملی جدوجہد میں شامل کروانا چاہیے۔ اس سے دو فائدے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ جہاد و قتال کی روح تحریک میں زندہ رہتی ہے، اور دوسرا جہاد و قتال کا عملی تجربہ ہاتھ آتا ہے، جو اقامتِ دین کی ہر تحریک کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے۔ یہاں بھی الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ وہ اپنے خطے میں تو جہاد سے معذور ہیں، کہ نہ حالات ہیں اور نہ تیاری و وسائل، اور اہم تر جہادی محاذ کی ضرورت بھی ہے تو آپ نے بنفسِ نفیس جانے سے بھی گریز نہ کیا۔ اور پھر اسی جہاد کی نیت سے کیے گئے سفر کا یہ فائدہ تو آئندہ کی تحریکِ قاسمی میں واضح طور پر سامنے آیا کہ تحریکِ قاسمی کے دوسرے قائد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب حالات بنتے گئے، خود الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط پر کی گئی ان کی محنت سے بھی اور دشمن کی حالت سے بھی، تو انھوں نے اسی جہاد کو یہاں کی تحریک میں بروئے کار لایا۔ اس پر ہم اگلے مرحلے میں بات کرتے ہیں۔

شرعی قضاء کا اجراء

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی زمانے میں مدرسہ دیوبند میں محکمہ قضاء بھی شروع کیا تھا، اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی مقرر کیا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ ایک ایسے وقت میں جب عملاً اسلامی حاکمیت معطل ہے، اور حکومتی سرپرستی میں کفری قوانین نافذ ہیں، تو مسلمان اپنے باہمی معاملات میں کفری قوانین کی ماتحتی پر مجبور ہوتے ہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ جہاد وجدوجہد کر کے کفری حاکمیت ختم کی جائے اور اسلامی حاکمیت قائم کی جائے، مگر جب اس کا فوری امکان نہ رہا، اور اس کے لیے تیاری شروع کر دی گئی، تو ساتھ ہی اتنا امکان پیدا کیا گیا کہ مسلمانوں میں اجتماعی شرعی قانون زندہ رہے اور انھیں اپنے معاملات کے لیے شریعت سے باہر نہ جانا پڑے۔ یہی محکمہ قضاء کے قیام کا سبب بنا۔ حکومت کی طرف اس میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش ہوئی[2]، مگر الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ استقامت سے ڈٹے رہے۔ البتہ آپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔

---

[1] یہاں الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ایک جملہ ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہیں کہ آپ نے اپنے فتویٰ میں جہاں سورہ انفال کی آیت [وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرَ] کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دار الحرب سے باوجود ضرورتِ جہاد ہجرت نہ کریں، وہ لوگ ایک وجہ سے کفار کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ سورہ برأۃ میں ارشاد ہے: والمؤمنون والمؤمنات الخ اور سورہ انفال میں یہ ارشاد ہے: والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیء۔ جب وہ لوگ اولیاء کے زمرے ہی میں نہ ہوئے تو یوں کہو کہ مومنوں کے زمرہ ہی سے خارج رہے۔ پھر باوجود اس کے درصورتِ طلبِ نصران کی مدد اور نصرت فرض ہوئی، اور اس نام کے ایمان کا لحاظ کرنا پڑا اور اس دوستی کو نبھانا ضروری ہوا۔ تو مجاہدین کی امداد درصورتِ استمداد کیونکر فرض نہ ہوگی"۔ [حوالہ سابقہ؛ ص۱۴۹]

[2] مولانا حکیم محمد اپنی کتاب 'ملتِ اسلام کی محسن شخصیات' میں اس موقع پر لکھتے ہیں: "(انگریزوں نے) دیوبند میں ایک تھانیدار کو بھیجا جو بڑا سخت قسم کا آدمی تھا۔ چنانچہ وہ آیا، رمضان شریف کا آخری عشرہ تھا۔ اس نے آکر حضرت نانوتوی سے مصافحہ کیا اور بہت جرات سے کہا کہ کیا آپ ہندوستان میں شرعِ محمدی کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہیں؟ یہ کیا آپ نے محکمہ قائم کیا۔ حضرت نے بڑی نرمی سے فرمایا: یہ تو ہم آپ لوگ گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں جو لاکھوں روپے خرچ کر کے مقدمات فیصل کرتی ہے، ہم نے منٹوں میں فیصل کر دیے۔ مگر اس نے کہا کہ نہیں، آپ پورا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، میں رپورٹ کروں گا۔ اس پر حضرت کو غصہ آیا اور کہا کہ گلا پکڑ کر اسے نکال دو'۔ طالب علموں نے دھکے دے کر اسے نکالا اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ 'جاہم تیری رپورٹ کریں گے، نکال دو اس شیطان کو یہاں سے'۔ بہرحال عید کا دن آیا، تھانیدار کے یہاں دودھ کے بالٹے بھرے تھے، کپڑے تیار، خوشیاں منائی جا رہی تھیں کہ اچانک گورنمنٹ کا حکم پہونچا کہ اس کی رشوتوں کی انتہا ہوگئی ہے، اسے فوری

اس واقعے سے اتنا نتیجہ اخذ کرنا ضروری ہے کہ ایسے وقت میں بھی جب عملاً حکومت اور قانون کفر کے ہاتھ میں ہو، جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں میں قانونِ شرع کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ یہ ابتدائی درجے میں حکومتِ کافرہ غالبہ سے مزاحمت نہیں ہے، گو ریاست در ریاست ضرور ہے۔ مگر پھر بھی موجودہ سخت گرفت والے سیکولر نظام میں بھی اس کی گنجائش نکل آتی ہے، بشرطیکہ حکمت و مصلحت سے یہ کام کیا جائے۔ اس کے دو فوائد تو ظاہر و باہر ہیں:

اول: مسلمانوں کو اپنے معاملات کے اندر شریعت کی طرف رجوع کا موقع ملتا ہے، اور ان کا دین معاملات میں بھی محفوظ رہتا ہے۔

دوم: اس سے زیادہ اہم تر یہ کہ مسلمانوں میں کفر اور کفری قانون کے غلبے کی وجہ سے جو شرعی قوانین سے بُعد پیدا ہو جانے اور شریعت کی حاکمیت کے تصور کے دھندلا جانے کا قوی امکان ہوتا ہے [جیسا کہ ہمارے زمانے کا حال ہو چکا ہے]، اس کی روک تھام ہوتی ہے، اور مسلمانوں میں یہ تصور زندہ ہوتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں اپنی شریعت کے قوانین کے نفاذ کی ضرورت ہے۔ یہ فکر عوامِ مسلمین میں عام ہونے سے اقامتِ دین کی تحریک کو بہت تقویت ملتی ہے، اور اس کے نظریے کا پرچار ہوتا ہے۔

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی سفر حجاز سے واپسی سال یا اس سے کم میں ہوئی، یعنی ۱۸۷۸ء میں، اور پھر الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ انھی کوششوں میں مصروف تھے کہ ۴ جمادی اولیٰ ۱۲۹۷ بمطابق ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء کو ۴۹ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیا اور یوں اپنی تحریک کو..... مذکورہ بالا خطوط پر استوار کر کے اپنے بعد والوں کے ہاتھ میں چھوڑ گئے، جس کے اگلے مراحل ابھی آنے تھے۔

[جاری ہے، ان شاء اللہ]

☆☆☆☆☆

غیر مسلم کی قیادت میں مسلمان کی جدوجہد

”مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جنگِ عظیم اول کے زمانے میں کابل میں موجود ہندوستانی مشن کے ممبر مولانا برکت اللہ صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”انڈین سوسائٹی برلن نے پوری دانشمندی سے اس ہندو تحریک کو ہندوستان کا رنگ دینے کے لیے مولانا برکت اللہ صاحب کو بھی برائے نام اس میں شریک کیا۔ مولانا برکت اللہ صاحب مرحوم کی شمولیت کو جس قدر ہم بے معنی دکھلا رہے ہیں، اس کا مولانا کی شخصیت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کی اس غفلت کی سزا ہے جو اپنے آپ کو اقلیت میں فرض کر کے اکثریت کے رحم پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب ایک شخص کے ذہن میں ٹھونس دیا جائے کہ تم اس بت کدے کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں کوئی کام نہیں کر سکتے، تو اس شخص کے بیکار ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ میں اپنا مطلب واضح کرنے کے لیے ایک دو مثالیں لکھتا ہوں۔ مولانا محمد علی اور مولانا ابو الکلام آزاد جب اپنا اختیار مہاتما گاندھی کے سپرد کرتے ہیں تو کیا وہ اپنی قربانیوں سے مستفید ہو سکتے ہیں؟ یا ڈاکٹر [مختار احمد] انصاری کو اگر سوامی شردھانند کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے تو اس کی محنت کوئی نتیجہ دے سکتی ہے؟ اسی طرح اگر مولانا برکت اللہ مرحوم راجہ [مہندر پرتاب] صاحب سے اختلاف کر کے اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتے تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے سے سوا چارہ ہی کیا ہے“۔

(سیاسی ڈائری بحوالہ نقشِ حیات، ص ۵۷۷)

کیا مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بھارتی مسلمانوں کے حالات کی تصویر کشی نہیں ہے؟!“

برخاست کیا جائے۔ اور بازار میں دکان دکان پر جہاں اس نے رشوت لی ہے، پیروں میں رسی ڈال کر اسے پھرایا جائے۔ تو اس حالت میں گھمایا گیا کہ یہ روتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ ’افسوس میں نے رپورٹ نہیں کی، مگر مولوی جی نے میری رپورٹ کر دی‘۔“ [ص ۱۵۸] اس تھانیدار کا نام مولانا مناظر احسن صاحب نے ’خدا بخش‘ لکھا ہے، یعنی یہ نام کا مسلمان ہی تھا۔ یہاں اس واقعے کے ذکر سے یہ بتلانا ہے کہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ آج بھی مشعلِ راہ ہے ایسے تمام حکومتی کارندوں کے حق میں جن کے نام تو مسلمانوں کے سے ہیں، لیکن شرعِ محمدی کا نفاذ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے، یہ سبھی شیاطین ہیں۔

کرسمس کیک کاٹنے کا جرم.....اسلام کی نظر میں

حافظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

کرسمس کیک کاٹنا، کرسمس کی مبارک بادیں دینا، بلکہ ہولی منانا، دیوالی پر مبارک بادیں دینا وغیرہ آج مسلم معاشروں میں عام ہوتا جارہا ہے۔ عوام المسلمین طوفان کی رو میں بہہ کر اور ٹرینڈز کے تعاقب میں ایسا کر رہے ہیں، جبکہ حکمران، سیکولر و لبرل طبقہ اسے دین 'سیکولرازم و لبرل ازم' میں منا رہا ہے اور اس کی ترویج بھی کر رہا ہے اور باقی لوگ مفاد پرستی میں ایسا کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر تحریر بانی مدیر مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' (سابقاً 'نوائے افغان جہاد') حافظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ حافظ صاحب شہید نے اپنی مختصر تحریر میں ان رویوں کا ذکر کیا ہے اور کرسمس (اسی میں دیوالی، نوروز، ہیلووین وغیرہ بھی شامل کر لیں) کی مبارک باد دینے اور اس کے کیک کاٹنے کا حکمِ شرعی بیان کیا ہے۔ یوں تو کرسمس کا موقع گزر چکا ہے، لیکن اس تہوار کا حکم جاننا بہر کیف شرعاً لازم ہے!

اللہ پاک ہماری اور تمام اہلِ اسلام کی 'صراطِ مستقیم' کی طرف رہنمائی فرمائیں، آمین! (ادارہ)

اسلام اپنے ماننے والوں کو غیرت و حمیت کا ایسا خوگر بناتا ہے کہ وہ اپنے دین کے سوا کسی سے مرعوب نہ ہوں۔ کیونکہ اس کائنات میں صرف اور صرف اسلام ہی 'الدین' اور 'الحق' ہے اور اس کے ماسوا سب کچھ باطل اور جھوٹ ہے۔

اسلام جہاں خیر و شر اور کامیابی و ناکامی کے اپنے معیار اور پیمانے مقرر کرتا ہے وہیں محبت اور دوستی، نفرت اور دشمنی کے لیے اپنے معیار کا تعین کرتا ہے اور اس کا اصرار ہے کہ محبت اور دوستی کے تمام تر رشتے صرف مسلمانوں کے ساتھ استوار کیے جانے چاہییں۔ ان کی زبان کوئی بھی ہو اور وہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں وہ آپس میں بھائی ہیں اور ان کا یہ رشتہ خونی رشتوں سے بھی مقدم ہے۔ اسی طرح دشمنی اور نفرت کے لیے بھی اسلام اپنا معیار قائم کرتا ہے کہ ہر شخص جو آپ کے دین میں داخل نہیں وہ آپ کا دوست نہیں ہو سکتا چاہے وہ والدین یا اولاد کی صورت قریب ترین رشتے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہاں تک کہ مسلمان والد کی اولاد میں سے کوئی اگر کافر ہو تو وہ اس کا وارث بھی نہیں۔

کفار میں سے کسی سے عداوت اور نفرت کا کتنا تعلق رکھا جائے اس بات کا انحصار اس کی کیفیت پر ہے کہ آیا وہ محارب کافر ہے یا غیر محارب کافر یا مسلمانوں کا ذمّی کافر، ہر ایک کے بارے میں تفصیلی احکامات فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔

کفار سے دشمنی اور مومنین سے محبت کے اسلامی عقیدے کو اصطلاح میں 'الولاء البرا' کہتے ہیں۔ علما کا کہنا ہے کہ 'کتاب و سنت' میں عقیدۂ توحید کے بعد سب سے زیادہ بیان اسی عقیدے کا ہے اور بعض علما اسے عقیدۂ توحید کا ہی جزو شمار کرتے ہیں۔

اب ہم نفسِ مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ 'عید میلاد مسیح علیہ السلام' جسے عیسائی 'کرسمس' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسے باقاعدہ اپنی عید قرار دے کر مناتے ہیں۔ گویا کہ یہ عیسائیوں کا اہم ترین مذہبی تہوار ہے۔ پہلے پہل بلادِ کفر میں رہنے والے مسلمان اس عادتِ بد کا شکار ہوئے کہ وہ عیسائیوں کے اس تہوار کے موقع پر ان کے 'گرجا گھروں' میں جا کر یا انہیں اپنے ہاں بلا کر کرسمس کیک کاٹتے اور ان کے ساتھ تحائف کا تبادلہ کرتے اور اُس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفار سے ان کے تعلقات بہتر رہیں کیونکہ ان کے ملکوں میں رہتے ہوئے ان کی حیثیت کافروں کے ذمیوں کی سی ہوتی ہے اس لیے اپنے آقاؤں کو خوش کرنا وہ اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتے ہیں۔ دوسرا اہم مقصد تجارتی تعلقات کو بہتر طریق پر استوار کرنا ہوتا ہے، اسی طرح ان کا تعارف ایک اعتدال پسند اور ماڈریٹ مسلمان کے طور پر ہو جاتا ہے جن سے کافروں کو یہ تسلی رہتی ہے کہ یہ ان 'دہشت گرد' مسلمانوں میں سے نہیں ہیں جو ہمیں ختم کرنا چاہتے ہیں، اور 'ہمارے نظام کو ختم کر کے خلافت اسلامی قائم کرنے کے خواہاں ہیں'۔

کرسمس منانے سے مذہبی جمہوری جماعتوں اور دیگر سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں کے پیشِ نظر یہ ہوتا ہے کہ اب انتخابات چونکہ مخلوط طرز پر ہیں اس لیے ان عیسائیوں کے ووٹ بھی اہم ہیں شاید کہ ہمیں ہی حاصل ہو جائیں دوسرا یہ کہ بیرونی کافروں کے سامنے اپنے لیے کریمانہ تاثر (سافٹ امیج) پیدا کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے کہ ہم بتوں کو گرانے والے یا اسلامی احکامات پر بزور عمل کروانے والے 'طالبان' نہیں ہیں اور اس لیے اقتدار کے لیے موزوں ترین لوگ ہیں۔ ایک اہم مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ مقامی سیکولر اور لبرل طبقے کو اپنی داڑھی اور مذہب کی صفائی دی جائے۔

کفار کی عیدوں اور مذہبی تہواروں میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں اسلام کے مفصل احکامات ہیں، ان میں سے چند احادیث، آثار صحابہؓ اور اقوالِ فقہا درج کیے جاتے ہیں۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من تشبه بقومٍ فهو منهم"، 'جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ اُنہی میں سے ہو گا'۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: "من كثر سواد قوم حشر معهم"، 'جو کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرے گا اس کا حشر (قیامت کو) اُنہی میں سے ہو گا'۔

(باقی صفحہ نمبر 27 پر)

''ہِندُتوا'' हिंदुत्व HINDUTVA کیا ہے؟

تحریر: نعمان حجازی

ایم ایس گولوَالکَر

مادَھوسَداشِوَ گولوَالکَر(Madhav Sadashiv Golwalkar)راشٹریہ سوَائم سیوَک سَنگھ (Rashtriya Swayamsevak Sangh)یعنی 'آر ایس ایس' کا دوسرا سَر سَنگھ چالَک (سپریم لیڈر) تھا۔ گولوالکر نے ہندُتوا سے متعلق ساوَرکَر کے افکار کو قدیم ہندو فلسفوں اور روحانی و مذہبی خیالات کی بنیاد پر نیا اور ہندوؤں کے لیے پر کشش جامہ پہنا کر اسے ہندو عوام میں مقبول بنایا۔ سَنگھ پریوار کے حلقوں میں گولوالکر کو گوروجی کہا جاتا ہے۔ اور اس وقت گولوالکر ان حلقوں کا سب سے مقبول مفکر ہے۔ تجزیہ نگاروں کے نزدیک ہندُتوا تحریک کی سب سے زیادہ دیانتداری کے ساتھ وضاحت گولوالکر ہی نے کی ہے جب کہ دیگر مفکرین نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر لاگ لپیٹ سے کام لیا ہے۔

گولوالکر ۱۹۰۶ء میں مہاراشٹر میں ناگپور کے نزدیک گاؤں مادھو میں مراٹھی کرتھاڑے براہمن[1] خاندان میں پیدا ہوا۔ لڑکپن سے ہی گولوالکر کو ہندو مذہب اور اس کے روحانی گیان و دھیان میں گہری دلچسپی تھی۔

۱۹۲۲ء میں گولوالکر نے ناگپور کے ایک مشنری تعلیمی ادارے ہِسلوپ کالج (Hislop College) میں داخلہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ کالج میں اسے عیسائیت کی کھلے عام تبلیغ پر بہت طیش آتا تھا اور یہی چیز بعد میں اس کے ہندومت کے لیے کام کرنے کی بنیاد بنی۔ ۱۹۲۴ء میں گولوالکر نے بنارس ہندو یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں وہ مادَن موہَن مالاوِیہ (Madan Mohan Malaviya) سے بہت متاثر ہوا جو کہ ایک قوم پرست رہنما تھا اور اس یونیورسٹی کا بانی بھی تھا۔ بعد میں اسی یونیورسٹی میں گولوالکر نے تین سال تدریس بھی کی۔ اس کے شاگرد اس کی لمبی داڑھی، لمبے بال اور سادہ چوغہ پہننے کی وجہ سے اسے 'گوروجی' کہا کرتے تھے۔ بعد میں آر ایس ایس میں اس کے پیروکار بھی اس کی عقیدت میں یہی حلیہ اپناتے تھے۔ اس کے بعد گولوالکر ناگپور واپس آگیا اور وہاں قانون کی ڈگری ۱۹۳۵ء میں حاصل کی۔

بنارس ہندو یونیورسٹی میں تدریس کے دوران بھیاجی دانی(Bhaiyaji Dani) نے، جو کہ آر ایس ایس کے پہلے سربراہ کشاؤ بالی رام ہیڈگوار(Keshav Baliram Hedgewar) کا قریبی ساتھی تھا، بنارس میں آر ایس ایس شاکھ[2] شروع کی۔ گولوَالکَر بھی ان اجتماعات میں جایا کرتا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں جب ہیڈگوار نے بنارس کا دورہ کیا تو اسے گولوالکر پسند آگیا۔

ناگپور واپسی کے بعد ہیڈگوار گولوالکر پر زیادہ اثر انداز ہوا۔ ہیڈگوار نے ہی اسے کہا تھا کہ وہ قانون میں ڈگری حاصل کرے کیونکہ اس سے اسے وہ ساکھ حاصل ہو جائے گی جو کہ ایک آر ایس ایس کے رہنما کے لیے درکار ہے۔ ۱۹۳۴ء میں ہیڈگوار نے گولوالکر کو ناگپور کی شاخ کا 'کریاواہ' (سیکریٹری) مقرر کیا۔

لیکن ۱۹۳۶ء میں گولوالکر نے اپنی لاء کی پریکٹس بھی چھوڑ دی اور آر ایس ایس کے لیے کام بھی چھوڑ دیا اور مغربی بنگال میں سرگاچی[3] رام کرشن مشن[4] آشرم[5] چلا گیا تاکہ دنیا ترک کر دے اور ایک سنیاسی[6] بن جائے۔ وہاں وہ سوامی اکھنڈ آنند (Akhandananda) کا شاگرد بن گیا۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں اکھنڈ آنند کے مرنے کے بعد اس نے آشرم چھوڑ دیا اور واپس ناگپور آگیا۔ ہیڈگوار نے اسے قائل کیا کہ سماج کے لیے اس کا فرض اسی طرح سے پورا ہو سکتا ہے کہ وہ آر ایس ایس کے لیے کام کرے۔

آر ایس ایس میں دوبارہ شمولیت کے بعد ہیڈگوار نے گولوالکر کی تربیت قیادت کے لیے کرنی شروع کی اور اسے آل انڈیا آفیسرز کے تربیتی کیمپ کا انچارج بنا دیا، اور وہ ۱۹۳۹ء تک اسی عہدے پر رہا۔ ۱۹۳۸ء میں گولوالکر کو ساورکر کی مراٹھی کتاب راشٹر میمانس (قوم پرستی) کا ہندی اور انگریزی ترجمہ کرنے کا کہا گیا۔ اس کے نتیجے میں کتاب We, or Our

---

[1] کرتھاڑے براہمن مہاراشٹر کے براہمنوں کی ایک ذیلی شاخ ہے۔

[2] شاکھا یا شاکھ آر ایس ایس کی کسی علاقے میں شاخ کو کہتے ہیں۔ سب سے بنیادی شاکھ میں روزانہ کا اجتماع ہوتا ہے جس میں کھیل، گیت، سبھاشت (سنسکرت کی نظمیں) اور یوگا وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے۔

[3] سرگاچی: مغربی بنگال کے ضلع مرشد آباد کا ایک علاقہ۔

[4] رام کرشن مشن: ایک ہندو روحانیت کی تنظیم جو پوری دنیا میں رام کرشن تحریک یا ویدانت تحریک کے عنوان سے آشرم چلاتی ہے۔

[5] آشرم (Ashrama) ہندوؤں کی خانقاہ کو کہا جاتا ہے۔

[6] سنیاسی: جو دنیا ترک کر کے اپنے آپ کو ہندو روحانیت کے لیے وقف کر دے۔

Nationhood Defined گولوالکر کے نام سے نشر ہوئی[1]۔ اس کتاب کو آر ایس ایس کے نظریے کی تشریح کے طور پر لیا جاتا ہے۔

۱۹۳۹ء میں گرودکشن[2] (Gurudakshina) کی تقریب میں ہیڈگوار نے اعلان کیا کہ اگلا سرکاریاواہ[3] (جنرل سیکریٹری) گولوالکر ہو گا۔ ۱۹۴۰ء میں اپنے مرنے سے قبل ہیڈگوار نے گولوالکر کو آر ایس ایس کا سربراہ بننے کا کہا۔ اور اس کی وفات کے بعد ریاستی سطح کے پانچ سنگھ چالکوں نے ناگپور میں ہیڈگوار کے اس فیصلے کا اعلان کر دیا۔

گولوالکر کا انتخاب زیادہ تر سوائم سیوکوں[4] کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ ہیڈگوار کے بہت سے سینئر ارکان کو نظر انداز کرتے ہوئے گولوالکر کو انتخاب کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہیڈگوار کی نظر میں گولوالکر واحد ایسی شخصیت تھی جو آر ایس ایس کی آزاد حیثیت کو قائم رکھ سکتا تھا ورنہ اسے ہندو مہاسبھا کے یوتھ ونگ کے طور پر ہی دیکھا جاتا۔

گولوالکر نے ۱۹۷۱ء میں اپنی موت تک یعنی تیس سال سے زیادہ عرصے تک آر ایس ایس کی صدارت کی اور اس عرصے میں اُس نے اس تنظیم کو بہت وسیع کیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں اس تنظیم کی ذیلی تنظیمیں قائم کی گئیں۔ اس کے علاوہ بیرونِ ملک ہندوستانیوں کے لیے بھی علیحدہ ذیلی تنظیمیں قائم کی گئیں۔ ان اقدامات کے نتیجے میں آر ایس ایس ہندوستان کی ایک مضبوط مذہبی سیاسی جماعت کی شکل اختیار کر گئی۔

تقسیمِ ہند کے دوران متحدہ صوبوں[5] کی پولیس نے آر ایس ایس کے مراکز پر چھاپے مارے جہاں سے شواہد موصول ہوئے کہ تقسیم کے دوران آر ایس ایس کا متحدہ صوبوں میں مسلمانوں کی آبادیوں پر بڑے پیمانے پر حملے کرنے کا منصوبہ تھا اور اس کا منصوبہ ساز گولوالکر تھا۔ لیکن متحدہ صوبوں کی حکومت نے گولوالکر کو گرفتار کرنے میں ہچکچاہٹ دکھائی اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گولوالکر صوبے سے فرار ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں گاندھی کے قتل کے بعد یہ بات ہر طرف مشہور ہوئی کہ آر ایس ایس اس قتل میں ملوث ہے۔ گولوالکر اور ۲۰ ہزار کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا اور آر ایس ایس پر پابندی لگا دی گئی۔ چھے ماہ بعد گولوالکر کو رہا کر دیا گیا لیکن آر ایس ایس پر پابندی برقرار رہی۔

گولوالکر نے حکومت سے پابندی ہٹانے کے لیے مذاکرات کی کوشش کی۔ حکومت کا مطالبہ تھا کہ آر ایس ایس اپنا تحریری آئین تشکیل دے، تاکہ واضح ہو سکے کہ اس تنظیم کے نظریات کیا ہیں اور ان پر اس تنظیم کو پابند بھی کیا جا سکے۔ گولوالکر نے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کیا اور ستیاگراہ (satyagraha)[6] کی تحریک شروع کر دی۔ اس کے جواب میں وہ اور آر ایس ایس کے ۶۰ ہزار کارکن گرفتار کر لیے گیے۔ ۱۹۴۹ء میں آر ایس ایس کے دیگر رہنماؤں نے ستیاگراہ ختم کر دی اور آر ایس ایس کا تحریری آئین مرتب کر دیا جسے حکومت نے تسلیم کر لیا اور اس کے نتیجے میں آر ایس ایس پر پابندی ختم کر دی گئی۔ حکومت نے اعلان کیا کہ پابندی کو گولوالکر کے انڈیا کے آئین کے ساتھ وفاداری اور ہندوستانی قومی پرچم ترنگا کو قبول کرنے اور اس کا احترام کرنے کے وعدے کی بنیاد پر ختم کیا گیا ہے۔

گولوالکر کے افکار

برطانوی راج کی حمایت

دلچسپ بات یہ ہے کہ ساورکر ہی کی طرح گولوالکر بھی برطانوی راج مخالف تحریک کے خلاف تھا۔ یعنی ہندتوا تحریک کے دو بنیادی نظریہ ساز اصل میں برطانوی راج کے حامی تھے۔ اس لیے گولوالکر کے دور میں آر ایس ایس نے آزادی کی تحریک سے مکمل علیحدگی اختیار کر لی، اسی لیے اس کے ہندو مہاسبھا کے ساتھ تعلقات میں بھی کمزوری آئی۔ آر ایس ایس نے نعرہ لگایا کہ "ہندوستان کی آزادی کی حفاظت، مذہب اور ثقافت کی حفاظت کے ذریعے" اور برطانوی راج سے آزادی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ گولوالکر کے بقول برطانویوں کی مخالفت کو حبّ الوطنی اور قوم پرستی کے ساتھ جوڑنا ایک ردّ عمل والا نظریہ ہے جو کہ بہت تباہ کن ہو سکتا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران برطانوی حکومت کی درپردہ حمایت کے لیے گولوالکر نے آر ایس ایس کے پلیٹ فارم سے یہ نعرہ لگایا کہ ہندومت کو جاپانی حملے سے خطرہ ہے، اور آر ایس ایس کو ممکنہ جاپانی حملے کی صورت میں ہندو مفادات کے تحفظ کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ہندو قوم ہندوستان کی اصل باسی

ساورکر نے اپنی کتاب ہندُتوا میں اس نظریے کو تسلیم کیا ہے کہ آریائی نسل ہندوستان کہیں باہر سے آئی اور دریائے سندھ کے کنارے آباد ہوئی۔ ساورکر کے بقول آریائی قوم کے آنے سے پہلے سے اس علاقے کو ہند کہا جاتا تھا اور اس دریا کا نام بھی سندھ نہیں ہند تھا۔ جب آریائی قوم

---

[1] اس حوالے سے دو رائے پائی جاتی ہیں کہ یہ ساورکر کی تحریر کا ترجمہ ہی ہے یا کہ اس تحریر کو بنیاد بنا کر گولوالکر نے اپنی تحریر لکھی ہے۔ گولوالکر نے کتاب کے مقدمے میں تو یہی لکھا ہے کہ ساورکر کی کتاب کو بنیاد بنا کر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور یہ اس کی اپنی تحریر ہے، اور ۱۹۶۳ء تک یہی بات معروف تھی۔ لیکن ۱۹۶۳ء کے بعد یہ رائے آر ایس ایس کے حلقوں کی طرف سے ہی سامنے آئی کہ گولوالکر نے اس کتاب میں صرف مقدمہ اور ابتدائیہ وغیرہ لکھا ہے باقی کتاب ساری اصل میں ساورکر کی کتاب کا ترجمہ ہی ہے۔

[2] گرودکشن: کسی تعلیم یا تربیت کے اختتام پر تربیت دینے والے گورو کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی تقریب

[3] سرکاریاواہ: آر ایس ایس میں دوسرا اعلیٰ ترین عہدہ

[4] سوائم سیوک: رضاکار

[5] برطانوی دور کا صوبہ 'آگرہ اور اودھ کے متحدہ صوبے' جو کہ آج کی دو ریاستوں 'اتر پردیش' اور اتراکھنڈ' پر مشتمل ہے۔

[6] ستیاگراہ: گاندھی کے عدم تشدد کے نظریے پر مبنی سول نافرمانی کی تحریک

یہاں آباد ہوئی تو اس نے یہاں کے مقامی ناموں کو سنسکرت میں تبدیل کیا جس کی وجہ سے ہند سندھ ہو گیا۔ اور دریائے سندھ کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے آریائی نسل 'سندھو' کہلائی جو بعد میں پھر بدل کر یہاں کی مقامی زبان کے مطابق 'ہندو' بن گیا۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ گولوالکر ہندُتوا اور ہندو قوم پرستی میں ساورکر کو اپنا بڑا مانتا ہے اور ہندو قوم پرستی پر اس کی کتاب بھی اگر ساورکر کی کتاب کا ہو بہو ترجمہ نہیں ہے تو کم از کم اُسی کو بنیاد بنا کر ہی لکھی گئی ہے۔ لیکن اس معاملے میں وہ ساورکر کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔

گولوالکر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندو اسی دھرتی کی اولاد ہیں اور ہمیشہ سے یہیں کے باسی ہیں۔ مغربی ماہرین بشریات کی ان تحقیقات، کہ ہندوؤں کا تعلق آریائی نسل سے ہے اور یہ خانہ بدوش ہیں اور پانی کی تلاش میں مختلف جگہیں بدلتے ہوئے دریائے سندھ کے کنارے آکر آباد ہوئے، کے جواب میں گولوالکر لکھتا ہے کہ مغربیوں کو اپنی گوری چمڑی کا گھمنڈ ہے اور یہ چیز ان کی سوچ اور تحقیق پر پردے ڈال دیتی ہے۔ لیکن گولوالکر نے کہیں بھی اس کا ہلکا سا بھی ذکر نہیں کیا کہ اس کا گورو ساورکر بھی اس نظریے کو قبول کرتا تھا۔ لیکن مشہور کانگرسی رہنما بال گنگا دھر تِلَک (Bal Gangadhar Tilak) نے ۱۹۰۳ء میں "The Arctic Home in the Vedas" (ویدوں میں لکھا قطب شمالی کا گھر) کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی جس میں ایک دلچسپ دعویٰ کیا کہ ہندوؤں کے مشہور قدیم وید[1] قطب شمالی میں برفانی دور (Ice Age) میں لکھے گئے تھے۔ اور یہی آریائی نسل کا اصل گھر تھا۔ پھر آخری برفانی دور کے بعد کے عظیم برفانی طوفان کی وجہ سے آریائی ۸۰۰۰ قبل مسیح میں جنوب کی طرف ہجرت کر گئے اور یہ وید بھی ساتھ لے آئے۔ اس کے جواب میں گولوالکر ایک مضحکہ خیز دعویٰ کرتا ہے کہ تِلَک کی یہ بات درست ہے لیکن ان کو شاید یہ علم نہیں کہ ہجرت ہم نے نہیں بلکہ قطب شمالی نے کی۔ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر بیربل ساہنی کے ایک دعوے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "قطب شمالی ایک ساکت چیز نہیں ہے اور بہت زمانہ قبل یہ دنیا کے اُس حصے میں تھا جسے آج بہار اور اڑیسہ کہتے ہیں، پھر اس کے بعد اس نے شمال مشرق کی طرف حرکت شروع کی، پھر کچھ عرصے بعد وہ کبھی مغرب کی طرف اور کبھی شمال کی طرف حرکت کرتے ہوئے اپنے موجودہ مقام پر پہنچا۔ اگر ایسا ہے تو، کیا ہم نے قطب شمالی کو چھوڑا اور ہندوستان آگئے یا ہم ہمیشہ سے یہیں آباد تھے اور قطب شمالی نے ہمیں چھوڑ دیا اور شمال کی طرف آڑی ترچھی حرکت کرتے ہوئے چلا گیا؟ ہمیں یہ یقین سے کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ اگر لوک تِلَک[2] کی زندگی میں یہ حقیقت سامنے آچکی ہوتی، تو وہ بھی بلا جھجک اعلان کرتے کہ ویدوں میں جس قطب شمالی کے گھر کا ذکر ہے وہ بلاشبہ ہندوستان میں ہی تھا اور ہندوؤں نے اس زمین پر ہجرت نہیں کی بلکہ قطب شمالی یہاں سے ہجرت کر گیا اور ہندوؤں کو ہندوستان چھوڑ گیا۔"[3]

آگے چل کر گولوالکر لکھتا ہے:

> "ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم ہندو اس دھرتی پر کہیں سے نہیں آئے، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ سے اسی دھرتی کی اولاد ہیں اس لیے اس ملک کے فطری حکمران بھی۔"[4]

ہندو قوم بطور خدا

گولوالکر ہندو قوم کی عظمت بیان کرتے ہوئے اس حد تک گیا کہ اس نے دعویٰ کیا کہ ہندو قوم بحیثیت مجموعی خود ایک خدا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> "ہمارے آباواجداد کہتے تھے 'ہمارے لوگ ہمارا خدا ہیں'۔ شری رام کرشن جو کہ انسانیت کے عظیم ترین استادوں میں سے ایک ہیں کہتے تھے، 'انسان کی خدمت کرو'۔ اس کے عظیم شاگرد سوامی وویک آنند بھی یہی کہتے تھے۔ لیکن 'انسان' کو جب پوری انسانیت کے دائرے میں لیا جائے گا تو یہ ایک بہت وسیع اصطلاح ہے اور اس لیے اسے آسانی سے ایک اکائی کے طور پر دیکھنا اور محسوس کرنا بہت مشکل ہے۔ اسی لیے ایسا ہوا کہ بہت سے لوگ جو انسانیت کی خدمت کا خیال لے کر اٹھے وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس لیے ہمارے آباواجداد نے، انسانی دماغ اور ذہانت کی حدود کو سمجھتے ہوئے کہا، 'انسانیت اور یہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن اس سے پہلے کہ کوئی اس سطح تک پہنچ پائے، خدا کا تصور کچھ حدود و قیود کے ساتھ رکھنا ضروری ہے، جسے کوئی سمجھ سکے، محسوس کر سکے اور اس کی خدمت کر سکے۔' انہوں نے کہا کہ ہندو قوم وِروت پُرش ہیں، یعنی خدا کی تجلّی۔ اگرچہ انہوں نے 'ہندو' کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن یہ خدا کی اس تعریف سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ 'سورج اور چاند اس کی آنکھیں ہیں، ستارے اور آسمان اس کی ناف سے پیدا کیے گئے ہیں اور براہمن اس کا سر، بادشاہ اس کے ہاتھ، ویش اس کی ٹانگیں اور شودر اس کے پاؤں ہیں'۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو یہ خاصیت رکھتے ہیں، یعنی ہندو قوم، وہ ہمارا خدا ہے۔"[5]

---

[1] سنسکرت میں لکھی گئی ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابیں۔

[2] بال گنگا دھر تِلَک کو لوک مانیا تلک بھی کہا جاتا ہے۔ لوک مانیا سے مراد وہ جسے لوگ راہنما مانیں۔

[3] We or Our Nationhood defined – M. S. Golwalkar p. 45

[4] We or Our Nationhood defined – M. S. Golwalkar p. 46

[5] Bunch of Thoughts by M. S. Golwalkar p. 46, 47

فسطائیت

گولوالکر رامائن، مہابھارت اور گیتا جیسی دیومالائی داستانوں کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ہندو قوم اُس وقت سے ایک متمدن قوم ہے جب دیگر دنیا کو تمدن کا علم تک نہیں تھا اور جب ابھی بابل کی تہذیب کا بھی نام ونشان تک نہیں تھا۔ ایک اور جگہ گولوالکر ہندو قوم کے آغاز کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہماری قوم کا آغاز، یعنی وہ تاریخ جب سے ہم یہاں ایک مہذب قوم کے طور پر رہ رہے ہیں، وہ تاریخ دانوں کے لیے نامعلوم ہے۔ ایک طرح سے ہم "انادی" ہیں، یعنی جن کا کوئی آغاز نہ ہو.....

.....ہم تب سے موجود ہیں جب کسی طرح کے ناموں کی کوئی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی۔ ہم اچھے اور اہل بصیرت لوگ تھے۔ ہم وہ لوگ تھے جو قوانینِ فطرت اور روح کے قوانین تک سے آگاہ تھے۔ ہم نے ایک عظیم تہذیب، ایک عظیم ثقافت اور ایک انوکھا معاشرتی نظام وضع کیا۔ وہ سب چیزیں جو انسانیت کے لیے فائدہ مند ہیں تقریباً اُن تمام کی تمام ہی کو ہم نے وجود بخشا ہے۔ تب دیگر ساری انسانیت صرف دو پاؤں پر چلنے والے حیوان تھے، اس لیے فرق کرنے کے لیے ہمیں کوئی نام نہیں دیا گیا۔ بعض اوقات، ہمیں دیگر لوگوں سے جدا دکھانے کے لیے "اہل بصیرت" کہا جاتا رہا ہے، یعنی "آریائی"، اور دیگر سب "ملیچھ"۔ جب بیرونی زمینوں میں مختلف عقائد وقت کے ساتھ سامنے آنا شروع ہوئے اور یہ اجنبی عقائد کا ہم سے تعامل ہوا، تب جا کر نام رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی.....

.....اور نام "ہندو"، جو کہ سندھو دریا سے اخذ کیا گیا ہے، ہم سے ہماری تاریخ اور روایات میں اتنے لمبے عرصے سے جڑا ہوا ہے کہ اب یہ ہمارا آفاقی طور پر تسلیم شدہ اور پسند کردہ نام ہے۔"[1]

ظاہر ہے کہ جب کوئی بھی اپنی قوم کے تعریف وتحسین میں اس حد تک غلو کرتا ہو کہ اپنی قوم کو "اہل بصیرت" اور دیگر سب کو ملیچھ (ناپاک) گردانتا ہو، حتیٰ کہ اسے خدا تک کا درجہ دیتا ہو تو اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ دیگر تمام اقوام کو اپنی قوم سے حقیر تر تصور کرے اور خود کو ان سے برتر اور حاکم تصور کرے۔ جس بھی قوم میں نسلی تفاخر آیا انہوں نے دوسری قوموں اور نسلوں کو خود سے حقیر ہی جانا۔ جیسے یہودیوں کی صہیونی تحریک اور جرمنی کی نازی تحریک دیگر اقوام کو خود سے حقیر سمجھتے ہیں، یہی معاملہ ہندو قوم پرستوں کا بھی ہے۔ گولوالکر قوم پرستی کی فکر میں نازی جرمنی سے بھی متاثر تھا۔ اس حوالے سے وہ لکھتا ہے:

"اپنی نسل اور ثقافت کو خالص رکھنے کے لیے، جرمنی نے سامی نسلوں (یعنی یہودیوں) سے اپنے ملک کو پاک کر کے دنیا کو حیران کر دیا۔ یہاں نسلی تفاخر کا اظہار اپنے عروج پر کیا گیا۔ جرمنی نے یہ بھی دکھایا کہ کیسے اُن نسلوں اور ثقافتوں کے لیے، جن کی بنیادوں میں ہی اختلاف پایا جاتا ہو، ایک متحد اکائی بن کر رہنا بالکل ناممکن ہے۔ یہ ہندوستان میں ہمارے لیے سیکھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اچھا سبق ہے۔"[2]

گولوالکر نسلی عنصر کو قوم کا سب سے اہم ترین جزو گردانتا ہے۔ اس کی نظر میں اقلیتیں صرف اسی صورت میں معاشرے میں ضم ہو سکتی ہیں اگر وہ اپنے شعائر کو ختم کر دیں، کیونکہ ہندو شعائر 'قومی' ہیں جبکہ اقلیتوں کے شعائر 'خارجی'۔ اپنی کتاب میں وہ لکھتا ہے:

"ہندوستان میں موجود خارجی نسلیں لازمی طور پر یا تو ہندو ثقافت اور زبان کو اپنا لیں، ہندو مذہب کی تعظیم و احترام کرنا سیکھ لیں، ہندو قوم و ثقافت کی تعریف و تحسین کرنے کے علاوہ کسی خیال کو خاطر میں نہ لائیں، اور اپنا علیحدہ وجود ختم کر کے ہندو نسل میں ضم ہو جائیں یا پھر اس ملک میں مکمل طور پر ہندو قوم کے ماتحت بن کر رہیں، کوئی مطالبہ نہ کریں، کسی فائدے یا رعایت کا انہیں حق نہ ہو، ان کے ساتھ کسی قسم کا رعایتی سلوک نہ کیا جائے، حتیٰ کہ انہیں شہری حقوق تک میسر نہ ہوں۔ اُن کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ موجود نہیں ہونا چاہیے۔ ہم ایک قدیم قوم ہیں، اور ہمیں ویسے ہی کرنا چاہیے جیسے کوئی قدیم قوم اُن خارجی نسلوں کے ساتھ کرتی ہے یا اسے کرنا چاہیے، جو ان کے ملک میں آ کر رہنے لگیں۔"[3]

اسلام دشمنی

گولوالکر کے نزدیک ہندوستان کے مالک ہندو ہیں، اور پارسی اور یہودی یہاں پر مہمان ہیں جبکہ مسلمان اور عیسائی حملہ آور۔ جرمنی کے نازی نظریات کو گولوالکر نے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا۔ اس کے نزدیک مسلمان خارجی ہیں جو کہ ہندو معاشرے میں گھس کر اس کو کمزور کر رہے ہیں۔ اس کے نزدیک مسلمان یہاں کے باسی نہیں بلکہ حملہ آور ہیں جن کے عقیدے کا مرکز ہندوستان کی بجائے مکہ ہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے گولوالکر لکھتا ہے:

"پورے ملک میں جہاں بھی کوئی مسجد ہو یا مسلمانوں کا محلہ ہو، مسلمانوں کو لگتا ہے جیسے یہ ان کی ایک آزاد عملداری ہے۔ اگر کوئی ہندوؤں کا جلوس گانے

[1] Bunch of Thoughts by M. S. Golwalkar p. 60, 61
[2] We or Our Nationhood defined – M. S. Golwalkar p. 87, 88
[3] We or Our Nationhood defined – M. S. Golwalkar p. 104, 105

بجانے کے ساتھ گزرے، تو انہیں غصہ آ جاتا ہے کہ ہمارے مذہبی جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ اگر ان کے مذہبی جذبات اتنے نازک ہو چکے ہیں کہ میٹھی سی موسیقی سے بھی خراب ہوتے ہیں تو پھر وہ اپنی مساجد کو جنگلوں میں منتقل کیوں نہیں کر دیتے کہ وہاں خاموشی سے عبادت کریں؟ کیوں وہ بضد ہیں کہ سڑک کنارے ایک پتھر نصب کریں، اس پر سفید رنگ کریں اور کہیں کہ یہ نماز کی جگہ ہے، اور پھر جب موسیقی چلے تو شور برپا کر دیں کہ ان کی نماز میں خلل ڈالا گیا ہے؟.....

..... کیا یہ بات واضح نہیں کہ موسیقی کے حوالے سے مسلمانوں کے نام نہاد مذہبی جذبات کا مذہب سے یا نماز سے حقیقت میں کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ صرف اس نظر سے کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ جھگڑا کھڑا کیا جائے اور اپنے چھوٹے چھوٹے آزاد سیل قائم کیے جائیں؟"[1]

ہندوستان میں ہندو قوم پرستوں کی مسلمانوں کے خلاف جنگ کے حوالے سے گولوالکر لکھتا ہے:

"اُس منحوس دن سے، جب مسلمان پہلی بار ہندوستان میں اترے تھے، آج اِس لمحے تک، ہندو قوم ان لٹیروں کا جوانمردی سے مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ اس جنگ کا نتیجہ ہی ہے کہ آج پانسا ہماری طرف پلٹ چکا ہے، لیکن جنگ جاری رہے گی۔ نہ تو اس کا فیصلہ اب تک ہوا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی خوف موجود ہے کہ اس کا فیصلہ ہمارے خلاف ہو سکتا ہے۔ نسلی روح بیدار ہو رہی ہے۔ شیر مرا نہیں تھا بلکہ سو رہا تھا۔ وہ پھر سے بیدار ہو رہا ہے اور دنیا اس نیا جنم لینے والی ہندو قوم کی طاقت کو دیکھ لے گی کہ کیسے وہ اپنے دشمن کو اپنے قوی بازو سے ختم کرتی ہے۔"[2]

ہندوستانی آئین اور جھنڈے کا انکار

گولوالکر ہندوستان کے سیکولر آئین اور اس کے جھنڈے (ترنگا) کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب حکومت کی طرف سے گولوالکر اور آر ایس ایس کے ساٹھ ہزار کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا اور تنظیم پر پابندی لگا دی گئی تو اس کے بعد پابندی ہٹوانے کے لیے مجبوراً انہیں قبول بھی کرنا پڑا اور ان کی تعظیم کرنے کا عہد بھی کرنا پڑا۔ لیکن اس کے بعد بھی آج تک آر ایس ایس کے دفاتر میں کبھی کسی موقع پر بھی ترنگا نہیں لہرایا گیا بلکہ ہمیشہ "بھگوا دھواج" (زعفرانی جھنڈا) ہی لہرایا جاتا ہے۔

گولوالکر ترنگا پر تنقید کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"ہمارے قائدین نے ہمارے ملک کے لیے ایک نیا جھنڈا متعارف کروایا ہے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ معاملہ صرف انحراف اور تقلید کا ہے۔ یہ جھنڈا کیسے وجود میں آیا؟ فرانسیسی انقلاب کے دوران، فرانسیسیوں نے اپنے جھنڈے پر تین رنگی دھاریں لگائیں تاکہ 'آزادی'، 'مساوات' اور 'بھائی چارے' کے تین نظریات کا اظہار ہو سکے۔ امریکی انقلاب بھی انہیں اصولوں سے متاثر ہوا اور اس نے بھی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ تین رنگی دھاروں کو اپنایا۔ اس لیے تین رنگی دھاروں میں ہمارے آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کو بھی کچھ دلکشی نظر آتی ہے۔ اس لیے کانگریس نے اسے اپنا لیا۔ پھر اس کی توجیح یہ پیش کی گئی کہ یہ ملک میں موجود مختلف گروہوں کے اتحاد کی علامت ہے۔ زعفرانی رنگ ہندوؤں کی علامت، سبز مسلمانوں کی اور سفید دیگر تمام گروہوں کے لیے۔ غیر ہندو گروہوں میں سے مسلمانوں کا نام خاص طور پر اس لیے لیا گیا کہ ہمارے سرکردہ رہنماؤں میں سے زیادہ تر کے ذہن میں مسلمان غالب تھے اور ان کا نام لیے بغیر ان کے خیال میں ہماری قومیت مکمل نہیں ہو سکتی! جب کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس توجیہ سے تو فرقہ پرستی کی بو آتی ہے تو ایک تازہ وضاحت پیش کر دی گئی کہ زعفرانی رنگ کا مطلب ہے قربانی، سفید رنگ پاکیزگی کی علامت ہے جبکہ سبز رنگ امن کی.....

..... آج اسی جھنڈے کو ہمارا ریاستی جھنڈا بنا دیا گیا ہے جس ریاست کی ایک تابناک تاریخ ہے۔ پھر، کیا ہمارا اپنا کوئی جھنڈا نہیں تھا؟ کیا ہماری کوئی قومی علامت ان ہزاروں سالوں میں موجود نہیں رہی؟ بلاشبہ، ہم رکھتے تھے۔ پھر یہ خلا، یہ ہمارے دماغوں میں مکمل خلا کیوں ہے؟"[3]

اسی طرح گولوالکر آئینِ ہند پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہمارا آئین بھی بہت سے مغربی ممالک کے آئینوں کی بہت سی شقوں کو بے ڈھنگے انداز میں جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اس میں سرے سے کچھ بھی ایسا نہیں ہے جسے ہم اپنا کہہ سکیں۔ کیا اس کے رہنما اصولوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا ہے جو یہ اشارہ دیتا ہو کہ ہمارا قومی مشن کیا ہے اور ہماری زندگی کی اساس کیا ہے؟ نہیں! اقوام متحدہ کے چارٹر سے یا سابقہ لیگ آف نیشنز کے چارٹر سے حاصل کیے ہوئے کچھ لولے لنگڑے اصول ہیں اور کچھ چیزیں امریکی اور برطانوی آئین سے حاصل کیں ہیں اور ان سب کو جوڑ کر ایک کھچڑی سی بنا دی گئی ہے۔"[4]

---

[1] Bunch of Thoughts by M. S. Golwalkar p. 152, 153
[2] We or Our Nationhood defined, M. S. Golwalkar p. 51, 52
[3] Bunch of Thoughts by M. S. Golwalkar p.188
[4] Bunch of Thoughts by M. S. Golwalkar p. 188

چند اہم ملاحظات

ہندُتوا کے مفکرین کی زندگی اور افکار سے ہندُتوا کے نظریے اور اس کو ماننے والے قوم پرستوں کے حوالے سے چند اہم نکات واضح ہوتے ہیں۔

ہندُتوا نظریہ کے محرکات

شدید نسلی تفاخر

ہندو قوم پرست شدید نسلی تفاخر پر یقین رکھتے ہیں اور خود کو دنیا کی دیگر تمام اقوام سے برتر تصور کرتے ہیں۔ خود کو 'اہل بصیرت' جبکہ باقی تمام انسانوں کو 'ملیچھ' یعنی ناپاک تصور کرتے ہیں۔ جرمن نازی بھی خود کو دوسروں سے برتر قوم تصور کرتے تھے، یہودی ان سے آگے بڑھتے ہوئے خود کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں لیکن ہندوؤں کا تفاخر ان سے بھی کہیں زیادہ ہے کہ یہ تو اپنی قوم کو ہی خدا تصور کرتے ہیں۔ اتنے شدید نسلی تفاخر کی وجہ سے ان کی سوچ یہ بن گئی ہے کہ ہندوستان میں دیگر جو بھی اقوام رہیں وہ ان کے ماتحت بن کر رہیں، ان کو اپنے سے برتر تصور کریں، ان کے رسوم ورواج کو اپنے رسوم ورواج سے اعلیٰ تر تصور کریں، اور ان کے مقدسات کو اپنے مقدسات سے مقدس تر تصور کریں، تب ہی وہ ہندوستان میں رہنے کا حق حاصل کر سکتے ہیں ورنہ انہیں یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

ہندو مذہب کے وجود کو لاحق خطرات

- ہندو مت دیومالائی داستانوں، مضحکہ خیز عقائد اور پیچیدہ اور ایک دوسرے سے متضاد فلسفوں پر مشتمل مذہب ہے۔ جب اسلام اس خطے میں متعارف ہوا تو عقل و سمجھ رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس طرف مائل ہوئی اور لوگ تیزی سے مسلمان ہونے لگے۔ اس لیے اسلام سے ہندو مت کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا جس کی وجہ سے ہندُتوا کے نظریے میں سب سے اوّلین دشمن مسلمان ہیں۔
- ہندو قوم ذات پات اور طبقات میں بری طرح گھِری ہوئی ہے۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کو عرفاً بنیادی انسانی حقوق تک میسر نہیں۔ ہندو معاشروں میں ان کی زندگی غلاموں سے بھی بدتر رہی ہے جس کی وجہ سے جب مسلمان آئے اور خاص طور پر جب مسلمان حاکم بنے تو نچلی ذات کے ہندوؤں کی بڑی تعداد مسلمان ہونے لگی تاکہ معاشرے میں اپنی سطح کو بلند کر سکیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے ساتھ مل کر رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر بھی یہی ذات پات کی تفریق پیدا ہو گئی اور وہ بھی ان نچلی ذات کے ہندوؤں کو کم تر تصور کرنے لگے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے خود ان کے اندر بھی ذات پات کی تقسیم پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ پھر جب برطانوی حکمران بنے تو نچلی ذات کے ہندوؤں کو اپنی معاشرتی سطح کو بلند کرنے کا ایک اور موقع میسر آیا اور ان کی بڑی تعداد عیسائی ہونا شروع ہو گئی۔ اس لیے ہندو قوم پرستوں کے نزدیک اوّلین دشمن مسلمان جبکہ دوسرے نمبر پر دشمن عیسائی ہیں اور یہ تحریک ان دو مذاہب کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔

تحریکِ خلافت

ہندوؤں میں نسلی تفاخر اور ان کے وجود کو لاحق خطرات تو پہلے سے چلے آ رہے تھے لیکن جس چیز نے ہندو قوم پرستوں کو عمل پر ابھارا اور ہندُتوا کے سیاسی نظریے کی بنیاد پڑی وہ برصغیر میں چلنے والی تحریکِ خلافت تھی جس کا آغاز ۱۹۱۵ء میں ہوا۔ ہندو قوم پرستوں کو غصہ اور حسد اس بات پر تھا کہ آخر کیوں ہندوستان میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے دل ترکی میں موجود خلافت کے لیے دھڑکتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کی ساری وفاداریاں اور ہمدردیاں ہندوستان سے زیادہ اپنی مقدسات سے اور ہندوستان سے باہر اپنے لوگوں سے ہیں۔ اور ان امور میں مسلمان پوری طرح متحد ہیں جبکہ ہندو ہندوستان میں رہتے ہوئے ایک ہی قوم اور نسل ہونے کے باوجود بھی متحد نہیں ہیں۔ اسی لیے ہندوؤں کی قوم پرست تنظیمیں بھی اسی تحریکِ خلافت کے بعد وجود میں آئیں۔ ساورکر نے بھی خود اقرار کیا کہ اس نے ہندُتوا کا نظریہ تحریکِ خلافت ہی کے ردّ عمل میں متعارف کروایا تھا۔

ہندو قوم پرستوں کے مشترک اوصاف

ثابت قدمی کا فقدان

ساورکر اور گولوالکر کی زندگی سے اور اسی طرح کے دیگر قوم پرستوں کی زندگی سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے اندر ثابت قدمی کا فقدان ہے۔ ساورکر کالا پانی کی جیل میں ایک مہینہ بھی سختی برداشت نہ کر سکا اور رحم کی اپیل کر دی اور اپنے تمام کاموں سے توبہ کرنے کا، برطانوی راج سے وفاداری کرنے کا اور ساتھ ہی دیگر ایسے نظریات کے لوگوں کو بھی ایسے نظریات سے ہٹانے کا وعدہ کر لیا، اور بعد میں بھی اس وعدے پر قائم رہا۔

یہی معاملہ گولوالکر میں بھی نظر آتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں سیکولر آئین بنانے کی اور ترنگا کو قومی جھنڈا بنانے کی نظریاتی بنیادوں پر شدید مخالفت کے باوجود جب سختیاں پڑیں اور گرفتاریاں ہوئیں اور آر ایس ایس پر پابندیاں لگیں تو فوراً اپنے ان نظریات سے رجوع کر لیا اور ہندوستان کے سیکولر آئین کو بھی تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ وفاداری کا عہد بھی کر لیا اور ترنگا کو بھی قومی پرچم کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس کی بھی تعظیم کا عہد کر لیا۔

اس رویے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آخر کیوں ہندو قوم پرست تنظیموں نے اور ہندُتوا کے نظریے نے تقسیمِ ہند کے قریب ہی جڑیں پکڑیں۔ جب ان قوم پرستوں کو یقین ہو گیا کہ اب وہ ہندوستان میں غالب آنے والے ہیں تو انہوں نے پر نکالنا شروع کر دیے اور جب ہندوستان آزاد ہو گیا اور ہندو غالب طاقت بن کر سامنے آ گئے تو یہ کھل کر سامنے آ گئے، اس میں بھی یہ تب تک پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئے جب تک کہ انہیں اقتدار نہیں ملا۔

جب انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو انہوں نے سب نقاب اتار پھینکے اور اپنے اصلی بھیانک چہرے کے ساتھ بلاخوف وخطر سامنے آ گئے۔

اصولوں پر مفادات کو ترجیح

ہندو قوم پرست اپنے اصولوں پر اس وقت تک ہی قائم رہتے ہیں جب تک کہ ان کے مفادات پر ضرب نہ لگ رہی ہو۔ اگر کہیں ان کے مفادات پر ضرب لگے تو وہ فوراً اپنے اصولوں کی قربانی دے دیتے ہیں۔ ساور کر برطانوی راج کا مخالف تھا اور ہندُتوا کے نظریے میں بھی اور ان قوم پرست ہندوؤں کے نزدیک بھی عیسائیوں کا درجہ دشمن اور حملہ آور کا ہے۔ لیکن چونکہ برطانیہ کی حکومت تھی اور حکومت کے خلاف جانے سے سنگین نتائج بھگتنا پڑتے، اور عزیمت کا لفظ ان کی لغت میں بھی موجود نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر اصولوں کو قربان کر دیا اور ساور کر اور گولوالکر دونوں نے اور ان کی تنظیموں، ہندو مہاسبھا اور آر ایس ایس نے برطانوی راج کی مخالفت سے مکمل پرہیز کیا بلکہ الٹا اس راج کی حمایت کی اور اس بات کو خاطر میں نہیں لائے کہ یہ وہی عیسائی حملہ آور ہیں جن کے خلاف یہ ہندوؤں کو کھڑا کر رہے ہیں۔

یہی معاملہ ہندوستان کی آزادی کے بعد بھی رہا۔ گولوالکر اور آر ایس ایس ہندوستانی آئین اور ترنگا کے سخت مخالفین تھے۔ لیکن اس مخالفت کی وجہ سے جب انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑی اور جب آر ایس ایس پر پابندی لگ گئی تو یہ پابندی ہٹوانے اور سختیوں سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنے اصولوں پر سودے بازی کر لی اور انہوں نے اپنا ایک تحریری آئین بنایا اور ہندوستانی آئین کی پاسداری اور احترام اور ریاستی جھنڈے ترنگا کو قبول کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا عہد کر لیا۔

بے دریغ جھوٹ اور مبالغہ آرائی

مسلمانوں اور عیسائیوں پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ خارجی حملہ آور ہیں ہندوستان کے مقامی نہیں ہیں۔ اور اس سرزمین پر اصل حق ہندوؤں کا ہے۔ لیکن پھر جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندو بھی تو آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اس سرزمین پر کہیں اور سے آئے تھے۔ اس بارے میں بھی ایک ہندو نے شدید مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ہندو قطب شمالی سے آئے تھے اور ان کے قدیم وید قطب شمالی میں برفانی دور کے دوران لکھے گئے تھے۔ لیکن چونکہ اس نظریے سے ہندوؤں کے بھی اس سرزمین پر مقامی ہونے کی نفی ہو جاتی ہے اور پھر انہیں کوئی حق نہیں رہتا کہ وہ مسلمانوں کو یہاں پر خارجی کہیں کہ اس تعریف کے اعتبار سے وہ خود بھی خارجی بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ تو ان کے اپنے مذہبی ویدوں میں لکھا موجود تھا کہ آریائی قطب شمالی سے آئے ہیں تو اس کا انکار کیسے ممکن ہو؟ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے گولوالکر نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ ایک بے سروپا جھوٹ گھڑ لیا کہ قطب شمالی ہی پہلے ہندوستان میں تھا اور ہجرت کر کے ہندو اس خطے میں نہیں آئے تھے بلکہ قطب شمالی یہاں سے ہجرت کر گیا۔ عقل و منطق کے اعتبار سے یہ کیسی احمقانہ بات ہے اس کو وہ بالکل خاطر میں نہیں لایا۔ اسی ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ سب ہندو قوم پرست گھڑتے رہتے ہیں اور ان کی پوری تاریخ اسی طرح کے بے سروپا جھوٹوں اور افسانوں پر مشتمل ہے۔

مظلومیت اور حق تلفی کا رونا

ایک اور چیز جو سب ہندو قوم پرستوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ یہ ہر وقت مظلومیت اور حق تلفی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صدیوں سے مسلمان ہندوؤں پر مظالم کے پہاڑ توڑتے آ رہے ہیں، اور انہیں ہندوستان سے ختم کرنا اور نکالنا اشد ضروری ہے ورنہ یہ پھر طاقت میں آ کر ہمیں چن چن کر ختم کر ڈالیں گے۔ اسی طرح ہندوستان کی آزادی کے بعد سے آج تک ہندو قوم پرست یہ رونا روتے آ رہے ہیں کہ ان کی حق تلفی ہو رہی ہے، مسلمانوں کو رعایتیں دی جا رہی ہیں مراعات دی جا رہی ہیں جبکہ ہندوؤں کے حقوق انہیں نہیں دیے جا رہے۔ حد تو یہ ہے کہ آج ان قوم پرستوں کا اپنا دورِ حکومت ہے، مسلمانوں کے سب حقوق غصب کر کے بیٹھے ہیں اور روزانہ کی بنیاد پر مسلمانوں کا قتل عام بھی کر رہے ہیں، پھر بھی یہ پوری ڈھٹائی سے آج بھی یہی رونا رو رہے ہیں۔

تحریکِ آزادی کے کرداروں سے عداوت

ہم ضمنی طور پر پیچھے یہ بات تو کر ہی آئے ہیں کہ ہندو قوم پرست نہ ہندوستان کے آئین کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی قومی جھنڈے کو بلکہ ان کا مطالبہ ہے کہ ترنگا کی بجائے 'بھگوا دھواج' (زعفرانی جھنڈا) کو قومی جھنڈا بنایا جائے اور سیکولر آئین کو ختم کر کے آئین کو مانوّدھرم شاستر کے مطابق تشکیل دیا جائے اور ہندوستان کو ہندو راشٹر بنایا جائے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ آزادئ ہند کے کرداروں سے بھی عداوت رکھتے ہیں۔ اور گاندھی اور نہرو کے سخت مخالفین ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ہندُتوا کے دونوں بڑے مفکرین کا نام گاندھی کے قتل کے ملزمین میں شامل ہے۔ اور گاندھی کے قاتل ناتھو رام گوڈسے کا ان دونوں سے ہی تعلق تھا۔ اور آج یہی قوم پرست گوڈسے کو 'دیش بھگت' (قومی ہیرو) قرار دے رہے ہیں، اور گاندھی کے قتل کو عظیم بہادری کا کام گردانتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جب یہ قوم پرست نہ ہندوستانی آئین کو مانتے ہیں نہ ترنگا کی تعظیم کرتے ہیں اور نہ ہی آزاد ہندوستان کے دو بڑی شخصیات گاندھی اور نہرو کو اچھا سمجھتے ہیں، تو پھر تو انہیں ملک کا غدّار کہا جانا چاہیے۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ غدار کہلا کر جیلوں میں ہوتے یہ آج اقتدار کے ایوانوں میں موجود ہیں اور وہ ہندوستانی مسلمان جو نہ ہندوستانی آئین کا انکار کرتے ہیں نہ قومی پرچم کا اور جو گاندھی اور نہرو کو بھی برا نہیں کہتے، ان پر ملک کے غدار ہونے کا لیبل چسپاں کیا جا رہا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

منزل ہم سے اوجھل نہ ہونے پائے پیارو!

مولانا قاری عبدالعزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان وادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالا ہے۔ اس کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنہ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابوحفصہ عبدالحلیم ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبدالعزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہوگئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے پیارے بچو.....!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام ودعا کے بعد امید ہے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت سے اپنے نانا جان کے ہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ میں بھی آپ سب کی نیک دعاؤں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بے انتہا مہربانی سے خیر وعافیت میں ہوں۔ سوات کی تازہ ترین حالات پر مشتمل گھن گرج کی خبریں کسی سے ملی ہیں تو اپنی خیریت آپ لوگوں کے اطمینان وطمانیت قلب کے لیے بھیج رہا ہوں۔

میں اپنے سب پیارے بچوں کے لیے چند باتیں عرض کیے دیتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ سب ہی ننھے منے اس پر سختی سے عمل کریں گے (ان شاء اللہ)۔ اس پر اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو گا اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ہمیں جنت سے نوازیں گے (ان شاء اللہ)۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا اصل گھر جنت ہے، ہمیں اس پر ہمیشہ نگاہ جمائے رکھنا ہے کیونکہ یہی ہماری آخری منزل ہے۔ اگر ہماری آخری منزل ہی ہم سے اوجھل ہو جائے تو اس مسافر خانے میں ہم سے زیادہ بدبخت وخسارہ پانے والا مسافر اور کوئی نہیں ہو گا۔ اس آخری منزل کو نگاہ میں رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ رب ذوالجلال نے مسافروں کے لیے جو ہدایت نامہ قرآن پاک کی صورت میں دیا ہے اسے خوب خوب یاد کریں اور بار بار دہرائیں تاکہ منزل واضح طور پر آنکھوں کے سامنے دکھائی دے۔ اس مسافر خانے میں کسی ایسی چیز کی طرف دھیان نہ دینا جو منزل مقصود کو بھلا دیتی ہو، ہاں اس سفر میں ایک اور چیز کی طرف بہت زیادہ خیال رکھنا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوران سفر ان تمام ڈاکوؤں اور رہزنوں سے ہوشیار اور چوکنا رہنا ہے جو اصل منزل کی طرف جانے سے روکتے ہوں۔ اس مسافر خانے میں کسی ایسے بھولے بھالے دوست مسافر کی باتوں میں بھی نہیں آنا جو منزل کو کھوٹا کرنا چاہتا ہو۔

اے میرے پیارے بچو! آخری منزل کو خیر وعافیت سے پانے اور وہاں تک سلامتی کے ساتھ پہنچنے کے لیے اسی منزل کے مالک جو اس مسافر خانے کا بھی مالک ہے اس کو ہر لمحہ ہر پل یاد رکھنا ہے، اسی اللہ وحدہ لا شرک سے خوب خوب دعائیں اور التجائیں کرنی ہیں اور اسی ربِّ دوجہاں سے توفیق مانگنی ہے کہ وہ ہمیں جنت میں گھر بنانے اور طرح طرح کے پھول و پھل کے درختوں سے آراستہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس راستے میں رکاوٹ بننے والے ان تمام ڈاکوؤں، رہزنوں اور بھولے بھالے دوستوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس جنت کو آباد کرنے اور وہاں تک پہنچنے کے لیے آج کل کیا ہو رہا ہے؟ اس کے لیے صبح وشام کے اذکارِ مسنونہ کا کیا حال ہے؟ کیا نماز پنج وقت باقاعدگی سے ادا ہو رہی ہے؟ کیا اللہ کے دوستوں کے لیے دعائیں کر رہے ہیں؟ اپنی جنت اور اپنے بزرگوں کی جنت کو پکا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سے چیزوں سے رکنے، بہت سی چیزیں نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر ہم ان تمام چیزوں سے نہیں رکیں گے تو اے میرے پیارے بچو! ہم اپنے ہاتھوں سے اپنی جنت کو کچا کرنے کے درپے ہوں گے۔

اس لیے اے میرے پیارے بچو! خوب سن لو اور خوب اپنے پلّو میں یہ باتیں باندھ لو!!! موجودہ دور کے فتنے جنت کو کچا کرنے کے فتنے ہیں۔ ان فتنوں میں ٹی وی ڈراموں کا فتنہ ہے، (سیکولر اداروں کی) دجالی تعلیم کا فتنہ ہے اور معاشرے میں اسٹیٹس والے معاش کا فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جنوں وانسانوں، چرند وپرند اور جنگل کے جانوروں کو پیدا کیا اور سب کو وہی کھانا پینا کھلاتا پلاتا ہے اور وہی ان سب کو رزق دیتا ہے کیونکہ وہی اللہ بہترین رزق دینے والا ہے وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ..... "اور اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے"۔ اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ..... "اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور مضبوط ہے"۔

اے میرے پیارے بچو! میرے والد محترم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے اپنے والد بزرگ (تمہارے دادا جان) کی آرزو اور ارمان کی لاج رکھنے کی اپنی سی کوشش کی ہے اور آپ لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کے راستے میں لگایا ہے۔ آپ لوگ مجھے اپنا سچا خیر خواہ سمجھو! میں نے آپ لوگوں کو دنیا کے دھوکے میں آکر دوسرے لوگوں کی طرح امتحان میں نہیں ڈالا بلکہ خالص اللہ کی راہ دکھائی۔

(باقی صفحہ نمبر 39 پر)

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کیا خوب امیرِ فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

شب بھر میں جس مسجد کو بنانے کی بات ہے تو ایک تو لاہور میں قائم 'شب بھر مسجد' ہے اور دوسری مسجد سے مراد 'پاکستان'۔ اس پاکستان کو جذبے اور جنونِ صادق سے بہت کم وقت میں بنا لیا گیا، لاکھوں سر کٹے، لاکھوں عزتیں لٹیں، قربانیاں لگیں وطن بن گیا، حدودِ اربعہ متعین ہوا۔ لیکن 'من اپنا پرانی پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا'۔ نمازی، نمازی بھی ہے اور غازی بھی۔ انہی غازیوں اور نمازیوں نے اب اس عمارتِ مسجد کو حقیقتاً 'مسجد'، جہاں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوتی ہو بنانا تھا، وہ مسجد جہاں نظامِ شریعت حاکم ہوتا ہے کسی طاغوت کا ورلڈ آرڈر نہیں۔ مسجد اقامتِ اسلام کی بہترین مثال ہے، اسلام کے سارے نظام کا مرکز ہے۔ نظامِ مسجد وقتِ فرض پر کسی کو گنجائش نہیں دیتا، کوئی امیر ہو یا بادشاہ۔ بلکہ نظامِ مسجد میں اگر اس نظام کو چلانے والا 'امام' اگر موجود نہ ہو تو نظامِ مسجد اس امام کے بعد بہترین شخص کو وقتی امام بھی بنا دیتا ہے۔ خدانخواستہ اگر امام کسی کجی کا شکار ہو رہے تو یہاں امام بدلا جا سکتا ہے لیکن نظامِ خدا اور پکارِ فرض پر عملِ لبیک نہیں۔ یہی حال کچھ ہمارا بھی ہے، برسوں کے پاپی من نے ہمیں نہ نمازی بنایا اور نہ وہ غازی جو یہاں اقامتِ نماز اور حفاظتِ اقامتِ نماز کرتا۔

ایک طرف نام و نسب کا حجازی فیصل ابنِ شریفِ مکہ ہے اور ان باپ بیٹا بلکہ ان کی اولاد کی آج تک کی تاریخ اسلام سے غداری کی ہے اور اسی طرح نام و نسب کے خادمینِ حرمین شریفین کا خاندان آلِ سعود بھی ہے۔ ہمیں ان خاندانوں سے کوئی بغض و عناد نہیں سوائے اس بات کے، کہ انہوں نے پرچمِ اسلام کو حجاز و نجد اور شام و عراق میں سرنگوں کر دیا اور طواغیتِ زمانہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے نظامِ کفر کے جھنڈے سر بلند کر دیے۔ ایسوں ہی کے لیے لیبیا کی سنوسی تحریک کے ایک بلند قامت قائد عمر المختار کا قول و عمل سے مزین پیغام ہے، جب انہیں پرچمِ اسلام گرا کر کفر کے سامنے تسلیم ہو جانے کو کہا گیا تو انہوں نے جواباً کہا "نحن قوم لا نستسلم ، ننتصر أو نموت"، "ہمارا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جو تسلیم ہو جانا نہیں جانتی، ہم یا ظفر مند ٹھہرتے ہیں یا جامِ شہادت پی لیتے ہیں"۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جس کے متعلق ماہر القادری مرحوم نے کہا تھا:

سلام اسؐ پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

اسی سرفروشی کے فسانے میں آج ملا عمر نے ایک ٹکڑا بڑھایا اور کفر کے سامنے تسلیم ہونے سے انکار کر دیا اور عشق و مستی میں کہا "ایک طرف بش کا وعدہ ہے جو ہمیں شکست و ریخت کا شکار کر دینے کا کہتا ہے اور دوسری جانب اللہ کا وعدہ ہے، دیکھتے ہیں کس کا وعدہ سچا ہوتا ہے"، اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ نام و نسب کا حجازی ہونا نہیں قلب و روح کا حجازی ہونا مطلوب ہے۔ محض خانہ پری کر کے رحمۃ للعالمین اتھارٹیاں بنانا نہیں، رحمۃ للعالمین کی شریعت کو قانون بنانا مطلوب ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 18 پر)

تشریح و ترجمانی: محمد عفان عثمان جے پوری

حیّ علی الجہاد!

عافیہ صدیقی، مظلوم بہنو اور اے امت کے نوجوانو!

قاری صہیب انصاری

جب میں ظالم و وحشی درندوں کے آہنی پنجروں میں بند تھا، تو کبھی کبھی درد والم کا احساس مجھ پر حاوی ہو جایا کرتا، اور پھر یہ درد والم میرے دل کی دنیا میں برداشت سے باہر ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی میں اپنے تصور کے رنگ و نور کی دنیا میں، ہمت و غیرت کے راستے پر اپنے قدم ڈال دیتا۔ پھر میں ابطالِ امت کے سجائے مزاحمت و مقاومت کرتے سنگروں پر جا پہنچتا اور وہاں سے بے دین و بے حمیت شیطان نما انسانوں سے جنگ کیا کرتا۔ میں ان مورچوں پر زخمی مجاہدوں کی مرہم پٹی کیا کرتا اور شہید ہو جانے والے بہادروں کے خون سے پھوٹتی قیمتی مشک کو سونگھتا، ایک عظیم جذبہ میرے دل میں پیدا ہو جاتا اور پھر میں آسمان جیسے بلند ایثار و قربانی کے احساس کا مزہ پاتا۔

کبھی کبھی میں عشق کے کوہِ طور پر چلا جاتا، وہاں امت کے بے حس نوجوانوں کا سوچتا اور پھر اس عشق کے کوہِ طور پر بیٹھ کر اپنے رب سے ان جوانوں کا شکوہ کرتا اور ان کے لیے اپنے رب کے سامنے آنسو بہاتا!

کبھی کبھی میں پابہ سلاسل اور زنجیروں میں جکڑی عافیہ صدیقی اور اپنی دیگر غیرت مند بہنوں کے پنجروں کے سامنے جاتا اور چیخ چیخ کر روتا اور ان کے سامنے بے غیرت اور بے غم جوانوں کی شکایت کرتا۔

کبھی کبھی میں زندان کے اندھیرے اور وحشت ناک پنجروں کی فضا میں، اپنے دل کی روشن دنیا میں بیٹھ کر اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے جوانوں سے گلے کرتا تو کبھی ان قیمتی نوجوانوں کو نصیحتیں۔

اے مسلمان نوجوان!

کیا تم جانتے ہو کہ اگر ایک نوجوان کے احساس و وجدان کو بے غیرتی و ذلت کی زنجیروں سے جکڑ دیا جائے اور یہ نوجوان خواہشاتِ نفسانی کے اندھیرے اور بدبخت قید خانے میں شام و سحر کرتا ہو تو یہ کتنا تکلیف دہ امر ہے؟ ایسی زندگی کیسی ذلت آمیز اور کیسی بدمزہ ہو گی؟

اے آرام دہ زندگی کے خوگر مسلمان نوجوان!

کیا تم جانتے ہو کہ ایک طرف وہ باشعور نوجوان ہے جو زنجیروں در زنجیروں میں جکڑی ہوئی زندگی کے باوجود ایک آزاد اور غیرت مند ضمیر رکھتا ہے اور اپنے مظلوم مسلمان قیدیوں بالخصوص قیدی بہنوں کی خاطر آنسو بہاتا ہے اور خود کو اور اپنے اوپر بیتتے ظلم کو، ستم کو بھول جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف ایک ایسا نوجوان ہے جو بدقسمتی سے آزاد ہے، راحتوں سے بھری آسودہ زندگی گزارتا ہے، اس کے پاس صحت بھی ہے، مال بھی ہے اور بہت سی اور نعمتیں بھی، لیکن اس کا ضمیر مغرب کے خطرناک میڈیا اور نفسانی خواہشات کی سیاہ اور میلی گرد تلے دبا ہوا ہے اور یہ سب اسے مظلوموں کے دفاع میں کھڑا ہونے نہیں دیتے، یہ نوجوان اس سب ظلم کا ادراک ہی نہیں رکھتا!!!

اے امتِ محمدؐیہ کے پشتی بان نوجوان!

جاؤ کسی پر سکون جگہ پر جا بیٹھو! پھر وہاں بیٹھ کر تصور کی آنکھ سے دیکھو کہ تمہاری اپنی سگی بہن، تمہاری ماں یا تمہاری بیوی زنجیروں اور ہتھ کڑیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ پھر اس کی چیخیں سنو اور وحشی درندوں کا اس پر ٹوٹتا ظلم دیکھو..... اب اپنا وجود دیکھو، اپنی طاقت دیکھو، اپنی صحت دیکھو، اپنا علم دیکھو، اپنے کمالاتِ فن دیکھو اور سوچو کہ تمہیں اپنے گھر کی ان عورتوں کے دفاع اور ان کو چھڑوانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

یہ سب سوچنے اور تصور کرنے کے بعد بھی اگر تمہارے احساس اور ضمیر کی غیرت نہیں جاگی اور اگر تم 'وامعتصماہ' کے نعرے پر لبیک کہنے کو آمادہ نہیں ہوئے اور اگر تم نے اب بھی فرعون کو غرق کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تو سن لو!!!

'تم دنیا کے بے حس ترین اور بے غیرت ترین نوجوان ہو اور تمہارے لیے "نوجوان" کا لفظ استعمال کرنا ظلم اور ننگ ہے!'

وہ کمزور مرغی تم سے بہتر ہے جو اپنے چوزوں کے دفاع میں اپنے سے قوی تر دشمن کے سامنے ڈٹ جاتی ہے!

تمہیں امت کے نوجوانوں کی صف سے بے دخل کر دینا چاہیے کہ ایک باشعور انسان جب 'مسلمان نوجوان' کی اصطلاح سنتا ہے تو اس کے ذہن میں 'غیرت'، 'شجاعت'، 'قربانی' اور 'جرأت' کی تصویر بننے لگتی ہے۔

تم اپنی زبان سے خالد ابن الولیدؓ، اسد اللہ حمزہ بن عبد المطلبؓ، سلمان فارسیؓ اور طارق ابنِ زیادؒ کا ذکر نہیں کرتے؟ اس لیے کہ وہ غیرت مند جوانان تھے اور تم ان جیسے نہیں..... او کجا تو کجا؟ تم اس لائق ہی نہیں کہ ان سے اپنے آپ کو منسوب کرو!

مختلف حیلوں بہانوں سے جان بچائے بیٹھے، جہاد سے رُوگرداں نوجوان!

محشر کے سخت ترین دن جب خوف کے مارے دل حلق میں آجائیں گے اور دل ایسی تنگی کا شکار ہوں گے کہ یہ سب بیان سے باہر ہے..... اس سخت ترین روز جب قاضیٔ متعال ربّ کے سامنے تمہاری مظلوم بہنیں زنجیروں میں بندھی، بیڑیوں میں جکڑی پیش ہوں گی تو وہ تمہاری شکایت اپنی چیخوں کی زبانی اپنے رب کے سامنے کریں گی اور تمہارے گریبان میں ہاتھ ڈالیں گی اور کہیں گی:

"یا اللہ! یہ نوجوان اپنی آرام دہ زندگی میں مگن تھا اور ہم اس کے سامنے وحشی کافروں کے ہاتھوں بے عزت کی جارہی تھیں، لیکن اس کی زبان سے ایک حرف بھی ہمارے حق میں نہ نکلا! یا اللہ! تو اس سے ہمارا حساب لے کہ اگر ہمیں کسی سے شکوہ ہے تو اسی بے حس نوجوان سے ہے۔ یا اللہ! یہ ہمارا دینی بھائی تھا، ہمارا بے غیرت و بے حس بھائی..... جو ہم سے زیادہ آرام و سکون اور راحت والی زندگی سے محبت کرتا تھا!"

میرے نوجوان بھائی! ذرا اس روزِ محشر کا یہ تصور کرو اور پھر سوچو کہ اس روز ان مظلوموں کو اور اپنے عظیم رب کو کیا جواب دوگے؟

اے گھر میں بیٹھے نوجوان!

قیامت کے دن قربانیاں پیش کرنے والا بہادر جوانوں کا ایک ایسا گروہ ہوگا، جو اپنے خالق کے سامنے اس حال میں آئے گا کہ انہوں نے خالق کی رضا اور مظلوموں کے دفاع میں بارود کو اوڑھ پہن کر اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہوں گے اور ان کا جسم جلا ہوا ہوگا، کچھ ایسے بھی ہوں گے جو رسیوں میں بندھے اور زنجیروں میں جکڑے پیش ہوں گے..... ایسے میں یہ مظلوم، یہ مظلوم قیدی بہنیں ان کی طرف بڑھیں گی اور ان پر فخر کریں گی اور خالق ان سے اپنی رضا کا اعلان کر دے گا۔

لیکن تم ایک ایسے گروہ کے ساتھ اٹھو گے جس نے تمام عمر کچھ نہ کیا ہوگا۔ تم نے اپنی زندگی آرام و سکون اور اپنے نفس کی اطاعت میں گزاری ہوگی۔ خالق تم پر غضب ناک ہوگا اور مظلوم تم سے حساب مانگیں گے..... سوچو اس روز تمہارا کیا حال ہوگا؟

ہاں.....!

اس روز کا تصور ہی ایک حساس انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے، انسان غم و الم کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے، دنیا کا ہر سکون اور دنیا کی ہر راحت اس تصور ہی سے بدمزہ ہو جاتی ہے تو حقیقت میں وہ دن کتنا تکلیف دہ ہوگا..... فالعیاذ باللہ!

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ.

"اے ہمارے رب تو نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بے شک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے۔ ہمارے پروردگار تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔"

☆☆☆☆☆

پس یہی ہے اصل راستہ!

میرے محبوب مجاہدین اسلام! یہی ہے راہِ حق، یہ انبیاء و رسل کا رستہ ہے، انبیا کے ساتھیوں کا رستہ ہے اور قیامت تک ان کے رستے پر چلنے والوں کی راہ ہے، یہ راہ ہے آزمائشوں اور مصائب کی، وہن سے بچتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی، استغفار و دعاؤں کی کثرت کی، پھر ان سب کے بدلے میں دنیا میں عزت و عفت اور آخرت میں اللہ کے احسان سے ثواب و فلاح تمہاری منتظر ہے، یہ قافلہ ایک مستقل دعوت اور کبھی نہ رکنے والے جہاد میں مصروف ہے اس وقت سے مصروف ہے جب سے اللہ نے اس زمین کو تخلیق فرمایا اور اس وقت تک مصروف رہے گا جب تک اللہ اس زمین اور اس پر رہنے والوں کی بساط لپیٹ نہ دے۔ یہ قافلہ کسی قائد کی شہادت یا کسی رہنما کو کھو دینے سے نہیں تھمتا، کسی تکلیف و آزمائش کے سبب سے پیچھے نہیں ہٹتا، وسائل و افراد کی قلت یا وقتی ہزیمت کے سبب واپسی کی راہ نہیں لیتا بلکہ ان سب رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا ہر آزمائش سے مزید ہمت، قوی تر عزم اور پختہ تر ارادے لے کر مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے محبوب نبی ﷺ کے صحابہؓ نے آپؐ کے ہمراہ احد کے دن عملاً کر کے دکھایا۔

(حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ)

جمہوریت اپنے آئینے میں

حضرت مولانا سیّد محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی مملکت میں جملہ اختیارات ایک ہی کو دیے جاتے ہیں۔ اس کو امام کہا جاتا ہے، جو پوری مملکت کا واحد سربراہ ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک کی تعلیم یہ ہے کہ وہ سربراہ اقتدار میں سب سے اعلیٰ ہو تو تقویٰ، پرہیز گاری اور خدا ترسی میں بھی اس کو سب سے بلند ہونا چاہیے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات:۱۳)

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔"

علما نے امام کے لیے چند شرطیں اسی لیے قرار دی ہیں کہ حتی الامکان قرآن پاک کی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ مثلاً عاقل، بالغ، تندرست، صحیح الحواس، صاحبِ ہمت، صاحبِ حوصلہ، صائب الرائے، سیاسی امور کا واقف وماہر، جنگ و صلح کے نشیب و فراز سے باخبر، خلقِ خدا کا ہمدرد، عوام کا خیر خواہ، مختلف طبقات کے مزاجوں سے واقف ہونے کے علاوہ اہم شرط یہ ہے کہ اس میں عدل ہو۔ یعنی پابندِ شرع ہو۔ اسلامی اخلاق کا حامل ہو، کبائر کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ بتقاضائے بشریت گناہ ہو جائیں تو فوراً توبہ کر لے، کسی گناہِ صغیرہ کا بھی عادی نہ ہو، عالم ہو اور اسلامی علوم میں بصیرت رکھتا ہو۔[1]

وزیرِ اعظم کی جو حیثیت ہندوستان جیسے آج کے جمہوری ممالک میں ہے کہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جس سیاسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو، اس کا لیڈر وزیرِ اعظم یا چیف منسٹر ہو، اسلامی تعلیمات میں اس طرز کی اگر ممانعت نہیں کی گئی تو اس کی ہدایت بھی نہیں کی گئی۔

جمہوریت پر ایک نظر

کوئی بھی موسم ہو اس میں اس موسم کے خاص پھل کی بہار ہوتی ہے۔ زبانوں پر اس کا تذکرہ ہوتا ہے، دلوں میں اس کی رغبت اور خواہش، بازار اور منڈیوں میں اس کی کثرت ہوتی ہے۔ تجربہ نے چہرۂ جمہوریت کے خوشنما اور دلکش غازے کو بڑی حد تک کھرچ دیا ہے، مگر تقریباً چالیس سال پہلے کا دور وہ تھا جس میں یورپ کی استعمار پسند حکومتیں دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دور تصورِ جمہوریت کا موسمِ بہار تھا۔

شکنجۂ استعمار میں کسی ہوئی قوموں کے مضطرب جذبات تصورِ جمہوریت کا استقبال کر رہے تھے۔ اور یہ تصور اہلِ دانش، اہلِ نظر اور اصحابِ فکر کی عقل و دانش پر یہاں تک چھایا ہوا تھا کہ وہ کھینچ تان کر اسلام کو بھی اپنی ہی صف میں کھڑا کرنا چاہتے تھے کہ جمہوریت کے جس تخیل کو وہ متاعِ بے بہا سمجھ رہے ہیں، اسلام بھی اس کی تعلیم دیتا ہے اور بازارِ سیاست میں اس کا خریدار ہے۔

لیکن اگر ہم جذبات سے بالا ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا۔ جس طرح جمہوریت.....اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کے تابع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم جمہوریت کے ثناخواں و مدّاح اس لیے ہوتے ہیں کہ اس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے۔ رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی۔ حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان، بے لگام اور منہ چھوٹ آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہر ایک مذہب اخلاق کا طوقِ زرّیں انسان کے گلے میں ڈالتا ہے۔ اس کا اصل اصول ہوتا ہے پابندی، فرمانبرداری، ضبط و کنٹرول، ایثار اور قربانی۔ اس کے برعکس مطلق العنان آزادی جو جمہوریت کا طرّۂ امتیاز مانی جاتی ہے، رفتہ رفتہ آوارگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

آپ تحقیق فرمائیں تو مہذّب ترین جمہوری ممالک کاروباری ضابطوں اور قاعدوں میں وہ خواہ کتنے ہی با اصول ہوں، مگر اخلاق، کردار، روحانیت، خوفِ خدا اور خدا پرستی کے لحاظ سے وہ آوارہ اور شورہ پشت ہیں۔

بے شک جمہوریت کا یہ رخ قابلِ قدر ہے کہ اصولاً ایک فرقے کو دوسرے پر مسلّط نہیں کرتی۔ اگرچہ عملاً اس سے نجات بھی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اکثریت اگر کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتی ہے تو وہ لامحالہ اپنی چھاپ جمہوریت پر ڈال دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کے ہم رنگ ہونا۔

فریبِ نظر اور طلسم

جمہوریت اور ڈیموکریسی کے ثناخواں جمہوریت کی خوبی یہ بیان کرتے ہیں کہ جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ جمہور کو حاصل ہوتا ہے۔ حکومت جمہور کی ہوتی ہے، اصل اختیارات جمہور کو حاصل ہوتے ہیں، وہ اپنے لیے اپنی مرضی کے مطابق دستورِ اساسی (constitution) اور قانون تجویز کر سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے تو یہ تمام الفاظ طلسم اور جادو کے منتر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ جو دماغوں کو مسحور ضرور کر لیتے ہیں، مگر حقیقت اور واقعیت سے آشنا نہیں ہوتے۔

[1] ازالۃ الخفاء، حجۃ اللہ البالغہ و شرح عقائد نسفی وغیرہ

جمہور کے پاس ووٹ کی طاقت ضرور ہوتی ہے، مگر کیا اس حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے کہ جس طرح گِری نکال دینے کے بعد بادام کا چھلکا، کوڑا کرکٹ یا ایندھن بن جاتا ہے، ووٹ دینے والے بھی ووٹ دینے کے بعد بے مغز پوست بلکہ گردِپا بن جاتے ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ مغز ہی اصل ہے، بادام کی گِری ہی بادام کا حاصل ہے۔ اگر گِری کام آ رہی ہے تو بادام بے کار نہیں گیا اور ضائع نہیں ہوا۔ عوام کے نمائندے اگر قانون بنا رہے ہیں تو وہ قانون عوام ہی کا بنا ہوا قانون ہے۔ اگر وہ نمائندے حکومت کر رہے ہیں تو وہ عوام ہی کی حکومت ہے۔

مگر کیا واقعی یہی ہوتا ہے کہ قانون عوام کے نمائندے بناتے ہیں اور عوام کے نمائندے ہی حکومت کرتے ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ ۸۰ فیصد نمائندے وہ ہوتے ہیں جو قانون بنانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ سینکڑوں ممبروں کے ایوان میں چند افراد کی کمیٹی بنا دی جاتی ہے جو قانون کا مسودہ تیار کرتی ہے۔ اصل واضعِ قانون یہ کمیٹی ہوتی ہے۔ دس پندرہ فیصد وہ ہوتے ہیں جو قانون کو سمجھتے ہیں، باقی تعداد جو سینکڑوں کی ہیبت انگیز اور مرعوب کن تعداد ہوتی ہے، اس دس فیصد کی تقلید کرنے والی ہوتی ہے۔

مثلاً جمہوریۂ ہند کا دستورِ اساسی جس پر مفکرینِ ہند کو ناز ہے اور جس کا وہ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، بے شک وہ مجلسِ دستور ساز کا منظور کردہ ہے جس کے ارکان کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی جس میں اقلیتوں کو بھی مناسب نمائندگی دی گئی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا مسوّدہ ایک کمیٹی نے تیار کیا اور کمیٹی کے ارکان نے بھی سہولت کار کے لیے تدوین اور ترتیب کا کام ایک قابل شخص (ڈاکٹر امبیدکر) کے سپرد کر دیا تھا۔ مسوّدہ تیار کرنے میں کمیٹی کے ارکان بھی وقتاً فوقتاً ان کی مدد کر دیتے تھے۔ بے شک وہ مسوّدہ ارکان کے سامنے پیش کیا گیا، اسمبلی کے اجلاس میں اس کی ایک ایک دفعہ پڑھی گئی۔ اس میں ترمیمات بھی ہوئیں، لیکن یہ سب نقش و نگار کی تبدیلیاں تھیں۔ بنیادی ستون وہ رہے جن کی بنیاد ڈاکٹر امبیدکر نے ڈالی تھی۔

اور اگر ہم اس نمائش ہی کو حقیقت گردان لیں اور تسلیم کر لیں کہ دستورِ اساسی دستور ساز اسمبلی ہی کے ارکان نے مرتب کیا تھا اور ہر ایک رکن وضع قانون اور ترتیب دستور اساسی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا، اور اس نے تدوین و ترتیب میں پوری توجہ اور دماغ سوزی سے کام لیا۔ تب بھی ظاہر ہے کہ اس دستور اساسی اور اس کی دفعات کی منظوری اکثریت کی رائے پر موقوف تھی اور ایوان میں اگر ایک پارٹی مثلاً کانگریس کی اکثریت تھی تو یہ دستورِ اساسی ایک پارٹی کا دستور ہوا اور جمہوریت کا مصداق صرف یہی اکثریت ہوئی۔[1]

یہ دستورِ اساسی کے وضع و ترتیب کی صورت تھی جس کو تمام قوانین میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جملہ قوانین اس ڈھانچے کا گوشت پوست ہوتے ہیں جو دستور ساز اسمبلی دستورِ اساسی کی صورت میں تیار کرتی ہے۔

دستورِ اساسی کے علاوہ عام قانون جو اجلاسوں میں پیش ہو کر منظور ہوتے رہتے ہیں اور جمہوریت کے نام پر انہیں جمہور کے سر تھوپا جاتا ہے، ان کے واضعین درحقیقت وہ چند افراد ہوتے ہیں جو کابینہ (cabinet) کے رکن ہوتے ہیں۔ کابینہ کا پیش کردہ مسوّدۂ قانون پارٹی کو لامحالہ منظور کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اس کو مسترد کرنے کے معنی ہوتے ہیں گورنمنٹ پر بے اعتمادی ظاہر کرنا۔ مختصر یہ کہ عوامی حکومت اور جمہور کے اقتدارِ اعلیٰ کے نعرے صرف نمائشی ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ چند افراد کے چھوٹے سے حلقے میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔

بے شک اسلام جمہوریت کا حامی ہے، بلکہ بانی ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں:

- تمام انسان درجۂ انسانیت میں مساوی ہیں، وہ کالے ہوں یا گورے، عرب ہوں یا عجم، مشرقی ہوں یا مغربی، سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔
- ایک انسان کا درجہ دوسرے انسان سے اگر بلند ہے تو وہ رنگ، نسل، دولت، ثروت یا کسی جغرافیائی بنیاد پر نہیں، بلکہ درجہ اگر بلند ہو سکتا ہے تو صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر اور اللہ تعالیٰ کے یہاں درجہ کی بلندی تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔
- بادشاہت، اقتدارِ اعلیٰ کو نسل اور خاندان کے تابع کرتی ہے کہ باپ بادشاہ تھا تو بیٹا بھی بادشاہ ہو گا۔ اسلام اس سے نفرت کرتا ہے۔ ملک الاملاک اور شہنشاہ جو دنیا میں سب سے زیادہ باعظمت لفظ ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے[2]۔ وہ اقتدارِ اعلیٰ کو صلاحیت اور قابلیت کے تابع کرتا ہے۔ (البقرۃ آیت ۲۴۷)
- ہر شخص ذمہ دار ہے، وہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں جوابدہ ہے، غریب ہو یا امیر، حاکم ہو یا محکوم۔
- امام (سربراہِ مملکت) مملکت کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے، مگر وہ مشورے کا پابند ہے اور مسلمانوں کے تمام معاملات مشورے سے طے پاتے ہیں۔

وضعِ قانون

اگر کسی ایک شخص کو یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ وہ خلقِ خدا کا مالک ہو اور جو کچھ وہ کہہ دے، قانون بن جائے، اگر اس کو استبداد اور جبر و قہر کہا جاتا ہے تو چند افراد کو بھی یہ حیثیت نہ ملنی

[1] آج ہندوستان میں بی جے پی یہی دعویٰ کر رہی ہے اور بی جے پی بھی جو قوانین و اصلاحات لا رہی ہے اس کی بہت سی دیگر پارٹیاں مخالف ہیں لیکن بی جے پی کے پاس اکثریت کا 'اختیار' ہے۔ (ادارہ)

[2] صحیح البخاری

چاہیے کہ وہ قانون ساز بن کر خلقِ خدا کی جانوں اور ان کی ملکیتوں میں تصرف کریں۔ واضعِ قانون خود تصرف نہیں کرتا، کسی کو پھانسی، کسی کی جان بخشی، کسی کے قید و بند، کسی کے مال ضبط کر لینے اور کسی پر جرمانہ کر دینے کا عمل وہ خود نہیں کرتا، مگر جب ان امور کے ضابطے اور قاعدے مقرر کر کے تصرف کرنے والے کے تصرف کو جائز قرار دیتا ہے تو یہ خود ایسا عمل ہے جس کا دائرۂ اثر اس کے اپنے تصرف سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

کسی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا ظالمانہ تصرف ہے۔ مگر اس کا مظلوم یعنی اس سے متاثر ہونے والا صرف ایک شخص ہے، مگر ایسا ضابطہ بنا دینا کہ فلاں عمل کرنے والے کو گولی مار دی جائے اور فلاں عمل کرنے والے کی جائیداد ضبط کر لی جائے، ایسا تصرف ہے جس کا تختۂ مشق ایک دو نہیں بلکہ لاتعداد اور بے شمار انسان ہوتے ہیں، کون نہیں جانتا کہ کسی آرڈیننس کا جاری کر دینا ایسا تصرف ہے جو پورے ملک کے تمام باشندوں کو متاثر کرتا ہے۔

اسلام جس طرح ملوکیت اور شہنشاہیت کو انسانی بھائی چارے اور انسانی مساوات کے خلاف سمجھتا ہے، وہ افرادِ انسان کی کسی جماعت یا کسی کمیٹی کو بھی وضع دستور اساسی کا اختیار دینا مساواتِ انسانی کے خلاف سمجھتا ہے۔

ان کا علم محدود، مستقبل کی ان کو خبر نہیں، حال پر بھی ان کا پورا اختیار نہیں، وہ انسانی طبقات کے مختلف جذبات سے ناواقف، فطری رجحانات جو ایک ہی نوع کے مختلف حلقوں میں ہوتے ہیں، ان سے بھی وہ پوری طرح باخبر نہیں۔ وہ اپنے جیسے انسانوں کے لیے قانون بنائیں اور ان کی گردنیں دستوری دفعات کے شکنجے میں کسیں۔ مساواتِ انسانی کا نازک نظریہ اس کو برداشت نہیں کرتا۔ اسی لیے وہ وضعِ قانون کا اختیار صرف اس کو دیتا ہے جو حقیقی مالک ہے۔ اور چونکہ وہ خالق ہے لہٰذا وہ ان تمام جذبات و رجحانات سے واقف ہے جو انسانوں کے مختلف طبقات اور نوعِ انسانی کی مختلف صنفوں میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ خالق و مالک ہے، اس کو حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے اور جو چاہے ان کے لیے دستور بنائے۔

انسان کا انسان کے لیے قانون بنانا سراسر بے محل اور ایک طرح کا جبر و قہر ہے، اس لیے قرآن حکیم ان سب کو ظالم و فاسق یا کافر قرار دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مرتّب کردہ دستورِ اساسی کے خلاف کوئی دستور بنائیں یا ایسے دستور کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلۂ خداوندی کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کریں۔ (سورۃ المائدۃ: آیت ۴۴ تا ۴۷)

اس نظریہ اور فکر کے بموجب جب انسان کو قانون سازی کا حق نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے دائرۂ اقتدار میں نہ دستور ساز اسمبلی ہو گی، نہ آئین ساز کونسل، نہ ان کے انتخابات ہوں گے اور نہ وہ بے پناہ مصارف ہوں گے جو پارلیمنٹ، کونسل، ان کے عہدیداروں، وزرا اور منسٹروں پر ہوتے ہیں یا ان کے انتخابات کے سلسلے میں برداشت کیے جاتے ہیں۔

دستورِ اساسی

اسلامی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم دستورِ اساسی ہے جس کی تشریح آنحضرت ﷺ کے ارشادات، پھر حضرات خلفائے راشدین کے طریقہ ہائے کار اور جماعتِ صحابہ کے طرزِ عمل نے کی۔ اسی کا نام الشریعۃ، الدین اور السنۃ ہے۔

اسی دستورِ اساسی کی موجودگی میں کوئی اور دستور وضع نہیں کیا جائے گا۔ البتہ پیش آنے والے معاملات کے مطابق اسی دستور کے اصولِ مسلمہ سے ضابطے اور قاعدے اخذ کیے جائیں گے اور ان کی روشنی میں معاملات کے فیصلے ہوں گے۔

مجلسِ آئین ساز کے بجائے عدالتِ عالیہ

اپنی جان، اپنا مال، غیر کی جان اور اس کا مال، رشتہ دار، پڑوسی، شہری، ملکی غیر ملکی، غیر مسلم وغیرہ کے حقوق، فرائض جرائم کی حیثیت، ان کی سزائیں، جنگ و صلح کے بنیادی ضابطے، خرید و فروخت، ہبہ، عاریت، اجارہ، تحفظ، نسل، ازدواجی تعلقات وغیرہ کے ضابطے اور اصول قرآن حکیم اور سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے مقرر کر کے نوعِ انسان کو وضعِ دستور اور قانون سازی کی الجھنوں سے آسودہ اور اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ہے۔ صرف وہ کام باقی ہے جو کسی قانون کے پیشِ نظر عدالت کو کرنا پڑتا ہے۔

پیش آنے والے معاملات میں ہماری عدالتیں، پارلیمنٹ یا اسمبلی کے وضع کردہ دستور یا قانون کو تلاش کرتی ہیں، اس کا منشا سمجھتی ہیں اور اس کی رہنمائی میں فیصلہ کرتی ہیں۔ اسلامی عدالتیں قرآن اور سنّت کی روشنی میں فیصلہ کریں گی۔

اراضی کی ملکیت، ملکیت کی نوعیت، واجبات یعنی پیداوار کے سلسلے میں سرکاری مطالبات، افتادہ اراضی، کانوں اور چشموں کی حیثیت، پہاڑ، دریا، ان کی قدرتی پیداوار وغیرہ کے متعلق سوالات پیدا ہوئے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ایک مجموعۂ قانون مرتب کر دیا جو کتاب الخراج کے نام سے مشہور ہے۔ خلافتِ عباسیہ کے دور میں اسی نے آئین کی حیثیت اختیار کر لی۔ پیش آنے والے سوالات کے متعلق مجلسِ قانون ساز کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ اسی آئین کے مضمرات سے جوابات اخذ کیے گئے اور انہیں کو بائی لاز (by-laws) اور ضمنی قوانین کی حیثیت دی گئی۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مقصد

دستورِ اساسی (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ) اور عدالتِ عالیہ کے بعد معاملہ صرف نفاذ کا رہ جاتا ہے، جس کے لیے انتظامی عملے کی ضرورت ہے، مقنّنہ کی نہیں۔ اسلامی حکومت کا پورا نظام اس لیے ہوتا ہے کہ قانونِ اسلامی کو نافذ کرے اور جو حکومت اس مقصد کے لیے ہو، وہی اسلامی حکومت ہے۔

تشکیلِ حکومت اور سربراہِ مملکت

قرآن حکیم یا احادیثِ مقدسہ نے تشکیلِ حکومت کے لیے کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں کیا۔ صرف ایک بنیادی تعلیم دی ہے کہ سربراہ کا تقرر نسل اور خاندان کی بنا پر نہ ہو، اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر ہو۔ یہ سربراہ کس طرح بنایا جائے، کتاب وسنّت نے اس کو بھی موضوعِ بحث نہیں بنایا، البتہ سربراہ کے اوصاف بیان کر دیے ہیں اور اس کے فرائض مقرر کر دیے ہیں۔

اب

- اسلامی مملکت کا سربراہ عوام کی آرا سے بھی منتخب کیا جاسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ مدارِ انتخاب وہ اوصاف ہوں جو اسلامی مملکت کے سربراہ میں ہونے چاہییں، جو آغازِ مضمون میں بیان کیے گئے ہیں۔
- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سربراہ جو ان اوصاف کا حامل ہو انتخاب کے قصّے میں نہ پڑے اور خود اپنی جانب سے اپنا کوئی ایسا قائم مقام نامزد کر دے جو اِن اوصاف کا حامل ہو اور عوام میں متعارف ہو۔
- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سربراہ جو اوصافِ سربراہی کا صحیح طور پر حامل ہو، اپنی جانب سے کچھ اہل الرائے حضرات کو نامزد کر دے کہ وہ آئندہ کے لیے کوئی سربراہ نامزد کر دیں جو اوصافِ سربراہی سے متصف ہو۔

اسلام جبر وقہر کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اگر کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر سربراہ بن جائے تو مسلمان اس کی قیادت تسلیم کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ایسے اوصاف کا حامل ہو جو فرائض ادا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

مشورہ اور ارکانِ مشورہ (شوریٰ)

اسلام نے جس طرح تشکیلِ حکومت کو کسی خاص نوعیت کے ساتھ مخصوص بیان کیا اسی طرح ارکانِ شوریٰ کے انتخاب یا نامزدگی کا بھی کوئی ضابطہ مقرر نہیں فرمایا اور واقعہ یہ ہے کہ جن امور کا تعلق الٰہیات (اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات) اور عبادات سے نہیں ہے، بلکہ ان کا تعلق تجربات اور مشاہدات سے ہے، اسلام نے ایسے امور میں فکرِ انسانی کو آزاد چھوڑا ہے۔ بہر حال اگرچہ ارکانِ شوریٰ کے انتخاب وغیرہ کے بارے میں کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا، مگر سربراہ پر یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ اپنے ہر ایک منصوبے کے متعلق مشورہ کرے، عمل کرنے کا عزم اس وقت کرے جب پہلے مشورہ کر لے..... پہلے مشورہ..... پھر خدا پر بھروسہ..... ان دو کے بیچ میں عزم ہونا چاہیے۔ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۵۹)

پھر مشورہ کو یہاں تک اہمیت دی ہے کہ اس معاملہ کو مسلمانوں کا معاملہ ہی نہیں قرار دیا جو آپس کے مشورے سے طے نہ ہو۔ (سورۃ الشوریٰ آیت ۳۸)

جب کہ مجلسِ شوریٰ کے لیے کوئی ضابطہ مقرر نہیں، تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ:

1. ارکانِ شوریٰ کا انتخاب عوام کی رائے سے ہو۔ بشرطیکہ مدارِ انتخاب ان کے وہ اوصاف ہوں جو اسلامی مملکت کے مشیر کے ہونے چاہییں۔
2. اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الگ الگ انتظامی حلقے ہوں اور ان حلقوں کے سربراہ پوری مملکت کے سربراہ کا انتخاب کریں۔

آنحضرت ﷺ کے دورِ مسعود میں کچھ حلقے ہوتے تھے، ان حلقوں کے سربراہ کو نقیب کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسیرانِ ہوازن کے متعلق عوام کی رائے معلوم کرنی چاہی تو مجمعِ عام میں پکار دیا گیا تھا کہ "ہم راضی ہیں"، اس پر اعتماد نہیں فرمایا بلکہ ان عرفاء (امیرانِ قبیلہ یا محلّہ) کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے طور پر اپنے اپنے حلقے میں فرداً فرداً ہر ایک کی رائے معلوم کریں۔ جب ان کی رپورٹیں موصول ہو گئیں تب آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا[1]۔

3. اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سربراہِ مملکت ان لوگوں کو خود نامزد کر دے جو ووٹنگ کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے اخلاق، کردار، اپنی قابلیت، صلاحیت اور خدمات کی وجہ سے اوپر آچکے ہوں اور بہتر کردار کے مالک ہونے کی وجہ سے وہ ممتاز شخص بن چکے ہوں۔
4. ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نامزد یا منتخب کسی کو بھی نہ کیا جائے بلکہ ہر پیش آنے والے معاملے میں، اس معاملے سے تعلق رکھنے والے صاحبِ بصیرت اور تجربہ کار حضرات کو دعوت دی جائے اور ان سے فیصلہ کرایا جائے۔

کتاب وسنت کے اشارات کے بموجب سب سے اہم اور سب سے بنیادی بات سربراہ کا تقویٰ ہے۔ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ نوعِ انسانی اور خدا کا ہمدرد ہو، صاحبِ بصیرت، دیانتدار، باحوصلہ اور بیدار مغز ہو اور فرائض کی لگن رکھتا ہو۔

اگر مملکت کو اس طرح کا سربراہ میسر آگیا ہو تو نہ اس کو پارلیمنٹ کی ضرورت ہے، نہ مجلسِ وزرا کی۔ خصوصاً نمبر ۳ و نمبر ۴ والی صورتیں اس وقت صحیح قرار دی جاسکتی ہیں، جب سربراہ میں اخلاص، کردار اور پاکبازی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ باخدا اور خداترس ڈکٹیٹر ہزاروں پارلیمنٹ اور اسمبلیوں سے بہتر ہے۔ خوفِ خدا نہ ہو تو سب بیکار۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] صحیح البخاری

بھارت کی ہندُتوا تحریک نسل کشی کی تیاری کے مراحل میں

ابو انور الہندی

مسلمانانِ برِّصغیر بتدریج تباہی کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا آغاز ہوئے ایک صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے، اور آج یہ عمل ایک پریشان کن تیزی سے رفتار پکڑ رہا ہے۔ وہ تحریک جس کا آغاز ہندو راشٹر (ہندو ریاست) کے مطالبے سے ہوا تھا، آج کھلے عام مسلمانوں کے قتلِ عام اور نسل کشی کی جانب دعوت دے کر اپنا اصل چہرہ ظاہر کر رہی ہے۔

یہ مسئلہ محض ہندوستان کا مسئلہ نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت، ایک امّت ہے۔ استعماری کفار کی نافذ کردہ حدود و سرحدیں مصنوعی لکیروں سے زیادہ کچھ نہیں اور شریعت کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ان کا مقصد امّت کو تقسیم اور کمزور کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا مسلمانانِ ہندوستان (بھارت) کی سالمیت کو درپیش کسی بھی قسم کا خطرہ دراصل پوری امّت کو درپیش خطرہ ہے۔ پھر برِّصغیر کے تقریباً ۷۰ کروڑ مسلمانوں کی قسمت باہم جُڑی ہوئی ہے۔ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے...... لہٰذا پاکستان و بنگلہ دیش میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے ہندوستان میں بسنے والے بیس کروڑ مسلمانوں کو درپیش نسل کشی کے خطرے کو نظر انداز کر دینا ممکن ہی نہیں۔

نسل کشی کی جانب دعوتِ عام

۲۰۲۱ء کے اختتام سے ذرا پہلے، ہندوستان کی ریاست اترکھنڈ کے مقام ہری دوار میں ایک بڑا مذہبی اجتماع منعقد ہوا۔ ۱۷ تا ۱۹ دسمبر، تین دنوں کے دورانیے میں ہندومت کے مذہبی قائدین، سادھوؤں اور سَنتوں[1] نے مسلمانوں کے بڑے پیمانے پر قتلِ عام کے لیے تیاریوں کا آغاز کرنے کی کھلے عام دعوت دی۔ انہوں نے ہندوؤں کو اسلحہ خریدنے اور اور اسے استعمال کرنے کی تربیت حاصل کرنے پر ابھارا اور صاف لفظوں میں ایک 'صفائی ابھیجن' (صفائی مہم) شروع کرنے کی تحریض دلائی۔ یعنی بالفاظِ دیگر ہندوستان سے جہادیوں (مسلمانوں) کا صفایا کرنے کی۔

یہ نسل کشی کی جانب ایک کھلی دعوت تھی۔ اجتماع میں مقررین اور قائدین نے صاف الفاظ میں مسلمانوں کو قتل کرنے، انہیں جبری طور پر دھرم تبدیل کرنے یا انہیں ان کے علاقوں سے مار بھگانے کے لیے مسلّح جتھے بنانے کے عزائم کا اظہار کیا تا کہ ایک ہندو راشٹر قائم کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ اس اجتماع کو دھرم سَنسَد (مذہبی پارلیمنٹ) کا نام دیا گیا اور ستم ظریفی کی حد یہ تھی کہ موضوعِ گفتگو کو 'اسلامی بھارت میں سَنَتن کا بھوشِ: سَمَسیا و سمَدھن' (اسلامی بھارت میں سَنَتن دھرم کا مستقبل: مسائل و حل) کا عنوان دیا گیا۔

دھرم سنسد ہندوؤں کا ایسا مذہبی جلسہ ہوتا ہے جس میں ہندو مذہبی قائدین ایسے امور پر غور و فکر اور فیصلے کرتے ہیں جنہیں ہندو مت اور ہندو معاشرے کے لیے اہم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا کہ ۱۹۸۴ء میں رام جنم بھُومی کی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ بھی ایسے ہی ایک دھرم سنسد میں ہوا، اور یہ تحریک اپنے آغاز کے آٹھ سال بعد بابری مسجد شہید کرنے میں کامیاب بھی ہو گئی۔

ہری دوار میں جو کچھ کہا گیا اور جس وضاحت و صراحت سے کہا گیا، وہ حیران کن ہے۔ ہندوستان کے ملعون مشرکین نے اپنے مقاصد و اہداف کھول کھول کر بیان کر دیے، اور انہیں حاصل کرنے کا طریقہ بھی۔ اس کے باوجود بھی اگر ہم مسلمان اپنے خوابِ غفلت سے جاگنے پر تیار نہ ہوئے اور آنے والے وقت کی تیاری نہ کی تو یاد رکھیے، وہ وقت دور نہیں جب ہم اپنی اور اپنے بچوں کی قبریں، اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہوں گے۔

سنسد میں جو کچھ گفتگو ہوئی، آیئے اس کے چیدہ چیدہ اقوال پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

یتی نرسنگھانند، اس اجتماع کے مرکزی قائدین میں سے ایک، کا کہنا تھا:

> ”مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے تلواریں کافی نہیں۔ ہمیں تلواروں سے بہتر ہتھیار چاہییں۔“

یتی نسل کشی پر آمادہ ہندُتوا تحریک کے مرکزی قائدین میں سے ایک ہے جس نے گزشتہ چند سالوں میں عام نوجوانوں کو منظّم کرنے اور ان کے نیٹ ورک تشکیل دینے کی خاطر انتھک کام کیا ہے۔ گویا صفائی ابھیجَن کی تکمیل کے لیے ملیشیا اور جتھے بنانے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی، بلکہ نوجوانوں کی یہ تنظیمیں اور نیٹ ورکس جلد ہی مسلّح ملیشیاؤں کا روپ دھار لیں گے۔

اس اجتماع کے انعقاد میں ایک دوسرے کلیدی کردار سوامی پربھودانند گیری، جو اتر پردیش کے حالیہ وزیرِ اعلیٰ یوگی ادتیاناتھ کے بے حد قریب ہے، نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا:

---

[1] سَنت: (ہندی) انگریزی زبان کے لفظ ”saint“ سے ماخوذ

''اب مزید کوئی وقت نہیں بچا.....اب تو معاملہ یہ ہے کہ یا تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، یا پھر مسلمانوں کو قتل کرنے کی تیاری کرو.....اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اس لیے یہاں بھی میانمار کی طرح، یہاں کی پولیس، سیاستدان، فوج اور ہر ہندو کو چاہیے کہ ہتھیار اٹھالے اور صفائی ابھیجَن میں شریک ہو جائے۔ اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔''

ہندو مہاسبھا کی جنرل سیکرٹری، پُوجا شکن پانڈے نامی عورت نے بھی مسلمانوں کے قتلِ عام کی کھلے الفاظ میں دعوت دی اور کہا:

''ہتھیار کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں.....! اگر تم ان کی آبادی کو ختم کرنا چاہتے ہو تو انہیں قتل کرنا پڑے گا۔ لہٰذا انہیں قتل کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ اور جیل جانے کے لیے بھی۔ اگر ہم میں سے سو بھی ان کے بیس لاکھ کو قتل کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں تو جیت ہماری ہو گی.....ناتھورام گوڈسے کی طرح، میں بدنام ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن میں ہندُتوا کا ہر اس شیطان سے دفاع کرنے کے لیے ہتھیار اٹھاؤں گی جس سے میرے دھرم کو خطرہ لاحق ہو گا۔''

ساگر سِندھو نامی ایک مقرر نے ہندوؤں کو اپنے آپ کو کم از کم تلواروں سے مسلّح کرنے اور لاکھوں کی مالیت کے ہتھیار خریدنے کی ترغیب دلائی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی بائیکاٹ کرنے کی بات کی اور ہندوؤں سے کہا کہ مسلمانوں کی زمینیں خرید کر پورے پورے دیہاتوں کو مسلمانوں سے پاک کیا جائے۔

ایک دوسرے ہندو لیڈر آنند سوارو پ کا کہنا تھا:

''اگر حکومت ہمارے مطالبے کو پورا نہیں کرتی (یعنی مسلمانوں کے خلاف پر تشدد کارروائیوں کے ذریعے ہندو راشٹر کا قیام) تو ہم ۱۸۵۷ء کی بغاوت سے کہیں زیادہ خونیں جنگ چھیڑ دیں گے۔''

اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہندوؤں کو ہتھیار خریدنے پر اکسایا اور کہا:

''میں بار بار کہتا ہوں کہ موبائل چاہے پانچ ہزار کا رکھو، مگر ہتھیار ایک لاکھ روپے کا خریدو.....''

اجتماع کے اختتام پر بچوں نے ہتھیاروں سے مسلّح ہو کر نمائش کی جبکہ مائیکروفون پر یہ اعلان کیا جارہا تھا:

''مجرموں کو قتل کرنے کے لیے ہر ایک کا ہتھیار استعمال کرنا نہایت ضروری ہے۔ دیکھیں، یہ کلہاڑیاں وِدھرمیوں[1] کو قتل کرنے کے لیے ہیں.....''

قصّہ مختصر یہ کہ اس اجتماع کا پیغام یہ تھا کہ:

- ہندو راشٹر کے قیام کے لیے مسلمانوں سے تصادم لازمی ہے۔
- ہندوؤں کو ہتھیار اٹھانے اور مسلّح تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔
- ہندوؤں کو مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی بائیکاٹ کرنا چاہیے اور انہیں ان کے علاقوں سے بے دخل کر دینا چاہیے۔
- بھارت سے مسلمانوں کا صفایا کرنا ناگزیر ہے۔
- دھرم سنسد جیسے جلسوں اور اجتماعات کے ذریعے صفائی ابھیجَن کے اس کام کا آغاز اور اس کی قیادت کی جائے گی۔

اس اجتماع کے بعد ہندوستان کے مختلف گوشوں سے ایسی کئی ویڈیوز بن کر سامنے آگئی ہیں کہ جن میں بچوں اور بڑوں کو سکولوں میں، دیہات کے کھیتوں اور میدانوں میں، یا ائیر کنڈیشنڈ کانفرنس ہالوں میں لڑنے اور قتل کرنے، ہندو راشٹر کے قیام کے لیے مارنے اور مر جانے کی قسمیں کھاتا دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی بائیکاٹ کرنے کا بھی عہد کیا گیا اور ان سے ہر قسم کی خرید و فروخت بند کرنے کا بھی۔ حتیٰ کہ پارلیمنٹ کے بعض ارکان تک نے مسلمانوں کی جبری تبدیلیٔ مذہب یا ان کو ان کے علاقوں سے نکالنے اور مار بھگانے کی تائید کی۔ نیز یہ امر کہ یہ اجتماع کوئی اپنی طرز و فکر کا منفرد اجتماع نہیں تھا، اجتماع کے بعد اسے حاصل ہونے والی بے تحاشا آن لائن تائید و حمایت سے ظاہر ہے۔

محققین کے مطابق نسل کشی کا عمل کوئی یک بیک شروع ہو جانے والا عمل نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے نہایت احتیاط و عرق ریزی سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے انجام تک پہنچایا جاتا ہے۔ ان محققین کے نزدیک نسل کشی کے دس مراحل ہیں:

1. تقسیم یا قسم بندی (یعنی کسی خاص گروہ کی تعیین و تخصیص، 'ہم' اور 'تم' میں تقسیم کرنا)
2. علامت بندی (اس گروہ کو کسی علامت سے جوڑ دینا)
3. تفریق و امتیاز (اس خاص گروہ کو دیگر سے علیحدہ حیثیت دے دینا، بالعموم معاشرتی یا قانونی اعتبار سے)
4. غیر انسانی تحقیر و تذلیل (صفاتِ انسانی سے محروم کر کے مثلِ حیوان یا قابلِ نفرت قرار دینا، یعنی اس گروہِ خاص کو انسانی اوصاف کا حامل ماننے سے انکار کرنا)
5. تنظیم سازی (مسلّح، تربیت یافتہ اور منظّم جتھے اور ملیشیا تیار کرنا)

[1] وِدھرمی: بے دھرم، کافر (یعنی مسلمان)

6. انتہا پسندی (’ہم اور تم‘ کی تفریق کو پروپیگنڈے کے ذریعے دو متضاد انتہاؤں پر پہنچا دینا)
7. تیاری (اہداف کی تعیین کر کے قتلِ عام کی تیاری و منصوبہ بندی کرنا)
8. تعقیب و تعذیب (ہدف گروہ کی جائیدادیں ضبط کرنا، انہیں ان کے علاقوں سے بے دخل کرنا، جبری گمشدگیاں، قتل و غارت گری، کیمپوں میں منتقلی)
9. بیخ کنی (منظّم قتلِ عام)
10. تردید (قاتل گروہ کی جانب سے کسی جرم کا ارتکاب کرنے کی تردید)

ہندُتوا تحریک کے نزدیک اس وقت وہ چھٹے مرحلے سے گزر کر اب ساتویں یعنی ’تیاری‘ کے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔ اس مرحلے کی وضاحت کرتے ہوئے بین الاقوامی ادارے ’Genocide Watch‘ کا کہنا ہے کہ:

> ”قومی لیڈر یا نسل کشی کی منصوبہ بندی کرنے والے گروہ کے لیڈر اپنے پیروؤں کے سامنے ہدف گروہ (Targeted Group) کے مسئلہ کا حتمی حل پیش کرتے ہیں۔ اپنے عزائم اور ارادوں کو خوشنما الفاظ کے لبادے پہنائے جاتے ہیں اور ’نسلی پاکیزگی‘، **’دہشتگردی کے خلاف جنگ‘** اور ’صفائی‘ جیسے الفاظ و اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ لوگ فوجیں اور مسلّح جتھے تیار کرتے ہیں، اسلحہ اور ہتھیار خریدتے ہیں اور اپنی ملیشیاؤں اور گروہوں کو عسکری تربیت فراہم کرتے ہیں۔ ہدف گروہ کے حوالے سے عوام کے دلوں میں خوف، نفرت اور غصّہ بٹھایا جاتا ہے۔
> لیڈر اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ **’اگر ہم انہیں قتل نہیں کریں گے تو وہ ہمیں قتل کر دیں گے‘، اور اس طرح نسل کشی کو دفاعی تدبیر کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اشتعال انگیز خطابت اور نفرت انگیز پروپیگنڈا میں اچانک اضافہ دیکھنے میں آتا ہے جس کا مقصد ہدف گروہ کے حوالے سے خوف و ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔**“

اگر اس تعریف کا موازنہ صفائی ابھیجن، مسلّح ہونے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی دعوتِ عام سے کیا جائے، تو یقیناً بات سمجھنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

بلکہ نسل کشی کے ان دس مراحل کے مرتب اور Genocide Watch کے بانی، پروفیسر گریگوری ایچ سٹینٹن (Gregory H Stanton) کے مطابق، بھارت نسل کشی کے آٹھویں مرحلے تک پہنچ چکا ہے، جو کہ تعذیب و تعقیب کا ہے۔ ۱۰ جنوری ۲۰۲۲ء کو انہوں نے بھارت کے لیے Genocide Emergency Alert جاری کر دیا اور ایک آن لائن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بھارت آج آٹھویں مرحلے پر پہنچ چکا ہے اور اپنے ہدف گروہ (یعنی مسلمانوں) کی بیخ کنی سے محض ایک قدم کے فاصلے پر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں، کہ ہندُتوا قوت مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔

ردّ عمل

نسل کشی کی جانب اس کھلم کھلاّ دعوت کے باوجود، بھارتی میڈیا نے اس معاملے کو نظر انداز کرنے اور اس کی جانب سے توجہ ہٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ بھارت میں چار سو سے زیادہ چوبیس گھنٹے خبریں نشر کرنے والے ٹی وی چینل موجود ہیں اور ایک لاکھ سے زائد اخبارات، اس کے باوجود اس اجتماع اور اس کے بعد انٹرنیٹ پر اس کی حمایت میں مسلم مخالف پیغامات کے سونامی کے بارے میں خبریں اخبارات کے پہلے صفحے پر بھی جگہ نہ پا سکیں بلکہ اندرونی صفحات میں مدفون رہیں۔

مودی حکومت نے توحسبِ توقع ان سادھوؤں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ چند ایف آئی آر کاٹی گئیں، مگر محض خانہ پری کے لیے۔ مقررین میں سے کوئی بھی اپنے الفاظ پر نادم یا شرمسار نہیں، بلکہ اس کے برعکس انتہائی پُر اعتماد ہیں۔

یتی نرسنگھانند نے اجتماع میں ہونے والی تمام تقریروں پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”مجھے کس بات کا افسوس ہو گا؟ ہندو پہلی بار جاگ رہے ہیں، مجھے (ان پر) فخر ہے۔“

اسی طرح پربھو دانند گیری نے بھی اپنا موقف دہراتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے الفاظ پر قائم ہے اور اسے کسی بات پر افسوس یا شرمندگی/ ندامت نہیں ہے۔ وہ محض اپنے حق آزادئ اظہارِ رائے کا استعمال کر رہا ہے۔

جنوری اور فروری کے مہینوں میں تین مزید دھرم سنسدوں کے انعقاد کی تیاری کی جا رہی ہے۔ امکان ہے کہ مستقبل میں اور بھی ہوں گے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سادھوؤں کو یقین ہے کہ حکومت ان کے خلاف کوئی حقیقی قدم نہیں اٹھائے گی۔ اور اور یہ یقین رکھنے میں وہ حق بجانب بھی ہیں کہ آخر بی جے پی اور آر ایس ایس بھی تو ہندوستان کے لیے ایسا ہی نظریہ رکھتی ہیں۔

بعض لبرل ناقدین نے اس واقعے کی مذمت بھی کی ہے۔ اس کے باوجود بھارت کے سیکولر طبقے کی اکثریت کی گہری خاموشی محسوس کن ہے۔ کہ یہ خاموشی نیم رضامندی نہیں بلکہ پوری رضامندی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی کی ایک مثال سابق بھارتی نیوی چیف ارون پرکاش نے فراہم کی جس نے تین دیگر سابق نیوی چیف اور ایک سابق ائیر فورس چیف کے ساتھ مل کر دھرم سنسد کے اس اجتماع کے بارے میں بھارتی صدر رام ناتھ کووند اور وزیرِ اعظم مودی کو ایک کھلا خط لکھا۔ حسبِ توقع، حکومت نے نہ اس خط کا کوئی جواب دیا اور نہ ہی اس کو وصول

کرنے کا کوئی عندیہ دیا...... لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ارون پرکاش کے مطابق...... کوئی ایک بھی سابق آرمی چیف اس خط پر اپنے دستخط کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ پرکاش اس امر کو بجا طور پہ ان کی جانب سے ان کی خاموش تائید گردانتے ہیں۔

انٹرویو میں اروں پرکاش نے بھارت میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہونے کے خدشے کا اظہار کیا، اور کہا کہ:

''مسلمانوں کی جانب سے ردِّ عمل لازماً سامنے آئے گا......''، اور ''......اگلا مرحلہ تصادم کا ہو سکتا ہے......''

جب یہ پوچھا گیا کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بھارت کو خانہ جنگی کا سامنا ہو سکتا ہے، تو ایڈمرل پرکاش نے جواب دیا: ''......ہاں! بالکل!...... کیا ہم یہ چاہتے ہیں؟......''

اسی طرح بالی ووڈ اداکار نصیر الدین شاہ، جو کہ ایک مکمل طور پہ سیکولر انسان ہے، نے بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ اس اجتماع کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ:

''جس چیز کی وہ دعوت دے رہے ہیں وہ ایک مکمل خانہ جنگی کی دعوت ہے۔ ہم بیس کروڑ افراد کا اتنی آسانی سے صفایا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہم بیس کروڑ افراد پلٹ کر لڑیں گے...... اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی تحریک شروع ہو گئی تو اس کو بھرپور مزاحمت اور بے تحاشا غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

یہ ایک نہایت غیر معمولی اور لائقِ توجہ بیان ہے۔ کیونکہ اگر ایک مکمل طور پہ سیکولر ہندوستانی، گاندھی کے فلسفہ 'عدم تشدد کا کٹر حامی بھی نسل کشی کے اس بے حد حقیقی خطرے کا ادراک کرنے اور اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صورتحال کس قدر شدید رخ اختیار کر چکی ہے۔

قتلِ عام کے عظیم کل پرزے

نسل کشی کا یہ لائحہ محض ہندو مذہبی لیڈروں یا بی جے پی و آر ایس ایس کے ممبران تک محدود نہیں، بلکہ ایک شدید قسم کا اسلامو فوبیا[1] پورے ہندوستانی معاشرے میں گردش کر رہا ہے۔ یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے نوجوان بھی ہندُتوا کی اس نسل کشی مہم میں بھرپور حصّہ لے رہے ہیں اور مسلمانوں، بالخصوص مسلم خواتین کو جانوروں سے بدتر ثابت کرنے میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

جولائی ۲۰۲۱ء میں 'سُلّی ڈیلز (Sully Deals)' کے نام سے ایک موبائل ایپ شروع کیا گیا۔ ایپ بنانے والوں نے مسلم خواتین کی کھلے عام دستیاب تصاویر لے کر پروفائل بنائے جن میں ان خواتین کو 'آج کا بیوپار[2]' قرار دیا گیا۔ یعنی یہ ایپ اپنے استعمال کرنے والوں کو مسلمان خواتین کو خریدنے کا موقع فراہم کرنے کا ناٹک کرتا تھا! انّاللہ وانّاالیہ راجعون، ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ۔

یہ کوئی حقیقی سودا نہیں تھا...... لیکن اس ایپ کا مقصد مسلمانوں اور بالخصوص مسلم خواتین کی تحقیر و تذلیل کرنا تھا۔ اس قبیل کا ایک دوسرا ایپ نومبر ۲۰۱۲ء میں بھی بنا کر لانچ کیا گیا تھا جس کا نام 'بُلّی بائی' تھا۔ یہ ایپ بھی مسلمان خواتین کی تصاویر لے کر پروفائل بناتا اور پھر ان کی بولی لگانے کا ڈرامہ کرتا۔

'سُلّی' اور 'بُلّی' در حقیقت مسلمان خواتین کے لیے استعمال ہونے والے توہین آمیز لفظ 'مُلّی' کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان مردوں کی تذلیل کرنے کے لیے انہیں 'ملّا' اور مسلمان خواتین کو 'مُلّی' کہا جاتا ہے۔

ان ایپس سے جن لوگوں کا واسطہ ہے وہ سب نوجوان، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ اور مڈل یا اَپر مڈل طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں۔ ان ایپس کو ڈویلپ کرنے اور پھیلانے والے افراد میں ایک اٹھارہ سالہ ہندو لڑکی بھی شامل ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ محض عورت بیزار نفسیاتی مَردوں کی کاوش نہیں، بلکہ یہ عمومی طور پہ مسلمانوں اور بالخصوص مسلم خواتین کی تحقیر و تذلیل کرنے کا ایک ہتھکنڈا ہے۔ مسلم خواتین کو جنس بازار بنا کر پیش کرنا...... ایک ایسی چیز جو خریدی اور بیچی جا سکے...... مسلمان عورت کو انسانیت کے مقام و مرتبے سے گرا کر اس کی بدترین تذلیل نہیں تو اور کیا ہے؟!

مسلمانوں کو انسانی اوصاف سے عاری قرار دے کر انہیں جانوروں سے بدتر قرار دینا اور ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک و رویہ روا رکھنے کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری ہے۔ روانڈا میں توتسیوں کی نسل کشی سے پہلے انہیں 'کاکروچ یا لال بیگ' کہا جاتا تھا، بعد میں ان کا لاکھوں کی تعداد میں قتلِ عام کیا گیا۔ نازی جرمنی میں یہودیوں کو 'چوہا' کہا جاتا تھا۔ اسی طرح بی جے پی اور آر ایس ایس ایک عرصے سے مسلمانوں کے ذکر کے لیے 'دیمک' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان دیمک ہی ہیں جو بھارت کے وسائل کھا رہے ہیں اور ہندوؤں کو ان کی اپنی زمین پر ان کے حقوق سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔ امت شا، بھارت کا دوسرا طاقتور ترین سیاستدان اکثر یہ اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

[1] اسلام اور مسلمانوں کا شدید خوف و نفرت

[2] ڈیل آف دا ڈے: Deal of the day (یعنی آج کی بہترین جنس برائے فروخت)

ان تمام طریقوں اور ہتھکنڈوں کے ذریعے مسلمانوں کو انسانیت سے کمتر درجہ دے کر، ان کی تذلیل کی جاتی ہے اور عوام میں ان کے لیے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کیے جاتے ہیں۔ یہی جذبات آگے چل کر قتلِ عام کے لیے فضا ہموار کرتے ہیں۔

انہی ایپس سے مماثل، انٹرنیٹ و سوشل میڈیا پر ہندُتوا کا حامی ایک مضبوط اور معروف ٹرینڈ پیدا ہو گیا ہے جو بلا جھجک اور کھلے عام مسلمان مردوں کے قتل اور مسلمان عورتوں سے اجتماعی زیادتی کی دعوت دیتا ہے۔ اور ان خیالات کو پھیلانے والے تعلیم یافتہ اور معاشی اعتبار سے آسودہ حال لوگ ہیں۔ بلکہ بعض حلقوں میں تو یہ سوچ بھی پائی جاتی ہے کہ مودی اور بی جے پی مسلمانوں کے ساتھ بہت نرم رویہ رکھے ہوئے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ سرکاری سطح پر بھی بی جے پی اور آر ایس ایس نہایت ماہرانہ انداز سے پروپیگنڈا کرنے کے طریقے آزما رہی ہیں۔ ایک بے حد منظّم انداز میں نفرت کی فضا بنائی جا رہی ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف پر تشدد کارروائیوں کے لیے زمین تیار کی جا رہی ہے اور جھوٹی خبروں کے ذریعے نسل کشی کو جواز بخش کے اس کی دعوت عام کی جا رہی ہے۔ پروپیگنڈا کا یہ جال بچھانے میں حقیقتاً و واقعتاً لاکھوں لوگ شامل ہیں جو بی جے پی اور آر ایس ایس سے وابستہ ہیں۔ اور یہ لوگ سوشل میڈیا پر دن رات ایک کر کے نسل کشی کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔

امِت شا نے ایک بار کہا تھا کہ 'ہم عوام کو اپنی مرضی کا کوئی بھی پیغام دینے کی استعداد رکھتے ہیں، چاہے وہ میٹھا ہو یا کڑوا..... سچا یا جھوٹا۔ کیونکہ ہمارے پاس واٹس ایپ کے گروپوں میں بتیس (۳۲) لاکھ افراد موجود ہیں'۔

مگر اسی پر بس نہیں، بلکہ انٹرنیٹ پر سوشل میڈیا کے 'ٹرینڈز' کو نہایت خوبی اور صفائی کے ساتھ اوپر نیچے کرنے کے لیے 'ٹیک فوگ [1]' جیسے خفیہ ایپس بھی بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ یہ ایپس فیس بک اور ٹوئٹر کے 'ٹرینڈز' ہائی جیک کر کے اپنی مرضی کے ٹرینڈز کو ترویج دیتے ہیں۔ یہ کام انجام دینے کے لیے اس ایپ کے اندر موجود 'آٹو ریٹویٹ' (auto-retweet) اور 'آٹو شئیر' (auto-share) کے خودکار فیچر کو استعمال کرتے ہوئے افراد اور گروپس کی پوسٹس اور ٹوئیٹس کو بے تحاشا پھیلایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس ایپ کو کنٹرول کرنے والے (دیگر) اکاؤنٹس استعمال کرتے ہوئے پہلے سے موجود ہیش ٹیگز (hashtags) کو سپیم (spam) [2] کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس فیچر کے ذریعے ہندُتوا کا پیغام آگے بڑھانے اور پھیلانے کا کام لیا جا رہا ہے۔ یہ ایپ اپنے استعمال کرنے والوں کو عام شہریوں کے واٹس ایپ پر غیر فعال اکاؤنٹس ہیک کرنے اور ان کے فون نمبرز کے ذریعے ان کی کانٹیکٹ لسٹ میں موجود افراد کو پیغامات بھیجنے کی سہولت بھی فراہم کرتا ہے۔

اس ایک مثال سے بھی یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی کے اس منصوبے کو کامیابی سے عملی جامہ پہنانے کے لیے کتنی دقیق اور گہری منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ یہ محض چند جذباتی اور انتہا پسند لوگوں پر مشتمل ایک ٹولے کا کام نہیں، بلکہ یہ بہت منظّم، بہت عرق ریزی سے تیار کی گئی قتلِ عام کی ایک خونخوار مشینری ہے، جسے بہت مہارت اور خوش اسلوبی سے میدان میں اتارا جا رہا ہے۔

درحقیقت ہندُتوا کی تحریک کے سامنے رام جنم بھومی تحریک کی مثال ہے جو بابری مسجد کی شہادت پر منتج ہوئی۔ ہندُتوا ایک بار پھر اسی راستے پر چل کر ویسی ہی کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اس دفعہ وہ بڑے پیمانے پہ مسلمانوں کا قتلِ عام اور نسل کشی کرنا چاہتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں دھرم سنسد منعقد کر کر کے وہ عوامی افرادی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلّح و تربیت یافتہ ملیشیائیں پیدا کرنا اور پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔ یہ کام اس لیے بھی آسان ہو گیا ہے کیونکہ آر ایس ایس اور اس سے وابستہ دیگر گروہ پہلے ہی پورے ہندوستان میں بڑے پیمانے پر تنظیمی نیٹ ورکس کے حامل ہیں۔

یہ سب امور مل کر ایک ہی جانب اشارہ کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ ہندُتوا تحریک اپنے تئیں یہ سمجھتی ہے کہ وہ جلد ہی نسل کشی کے اپنے منصوبے کی تنفیذ کا آغاز کر سکتی ہے۔

حل کیا ہے؟

برِّصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی فکر کا ایک بنیادی مسئلہ جمہوریت اور لبرل جمہوری عمل میں ان کا حیران کن حد تک غیر متزلزل یقین ہے۔ گزشتہ ایک صدی سے برِّصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی فکر نمائندہ جمہوریت، الیکشن اور قومی سرحدوں میں مقیّد و محدود رہی ہے۔ حتیٰ کہ آج جبکہ مسلمانوں کو نسل کشی کے شدید ترین خطرے کا سامنا ہے، اس کے باوجود مسلمان کفار کے بنائے انہی تصورات میں الجھے ہوئے ہیں اور اپنے مسائل کا حل انہی میں تلاش کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان تصورات اور نظریات نے مسلمانوں کو ہمیشہ ضرر ہی پہنچایا ہے۔ ان سے کبھی کوئی خیر برآمد نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہو گی۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت، جس میں بدقسمتی سے علمائے دین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے، انہی نقصان دہ تصورات و نظریات سے چمٹی رہنا چاہتی ہے۔

جمہوریت مسلمانوں کے مسائل حل نہیں کر سکتی، ہندوستان کی حالیہ صورتحال اس امر کی عمدہ ترین مثال ہے۔ بی جے پی اور آر ایس ایس کثرتِ ووٹ کی بنیاد پر متواتر دو دفعہ اقتدار میں آ

[1] Tek Fog: لغوی اعتبار سے ٹیکنیکل دھند

[2] Spam: ایک ہی پیغام کو انٹرنیٹ پر مختلف لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو بلا تمیز و تفریق بھیجنا

چکی ہیں۔ اس صورتحال سے باہر نکلنے کا کوئی جمہوری راستہ یا حل دستیاب نہیں۔ بھارت کے بظاہر سیکولر آئین و دستور پر بہت سوں نے تکیہ کیا اور بہت سوں نے اپنی امیدیں عدلیہ و پارلیمنٹ جیسے 'سیکولر' اداروں سے وابستہ کیں، کہ یہ ہمارے حقوق اور مفادات کا تحفظ کریں گے، لیکن ایسی سب امیدیں بھی مسلمانوں کی خام خیالی ثابت ہوئیں۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد کے واقعات میں ہم نے دیکھ لیا کہ ہندوستان کے 'سیکولر' اعضائے ریاست نے کس طرح ہندُتوا کی تمام حرکتوں اور کارروائیوں کو قانونی جواز بخشا۔ پھر اسی 'سیکولر' عدالت نے کشمیر کی ۸ سالہ آصفہ بانو کے ساتھ زیادتی کرنے والوں اور اس کے قاتلوں کو ضمانت پر رہا کیا۔

درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ان بظاہر 'سیکولر' اداروں کے وجود کا مقصد ہندُتوا کے کالے کرتوتوں کو جائز اور قانونی ثابت کرنا ہے۔ ان اداروں کے قیام سے لے کر آج تک..... یہ یہی کرتی چلی آئی ہیں۔ پوری ریاستی مشینری..... عدلیہ سے لے کر پارلیمنٹ تک اور پولیس سے لے کر مسلّح افواج تک..... اس مشینری کا ہر جزو ہندُتوا کی تائید و حمایت میں کام کر رہا ہے، کہیں براہِ راست اور علی الاعلان اس میں حصّہ لے کر اور کہیں محض اپنی خاموش تائید و نصرت سے۔

یہ سارا منظر نامہ دیکھتے ہوئے ہندوستان کے مسلمان علما اور قائدین ..... بالخصوص سیاسی جماعتوں کے قائدین کا ریاست کے اس 'سیکولر عنصر' ہی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھنا اور اس سے اپیلیں کرنا، جہاں ایک طرف عقل سے باہر ہے وہیں بے حد المناک بھی ہے۔ وہ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ سیکولر ہندوستان ان کا ہندُتوا کے عفریت سے دفاع کرے گا، یہ سوچ اس قدر غالب ہے کہ ہری دوار کے اجتماع کی مذمت کرتے ہوئے بھی وہ حکّام کو سیکولرازم کے واسطے دیتے ہیں، جیسے اس طرح وہ صورتحال کو کسی طرح اپنے لیے کچھ بہتر بنالیں گے۔

اس طرزِ فکر نے ہمیں تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہم آج بھی مسلم لیگ اور کانگرس کی عینکیں آنکھوں پر لگائے سیاست کرتے ہیں، یہ جانے سمجھے بغیر کہ یہ سو سالہ فرسودہ طریقِ سیاست ہمارے حقوق، تمناؤں اور خوابوں کا تحفظ کرنے میں یکسر ناکام رہا ہے۔ مسلمانانِ برّصغیر شریعت کا نفاذ چاہتے تھے، وہ عزّت و احترام اور وقار چاہتے تھے۔ مگر آج پورے برّصغیر..... پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش میں مسلمان ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اسلام کا پرچم سرنگوں ہے۔ ریاست و اقتدار یا مشرکین کے ہاتھوں میں ہے یا سیکولر قوم پرستوں کے ہاتھوں میں۔ زمین پر اللہ کا قانون اور اللہ کی شریعت نافذ کرنے کی دعوت دینا تو کجا، اس کا خواب دیکھنا بھی ممنوع ہے۔ آج ضرورت اس چیز کی ہے کہ ایک صدی سے ہم جن لکیروں کے فقیر بنے ہوئے ہیں، اب ان سے جان چھڑائیں۔

ایک مخلوط قسم کی قوم اور وطن پرستی کے نظریات، اور ضرورت کی بنا پر جمہوریت اور الیکشن میں حصّہ لینے کے تصورات کی بنیاد میں گو نیت و ارادہ اچھا ہی ہوتا ہے، اس کے باوجود ان نظریات نے ہمیں مسائل در مسائل اور مصیبت در مصیبت کے سوا کچھ نہیں دیا۔ پھر تباہ کن نتائج تو ایک طرف رہے، سب سے بڑا نقصان ان تصورات سے یہ پہنچا کہ مسلمانانِ برّصغیر میں ذہنی و نظریاتی غلامی راسخ ہو گئی۔ اور آج یہ تصورات اس طرح مسلمانوں کی سیاسی فکر کا جزو لاینفک بن گئے ہیں کہ اکثریت کو جمہوریت کے علاوہ کوئی حل کہیں نظر ہی نہیں آتا۔

آج بیس کروڑ مسلمانوں کو نسل کشی کے بے حد حقیقی خطرے کا سامنا ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ ہمیں موجودہ نظام بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس طرزِ فکر اور اس سیاسی نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے جس نے ہمیں آج اس مقام پر پہنچایا ہے۔ عامۃ المسلمین کے تحفظ کے لیے، مسلم خواتین کی عزت و عصمت کے تحفظ کے لیے، اپنی مقبوضہ و غصب شدہ زمینیں آزاد کرانے کے لیے، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے..... آج برّصغیر کو ایک نیا سیاسی وِژن دینے کی ضرورت ہے۔

گو کہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کا رجحان خود کو جہاد کی مبارک عبادت سے دور رکھنے کا رہا ہے، اس کے باوجود ان کا یہ طرزِ عمل نہ تو ان کی حفاظت کر سکا ہے اور نہ اس نے انہیں مشرکین کے لیے قابلِ اعتماد بنایا ہے۔ دھرم سنسد کے ایک مقرر، پربھوداننڈ گیری نے بعد میں ایک انٹرویو میں کہا کہ:

> ''ہم جہادیوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ہر وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کا مطلب و مفہوم سمجھتا ہے، وہ ایک جہادی ہے۔''

یہی شخص جون ۲۰۲۱ء میں بنی ایک ویڈیو میں یہ کہتا نظر آتا ہے:

> ''پوری دنیا میں اگر انسانیت کو بچانا ہے تو جہادیوں کا خاتمہ کرنا ہو گا۔ دنیا کو ان جہادیوں کا علاج کرنے، ان کا بندوبست کرنے کی ضرورت ہے۔ چند روز قبل کسی نے کہا کہ اسلام میں زبردستی زنا کرنے والے (rapists) پیدا ہوتے ہیں، جہادی پیدا ہوتے ہیں..... جبکہ میں تو ایک عرصے سے یہ کہہ رہا ہوں کہ ہر مسلمان گھرانے میں ایک جہادی اور ایک دہشتگرد موجود ہوتا ہے۔ ہندوؤں کو اب اٹھ کھڑا ہونے اور ان جہادیوں کا علاج تلاش کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ جہادی ہندوؤں کے لیے علاج ڈھونڈ لیں گے، اور پھر اس دنیا میں رہنے کے لیے ہمیں کوئی جگہ نہیں ملے گی۔''

یہ شخص آگے چل کر تمام 'جہادیوں' کو ہندو دھرم کی طرف لوٹ آنے اور معافی مانگنے کا مشورہ دیتا ہے۔ سو چاہے آپ اپنے آپ کو جہاد سے دور کریں یا سیکولر بیانیہ اور طریقے استعمال کریں، دشمن آپ کو جہادی ہی کہے گا اور جہادی ہی سمجھے گا۔

تو اے مسلمان! جان لو کہ تم انہیں خوش اور راضی کرنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لو، تم کتنے ہی 'پر امن' کیوں نہ بن جاؤ، تم ایک 'اچھے شہری' بننے کے لیے کتنے ہی جتن کیوں نہ کرو،

تم پھر بھی..... ان کی نظروں میں 'جہادی' ہی رہو گے۔ جب تک تم قرآن و سنّت سے بھی اپنا دامن نہ چھڑا لو گے، جب تک تم اللہ کے دین کی محبت کا دم بھرتے رہو گے، تم ان کی نظر میں 'جہادی' ہی رہو گے۔ تم ان کے نزدیک دیمک ہی رہو گے۔ نہ وہ تم سے خوش ہوں گے، نہ راضی، یہاں تک کہ تم اللہ کے دین کو ترک کر دو اور ملّتِ ابراہیمیؑ سے نکل جاؤ۔

یہاں سمجھنے والوں کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ ہمیں جمہوریت، الیکشن، گاندھی طرزِ فکر، قوم پرستی، سیکولرازم اور انسانی ساختہ سرحدوں کے جنجال سے خود کو چھڑانے کی ضرورت ہے۔ اپنی بقا کے لیے، اپنے ایمان، عزت اور اولاد و نسل کی حفاظت کے لیے، ہمیں ایک نئی سیاسی فکر اپنانی ہو گی۔ ایک ایسی فکر جس کی اساس جہاد اور شریعت ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ اور بعد میں آنے والے خلفا و سلاطین کے زمانے میں تھی۔

۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۱ء کے سیاسی ڈھانچوں میں خود کو مقیّد کر کے سوچنے کا وقت گزر گیا۔ اب ضرورت ہے کہ ہندوستان کو ایک کُل..... ایک متحد میدان سمجھ کر منصوبہ بندی کی جائے۔ کیونکہ مسلمانانِ برِّصغیر کی قسمت اور مستقبل باہم مربوط ہے۔ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ہاں، مقامی منظر نامے، واقعات و صورتحال کو ضرور مدِ نظر رکھنا ہو گا، ایسی ترکیبیں اور حکمتِ عملیاں وضع کرنی ہوں گی جو اپنے اپنے مقام و صورتحال سے مطابقت رکھتی ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک آنکھ ضرور مرکزی ہدف پر مرکوز رہنی چاہیے، اور وہ ہے مسلمانانِ ہند (برِّصغیر) کی آزادی اور برِّصغیر میں اللہ کی شریعت کا نفاذ۔ اور اس مقصد و ہدف کا حصول صرف اور صرف جہاد ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ کتاب یهدي وسيف ينصر، کتاب اللہ کے ذریعے جو رہنمائی فراہم کرتی ہے اور تلوار کے ذریعے جو بزورِ قوت اس کو نافذ کرتی ہے اور اس کی حفاظت کرتی ہے۔ اور یہی وہ غزوۂ ہند ہے، جو امّت کے لیے خوشخبریاں لے کر آئے گا، جیسا کہ نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

مشرکین کے پنڈت اور سادھو طبلِ جنگ بجا رہے ہیں، نفرت کے جو بیج بوئے گئے تھے، وہ نئی نسل میں جڑ پکڑ چکے ہیں۔ مسلمانوں کا صفایا کرنے کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں۔ بھارت کے اکابر و زعما کی گہری خاموشی ان کی تائید و حمایت کی عکّاس ہے۔ نسل کشی کی جانب یہ دعوت اور اس کی تیاریاں آنے والے دنوں میں مزید بڑھ جائیں گی۔ آخر ہم کب تک اپنی بقا سے بے نیاز، آنے والے اس خطرے سے آنکھیں بند کر کے پڑے رہیں گے۔ اگر ہندوستان میں ہندُتوا کی اس تحریک کا تدارک نہ کیا گیا اور یہ یونہی آگے بڑھتی گئی تو عین ممکن ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا حشر بوسنیا و میانمار کے مسلمانوں سے بھی بدتر ہو۔

مسلمانانِ برِّصغیر کو جہاد کا راستہ اپنانا ہو گا۔ آج مجاہدین کے سوا کون ہے جو ہمارے لیے ہماری جنگ لڑے، اپنی جان قربان کرے اور اپنا خون بہائے؟ جہادی خطیب، قائدِ جہادِ برِّصغیر مولانا عاصم عمر نے کہا تھا:

> "اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے مجاہد بھائیوں کو مدد کے لیے پکارا، تو مجاہدین مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹ کے رکھ دیں گے۔"

لیکن اے مسلمانانِ ہند! سب سے پہلے ہمیں اس بنیادی حقیقت کا ادراک کرنا ہو گا کہ مجاہدین تب تک ہماری مدد نہیں کر سکتے جب تک ہم خود اپنی مدد نہ کرنا چاہیں۔ جب تک ہم اپنے اندر حقیقت کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا نہ کریں اور اللہ سے مدد و نصرت طلب کرنے کے لیے اس کی جانب عاجزی و اخلاص سے رجوع کریں۔ اس صراطِ مستقیم پر قدم رکھ دیں جس پر چلنے کا ہمیں اللہ نے حکم دیا تھا۔ اللہ رب العالمین، مالک الملک، الجبار و المتکبر کا فرمان یاد کریں، جب اس نے فرمایا:

> كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تُحِبُّواْ شَيْئاً وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ○ (سورۃ البقرۃ:۲۱۶)
>
> "تم پر (دشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تمہیں ناپسند ہے، اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔"

اور

> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَجِيبُواْ لِلّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُم لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ○ (سورۃ الانفال:۲۴)
>
> "اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو، جب رسول تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔ اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔"

اور

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ○ (سورۃ الانفال: ۶۰)

”اور (مسلمانو) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی نہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔“

بھارت کے مشرکین ہم سے تباہی و بربادی کے وعدے کر رہے ہیں، جبکہ اللہ نے ہم سے عزت و ظفر کا وعدہ کر رکھا ہے...... تو کیا ہم اپنے ربّ کی اطاعت نہیں کریں گے؟

کیا ہم اب بھی نہیں جاگیں گے؟

اے اللہ! گواہ رہنا...... میں نے اپنی قوم تک پیغام پہنچا دیا!

بھائی ’ابو انور الہندی‘ کا تعلق ’حاجی شریعت اللہ کی سرزمین بنگال سے‘ ہے، جسے بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے اور انہوں نے یہ تحریر وہیں قلم بند کی ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: عمل کا وقت

یہ تو صرف چند مثالیں ہیں اور وہ بھی حالات کی مکمل تصویر پیش نہیں کرتیں۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی حالت زار اس سے کہیں ابتر ہے اور نظر آرہا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام دشمنی میں اضافہ ہو رہا ہے اور حالات کے یہ تھپیڑے گویا ہمیں بتا رہے ہیں کہ ہم نام کے مسلمان صحیح معنوں میں اہل ایمان بن جائیں، کیوں کہ ان آندھیوں کا مقابلہ ایمان و کردار کی شمعیں جلائے بغیر کبھی نہیں ہو سکے گا، یہ جنگ اور یہ آگ کسی ایک جگہ محدود نہیں رہے گی؛ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو مہنگائی کے اس طوفان میں تن ڈھانپنے اور پیٹ بھرنے کی فکر میں اس قدر مبتلا کر دیا گیا ہے کہ انہیں اپنے دین ایمان اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر گزرتے بدترین حالات کی طرف توجہ دینے کا ہوش ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ہوش کا وقت تو یہی ہے، یہ گزر گیا تو پھر ہوش میں آئے بھی تو کیا فائدہ ہو گا؟

آج یہ وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، آج ہمارے پاس مہلت ہے، ہم دشمن کے خلاف تیاری کر سکتے ہیں، اپنی اور اپنے پیاروں کی ذہن سازی کر سکتے ہیں، شریعت پر عمل کو اپنی زندگی میں ترجیح اول بنا سکتے ہیں، اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں کی چالوں کو سمجھنے اور ان کے سدباب کی کوشش کر سکتے ہیں...... مگر یہ وقت گزر گیا تو محض ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ جاگنے کا وقت یہی ہے، عمل کا وقت یہی ہے، اپنے رب سے اپنے دین سے جڑنے کا، اس پر عمل کا وقت یہی ہے۔

آج وہ دور ہے کہ جو راہ پانا چاہے اس کے پڑھنے سننے دیکھنے کے لیے بھی کافی شافی مواد موجود ہے اور راہ پانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ماسوا اس کے اپنے نفس کے، اور جو راہ گم کرنا چاہے اس کے لیے بھی پھسلنے کے رستے بہت۔

فیصلہ آپ کا ہے، چوائس آپ کی ہے، وقت بھی فی الحال آپ کے ہاتھ میں ہے، لیکن یہ وقت اور یہ مہلت کب پوری ہو جائے گی، اسے اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس لپکیے، دوڑیے اور سبقت کیجیے رب کی رضا کی طرف، اس کی جنتوں کی طرف، ان کی طرف جو ان جنتوں کے خریدار بنے اور ان راہوں کی طرف جو ان جنتوں کی طرف لے کر جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

ہم اپنا جہاد جاری رکھیں گے!

”یہ وہ شہداء ہیں جنہوں نے عظیم قربانیاں پیش کیں، تاکہ امت فتح یاب ہو اور خلافت قائم ہو سکے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ انہوں نے خود کو اس عہد سے باندھ رکھا تھا کہ وہ اپنا جہاد جاری رکھیں گے جب تک وہ اقصیٰ تک نہ پہنچ جائیں، اور مسلمانوں کی زمینوں کا آخری چپہ بھی کفر کے تسلط سے آزاد نہ ہو جائے!

اور ہم سب کا عہد بھی یہی ہے! اگر ہم نے ان کے راستے کو چھوڑ دیا تو یہ ان کے خون سے خیانت ہو گی!!!“

(شہید شیخ ابو بصیر ناصر بن عبد الکریم الوحیشی رحمۃ اللہ علیہ)

(مرکزی نائب امیر جماعت قاعدۃ الجہاد و امیر جماعت قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب)

عمل کا وقت

قاضی ابو احمد

ہیلووین، کرسمس، نیو ائیر نائٹ (نئے سال کا جشن) اور آنے والا ویلنٹائن ڈے..... ان تہواروں کے موجدوں اور مالکوں سے بڑھ کر جوش و خروش سے مناتے 'مسلمان' پوری دنیا میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ اگر وہ غیر مسلم ممالک میں ہوں تو آپ ان کے لباس، ان کی زبان اور ان کی حرکات سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ مسلمان ہیں یا عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ یا کچھ اور۔ اور اگر یہ اپنے مسلمان ممالک میں ہوں تو ان کے مرد و زن کے تن پر مقامی و روایتی لباس اور ان کی زبان ان کے دیسی اور مسلمان ہونے کی چغلی تو کھاتی ہے مگر ان کی بدیسی حرکتیں ان کی مسلمانیت پر سوالیہ نشان لگا دیتی ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو وہ ہیں جو اپنے دین سے بالکل بے زار ہیں اور اس کا حوالہ تک دینا پسند نہیں کرتے، مگر بہت سے ایسے بھی ہیں جو راہ گم کردہ ہیں اور 'چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی' کے مصداق بغیر سوچے سمجھے بس چلے جا رہے ہیں، ارد گرد کا ماحول جس رنگ میں رنگتا جائے یہ بھی اسی رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں یہ بھول چکے ہیں کہ ان کے رب نے انہیں کس مقصد کے لیے اس دنیا میں پیدا کیا تھا اور ان کی منزل کیا ہے.....؟!

مگر وہ..... جو ان مسلمانوں کے اور ان کے دین کے دشمن ہیں، وہ ہرگز یہ نہیں بھولے کہ مسلمان وہ قوم ہیں کہ جن کو اللہ رب العزت نے اس قدر مکمل، مضبوط، مدلل اور چھا جانے والا دین عطا کیا ہے کہ ادنیٰ ترین مسلمان کے دل میں بھی اپنے رب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اپنے دین پر غیرت کی چنگاری ہمہ وقت سلگتی رہتی ہے، بظاہر دین سے دوری کی راکھ اس پر پڑی ہوتی ہے مگر اسے بھڑکانے کے لیے فقط ننھا سا محرک ہی کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا خود کو پر امن کہلانے والے کفار کی اسلام مخالف کوششیں ظہورِ اسلام سے اب تک پیہم جاری ہیں۔ وہ اپنی ان سرگرمیوں پر جس قدر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کریں، یا جن بھی خوش نما اور گمراہ کن ناموں سے اپنی ان کارروائیوں کو موسوم کریں، حقیقت بہر حال ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔ آج بھی پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مہم جابجا جاری ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اب اس پر پردہ ڈالنے اور اسے چھپانے کی بھی کچھ خاص کوشش نہیں کی جاتی اور بہانگ دہل اہلِ اسلام سے دشمنی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ثبوت کے طور پر دنیا بھر سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں[1]۔

فرانس میں Generation Identity، جس سے منسلک اور متاثر افراد خود کو Identitarian کہلواتے ہیں، انتہائی دائیں بازو کی تنظیم ہے اور اس کا رسوخ اتنا ہے کہ فرانس کی بڑی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک، نیشنل ریلی، اسی کے نظریات کی پیرو ہے۔ فی الوقت اقتدار میں نہ ہونے کے سبب اس تنظیم اور اس کے نظریات سے یہ سیاسی پارٹی برأت کا اظہار کرتی ہے مگر اس کے افراد نجی محفلوں میں علانیہ اظہار کرتے ہیں کہ ہم اسی تنظیم کے نظریات کے پیرو ہیں اور اقتدار میں آنے کے بعد ہم انہی خطوط پر حکومت کریں گے۔ اس تنظیم کے بنیادی منشور میں اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی رچی بسی ہے۔ انہوں نے جگہ جگہ اپنے خفیہ اڈے بنا رکھے ہیں جن میں یہ اپنے کارکنان کو ذہنی اور جسمانی تربیت کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ اس تنظیم کو شہرت بھی ان کے اسلام مخالف مظاہروں سے ہی ملی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہی اس ملک کے وارث ہیں اور تمام مسلمان، خواہ قانونی طور یہاں رہ بس رہے ہوں یا غیر قانونی، انہیں یہاں رہنے اور یہاں کی سہولیات سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں اور ہم انہیں اس ملک سے نکال کر رہیں گے۔ اسی جماعت کا ایک رکن تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مسلمانوں سے ہمیں یہی کہنا چاہیے کہ تمہارے لیے ہمارے پاس سر میں (ماری جانے والی) ایک گولی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس تنظیم سے منسلک غنڈے گلیوں محلوں میں، بالخصوص تہواروں کے موقع پر مسلمانوں کو تاک تاک کر نشانہ بناتے ہیں، ان پر آوازے کستے، ان پر حملے کرتے ہیں اور انہیں اشتعال دلاتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان کے لیے محض کسی کا عرب (یعنی مسلمان) ہونا ہی کافی ہے، خواہ اس کا عرب ہونا محض اس کی رنگت سے ہی واضح ہو اور اس کے علاوہ اس میں غیر فرانسیسی ہونے کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ ایک موقع پر اس تنظیم کے غنڈے چند ایسے عرب نوجوانوں سے لڑ بھڑ کر آئے جو خود بھی رات کو آوارہ گردی کے لیے باہر نکلے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں تھیں۔ نیز ایک اور واقعے میں، نئے سال کے جشن کے موقع پر جب اس تنظیم کے غنڈے سڑکوں پر آوارہ گردی کر رہے تھے، تو ایک عرب لڑکی (جو نہ اپنے حال حلیے سے عرب نظر آتی تھی اور نہ ہی اپنی حرکتوں سے اور نہ ہی اس کا اسلام سے کوئی تعلق نظر آتا تھا اور وہ اتنی ہی فرانسیسی دکھائی دیتی تھی جتنی وہاں موجود دیگر فرانسیسی لڑکیاں) نے عربی زبان میں کوئی عامیانہ لفظ (slang) استعمال کیا، جس پر اس تنظیم کے غنڈے نے یہ جان کر کہ یہ لڑکی عرب ہے اسے گالیاں بکتے ہوئے اس زور کا مکا رسید کیا کہ بقول اس کے اس کا اپنا ہاتھ دُکھنے لگا۔ نیز یہ مکا مارنے والا شخص ایک نجی محفل میں کہتا ہے کہ اگر مجھے کسی جان لیوا بیماری میں مبتلا ہونے کا پتا چل جائے تو میں مسلمانوں کے بڑے بازار میں (جہاں بیشتر دکاندار اور خریدار مسلمان ہی ہوتے ہیں) گاڑی لے جا کر پھاڑ دوں گا اور اگر میں اس کارروائی میں بچ گیا تو دوبارہ ایسی ہی کارروائی کروں گا۔ واضح

[1] اس مضمون میں ذکر کیے گئے تمام حقائق الجزیرہ ٹی وی کی نشریات سے لیے گئے ہیں۔

رہے کہ یورپ بھر میں بسنے والے مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد فرانس میں بستی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ کون عملی مسلمان ہے اور کون نہیں، بس جو مسلمان قوم میں پیدا ہوا اس سے ان کو دشمنی ہے۔

سری لنکا میں، جو سنہالی بدھوں کی اکثریت رکھنے والا ملک ہے، دس فیصد مسلمان آبادی ہے۔ سری لنکا کی موجودہ حکومت کا سیاسی نعرہ ہی 'ایک وطن، ایک قانون' رہا ہے۔ لہٰذا ۲۰۱۹ء میں اقتدار میں آنے کے بعد سے یہ حکومت اسی جانب گامزن ہے۔ ایک وطن ایک قانون کا اصول لاگو ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ سری لنکا میں بسنے والے دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے دین کے مطابق، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے معاملات نہیں طے کر سکیں گے بلکہ ان سب پر سری لنکن قانون کی پیروی کرنا لازم ہو گا۔ اس مقصد کے لیے صدر نے ایک ایسے بدھ جوگی کو قوانین کا جائزہ لینے اور ان میں تبدیلیاں کرنے کے لیے قائم کردہ تیرہ رکنی کمیٹی (ٹاسک فورس) کا سربراہ بنایا ہے جو اپنی اسلام دشمنی کے لیے مشہور ہے اور جس کی سرکردگی میں گزشتہ سالوں میں مسلمانوں کی مساجد اور املاک کے خلاف تشدد آمیز کارروائیاں بھی کی گئی ہیں اور جس نے کچھ عرصہ قبل ہی سری لنکا میں مزید پر تشدد کارروائیوں کے خدشے کا اظہار بھی کیا ہے۔ نیز یہی وہ جوگی ہے جس نے کچھ عرصہ قبل سرکاری میڈیا پر علانیہ کہا کہ 'پوری دنیا میں دہشت گردی کا سبب (نعوذ باللہ) اللہ (رب العزت) خود ہے'۔ اس کمیٹی میں چار مسلمانوں کو بھی رکن بنایا گیا ہے مگر لگ یہی رہا ہے کہ وہ بس نام ہی کے مسلمان ہیں۔ سری لنکا میں مسلمان اور دیگر اقلیتیں پہلے ہی یہ محسوس کر رہی ہیں کہ گویا وہ اس ملک کے شہری نہیں ہیں اور یہ ملک صرف بدھ مذہب کے پیروکاروں ہی کا ہے۔ وہاں مسلم پرسنل لاء ریفارم بھی زیر بحث ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو اندیشہ ہے کہ بات صرف اس لاء ریفارم تک نہیں رکے گی بلکہ اس کے بعد مدرسے بھی گرائے جائیں گے، برقع اور داڑھی پر، گائے کے ذبیحہ اور حلال غذا پر پابندی بھی لگے گی، نیز عربی خط اور تراجم کی جانچ پڑتال بھی ہو گی اور مسلمانوں کو انتہا پسند قرار دے کر اس کمیٹی کو یہ اختیار بھی دیا جائے گا کہ انہیں غیر انتہا پسند بنانے کے لیے جو حربے چاہے اختیار کرے۔

چین جو ہمارے پڑوس میں واقع ہے میں موجود ترکستانی مسلمانوں کی حالت زار سے کون واقف نہیں ہے۔ چین مسلمان اور اسلام دشمنی میں غالباً سب سے ہی آگے ہے کہ اس کا مقصد مسلمانوں کو نکالنا نہیں بلکہ جڑ سے ختم کرنا ہے۔ دسیوں کیمپوں میں رکھے گئے مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کے سینوں سے ان کا دین کھرچ دینے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ، ترکستانی عورتوں کو بانجھ بنا دیا جاتا ہے، ان مردوں عورتوں پر قطع نظر ان کی عمر، جنس اور جرم کے بدترین تشدد روا رکھا جاتا ہے اور ادنیٰ ترین اسلامی شعار پر عمل کرنے پر مسلمانوں کو اٹھا کر ان کیمپوں میں ڈال دیا جاتا ہے، خواہ وہ مسلمان ڈاکٹر ہوں، پروفیسر ہوں یا کسی بھی باعزت پیشے سے وابستہ ہوں۔ نیز ایسے مسلمانوں تک کو ان کیمپوں میں ڈالا جاتا ہے جو چین کی حکمران کمیونسٹ پارٹی کے وفادار کارکن ہیں۔ پھر جو مسلمان ان کیمپوں سے باہر ہیں وہ بھی آزاد زندگی نہیں گزار رہے۔ مسلمانوں کے گھر گھر میں چینی استخباراتی ارکان گھس کر رہتے ہیں اور گھر والوں کی حرکات و سکنات کی چوبیس گھنٹے نگرانی کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ انہی گھر میں گھس کر رہنے والے چینیوں کے ہاتھوں انہی گھروں کی مسلمان ایغور خواتین اپنے باپوں، بھائیوں اور شوہروں کی موجودگی میں ہر رات ریپ کی جاتی ہیں۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ چین مسلمانوں کی نسل کشی کر رہا ہے لیکن اگر (نام نہاد جمہوریت کی لاج رکھنے کے لیے) کہیں سے چند ایک بار چین کے خلاف آواز بلند بھی کی جاتی ہے تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ چین کے خلاف اقوام متحدہ کے فورم پر صرف باتیں تو کی جاسکتی ہیں لیکن کوئی قرارداد نہیں پاس کی جاسکتی کیونکہ چین سلامتی کونسل میں ویٹو پاور رکھتا ہے۔ ایغور مسلمانوں نے آئی سی سی (International Criminal Court) میں بھی اپنا کیس پیش کیا مگر چین آئی سی سی کی عمل داری میں نہیں آتا۔ نیز چین نے مسلمان ممالک میں ملٹی بلین ڈالرز کے اتنے بڑے بڑے منصوبے شروع کر رکھے ہیں کہ وہاں کی مسلمان حکومتیں اپنے مفاد کی خاطر چین کے سامنے خاموش رہنے پر مجبور ہیں۔

ہمارے دوسرے پڑوسی ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار بھی سب کے سامنے ہے۔ اب تو غالباً 'بغل میں چھری اور منہ میں رام رام' کا دور بھی لد گیا اور ہندو کی اسلام و مسلمان دشمنی چھپائے نہیں چھپتی۔ لاکھوں مسلمانوں کو بیٹھے بٹھائے ان کی اپنی ہی زمینوں سے اجنبی اور پردیسی بنا کر انہیں دیس نکالا دینے کی مہم سے کون واقف نہیں ہے۔ بوڑھے بوڑھے مرد اور عورتیں جو انہی گلیوں محلوں میں پیدا ہوئے، اور اب ان کی اولادیں بھی بچوں والی ہیں، انہوں نے اپنے والدین کو انہی زمینوں میں دفن کیا، آج پچاس، ساٹھ، ستّر سال کی عمر میں ان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ تو یہاں کے شہری ہی نہیں ہیں اور یہ ان کا وطن نہیں۔ وہاں بسنے والے مسلمان ہمہ وقت خوف کی کیفیت میں ہیں کہ نجانے کب انہیں ان کی زمینوں سے بے دخل کر دیا جائے اور وہ بے گھر ہو کر رہ جائیں۔ ایک شخص تیس پینتیس سال ہندوستانی فوج میں ملازم رہتا ہے اور اب فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد اسے بتایا جا رہا ہے کہ وہ تو اس ملک کا شہری ہی نہیں ہے، خواتین اپنے ننھے ننھے بچوں کے ساتھ کئی کئی سال جیل میں گزارتی ہیں کہ ان کے پاس اپنی شہریت ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگ حیران ہیں پریشان ہیں کہ جس کے ماں باپ بھائی شوہر بیٹا سب ہی ہندوستانی شہری ہیں، وہ عورت اور اس کا ایک بچہ کیسے غیر ہندوستانی ہو سکتے ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ سب عقل کے معیار پر پرکھنے کی باتیں نہیں ہیں، اتنی عقل ہندو کے اندر ہوتی تو وہ بتوں اور بندروں کی پوجا نہ کرتا، یہ تو صریح شیطانیت ہے جس میں عقل و خرد کو کنارے پر رکھ دیا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 78 پر)

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

پاکستان

قومی سیاست

دسمبر کی شدید سردی میں ملکی سیاست کا ماحول خاصا گرم رہا۔ دسمبر ۲۰۲۱ء میں میڈیا پر سیاست کی گرما گرمی چھائی رہی۔ ایک طرف پاکستان تحریکِ انصاف اپنے مضبوط گڑھ خیبر پختون خوا میں بلدیاتی الیکشن بری طرح ہار گئی۔ تو دوسری طرف نااہل ہو کر ملک سے مفرور نواز شریف کی واپسی کی خبریں گونج رہی ہیں۔ ملک میں مہنگائی ریکارڈ توڑ زوروں پر ہے اور معیشت تقریباً دیوالیہ ہو چکی ہے۔ آئی ایم ایف سے قرضے لینے کے لیے بڑے ملکی وسائل کڑی شرطوں پر گروی رکھوا دیے جانے کی بازگشت سننے میں آ رہی ہے۔ ایسے میں وزیر اعظم کو اپنی کرسی بچانے کی فکر لاحق ہے۔ اور 'اسلامی جمہوریہ' میں فیصلے ہمیشہ کی طرح 'کہیں اور' سے ہو رہے ہیں۔

اس سلسلے میں مختلف کالم نویس کیا کہتے ہیں، اس کی جھلک ملاحظہ ہو:

زرداری صاحب کا انکشاف اور ن لیگ | اجمل خٹک کاشر

"بلدیاتی انتخابات کے نتائج کے ساتھ ہی جناب زرداری کا سیاسی منظر نامے پر یوں برق رفتاری سے نمودار ہونا، سیاسی قد کاٹھ کے حامل دیگر جماعتوں کے اصحاب کے حوالے سے 'فارمولوں' کی بازگشت، میاں صاحب کی واپسی کے چرچے اور خاص طور پر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا یہ فرمانا کہ "قوتوں نے ذرا ہاتھ ہٹایا تو ان کا حشر نشر سب کے سامنے ہے"۔ اس بحث سے لگتا ہے کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اس سب کا اجمال یہ ہے کہ اس مرتبہ ووٹ کی قوت کے بل بوتے کی بجائے اہم کھلاڑی دیگر 'ذرائع' پر نظریں مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ جب مولانا صاحب کہتے ہیں کہ ذرا ہاتھ ہٹایا، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہاتھ کس مجبوری میں ہٹایا یا کس کے لیے ہٹایا؟ دیگر جمہوری ممالک میں تو دور کی بات ہے، ہمارے پڑوس میں بھی اقتدار کے بناؤ سنگھار کے حوالے سے اس طرح کی ہل چل کا کہیں تصوّر نہیں۔ جناب زرداری کی اس بات پر تو بڑی لے دے ہوتی رہی کہ انہوں نے یہ کہا کہ "اب تم کرو اس کی چھٹی، پھر کرو ہم سے بات" گویا موجودہ حکومت کو غیر آئینی طور پر ختم کرنے کا کہا۔ لیکن یہ سوال نہیں اٹھایا جا رہا کہ آخر سیاستدان کب تک اس طرح کے امکانات کے آسرے پر رہیں گے؟"

[روزنامہ جنگ | ۲۹ دسمبر ۲۰۲۱ء]

تحریکِ انصاف: ڈرامائی اڑان، مضحکہ خیز انجام | امتیاز عالم

"محترم عمران خان کی جماعت مجھے اس طرح منتشر ہوتی دکھائی پڑتی ہے جس طرح کسی تباہ شدہ جہاز کا ملبہ۔ اور شاید اگلا انتخاب اس کا آخری انتخاب ہو، جس سے قبل اس پارٹی کے جہاز پر چڑھائے گئے ابن الوقتوں کے انخلاء کا ایسا منظر دکھائی پڑے گا جیسے ہمیں کابل ایئر پورٹ پر نظر آیا تھا۔

'تبدیلی آئی نہیں' واقعی آچکی ہے۔ بس تجہیز و تدفین کے مناظر ترتیب پانے کو تیار ہیں۔"

[روزنامہ جنگ | ۲۶ دسمبر ۲۰۲۱ء]

ڈیل اور سیاست | انصار عباسی

"ہر کوئی یہی بات کر رہا ہے کہ نواز شریف واپس آ رہے ہیں یا نہیں؟ جب واپسی کی بات ہو رہی ہے تو پھر ڈیل کی بات لازم ہے، جس پر سوال اٹھ رہے ہیں کہ کیا ڈیل ہو چکی یا پھر ابھی کچھ رکاوٹیں ہیں؟.....

.....اس ماحول میں جیو کے سینئر اینکر سلیم صافی صاحب کا ایک ٹویٹ بڑی اہمیت اختیار کر گیا جس میں وہ لکھتے ہیں:

'ایک ضروری اعلان سنیے: میاں نواز شریف جنوری میں پاکستان آنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ منصوبے کے مطابق واپسی پر جیل جائیں گے، پھر عدالتوں سے ریلیف اور سابقہ سزاؤں کے خاتمے کی اپیلیں ہوں گی۔

ڈی جی نیب لاہور کا تبادلہ اسی سلسلے کی کڑی ہے، جبکہ نواز شریف سکرپٹ سے مطمئن ہیں۔ اعلان ختم ہوا۔'

ڈیل ہو چکی یا ڈیل ہو رہی ہے، سکرپٹ فائنل ہو چکا یا ابھی اس پر کام ہو رہا ہے، ان سب سوالات پر ہر طرف بحث و مباحثہ جاری ہے۔ نام کوئی نہیں لے رہا۔"

[روزنامہ جنگ | ۲۷ دسمبر ۲۰۲۱ء]

حیرت اس پورے جمہوری نظام پر ہے کہ تین دفعہ وزیر اعظم بننے والا نااہل قرار دیا گیا کرپٹ شخص اب چوتھی دفعہ وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اور یہ سارے فیصلے پس پردہ ایک 'طاقتور عنصر' کر رہا ہے۔ پاکستانی تاریخ کے ان کرپٹ سیاستدانوں اور لٹیرے حکمرانوں کی فہرست بہت طویل نہیں ہے، جو بار بار نکالے جاتے ہیں اور بار بار منتخب ہو کر دوبارہ لوٹنے

آجاتے ہیں۔ اسی فہرست میں عمران خان کا اضافہ ہو چکا ہے۔ بلاشبہ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں، لیکن ہم بھی تو اندھے ہیں کہ بار بار ٹھوکر کھاتے ہیں اور پھر دوبارہ انہیں ہی منتخب کر لیتے ہیں۔

پاکستان — 'گوادر کو حق دو' دھرنا

جہاں پاکستان کا صوبہ بلوچستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہے وہاں گوادر کا ساحل جغرافیائی اعتبار سے ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ روس و چین سے لے کر بہت سے ممالک کی نظریں گوادر کی بندر گاہ پر لگی رہی ہیں۔ جن گرم پانیوں تک رسائی کے لیے روس نے افغانستان پر حملہ کیا تھا، اس تک چین کو سی پیک کے ذریعے بآسانی رسائی حاصل ہو چکی ہے۔

لیکن یہ گوادر کے مکینوں کے لیے ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ان کو بنیادی سہولیات تک رسائی نہیں دی جا رہی جبکہ ان کے وسائل پر قبضہ کیا جا رہا ہے۔ گوادر کے مکینوں کا بنیادی پیشہ ماہی گیری ہے، جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اب اس پیشے کو بھی ان سے چھینا جا رہا ہے۔ اسی مصیبت میں گرفتار ماہی گیروں نے اپنی خواتین و بچوں سمیت ۱۵ نومبر سے اپنے بنیادی حقوق کے لیے دھرنا دیا۔ اس دھرنے کو پہلے پہل تو نہ حکومت اور نہ ہی میڈیا نے کوئی توجہ دی۔ لیکن ماہی گیر لاکھوں کی تعداد میں ڈٹے رہے اور 'گوادر کو حق دو' کا نعرہ بلند کیا۔ جب ایک مہینہ ہونے کو آیا کہ عوام مسلسل دھرنے میں کھلے آسمان تلے موجود رہے تو حکومت پر دباؤ بڑھا اور مجبوراً حکومت کو ان ماہی گیروں کے مطالبات سننے پڑے۔ اور ۱۵ دسمبر کو ایک معاہدہ طے پایا جس میں ماہی گیروں کے زیادہ تر مطالبات تسلیم کر لیے گئے جن پر عمل درآمد اب بھی ایک اہم ایشو ہے۔

یہ واقعہ اس لیے بھی اہمیت اختیار کر گیا کیونکہ اس کی قیادت کسی سیاسی یا قوم پرست جماعت نے نہیں بلکہ ایک عالمِ دین مولانا ہدایت الرحمن نے کی، جن کا خود خاندانی پیشہ ماہی گیری ہے، اور عام عوام نے ان کے ساتھ آواز اٹھائی۔

اس حوالے سے بہت سے کالم نویسوں نے قلم اٹھایا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

گوادر کا معاہدہ محض سراب | ڈاکٹر توصیف احمد خان

"گوادر کے ماہی گیروں کے بیشتر مطالبات کا تعلق وفاق سے ہے۔ ماہی گیر سمندر میں جانے کے لیے ۵ دن کی اجازت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وفاقی حکومت ٹرالر کمپنیوں سے معاملات طے کر چکی ہے۔ یہ ٹرالر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے سمندر کی تہہ تک سے مچھلی کا شکار کرتے ہیں۔ ایران سے آنے والے سامان کو سمگلنگ کی تعریف میں شامل کیا جاتا ہے مگر مکران ڈویژن کے لوگوں کی زندگی کا انحصار ایران سے آنے والے سامان کے کاروبار پر ہے۔ بلوچستان کے بارے میں مسلسل لکھنے والے صحافی عزیز سنگھور کہتے ہیں کہ ایران سے تیل مکران ڈویژن میں نہ آئے تو بلوچستان کی معیشت بیٹھ جائے گی۔ وفاقی حکومت اگر چیک پوسٹ ختم کرا دے تو ان کے دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہو گا۔"

[روزنامہ ایکسپریس | ۲۵ دسمبر ۲۰۲۱ء]

۱۶ دسمبر، گوادر کا دھرنا، تاریخ کا المیہ | حیدر جاوید سید

"دھرنے والوں کا اہم ترین اور پہلا مطالبہ، ٹرالرز کے ذریعے ہونے والی غیر قانونی ماہی گیری کو بند کروانے کا ہے۔ اس غیر قانونی ماہی گیری کی وجہ سے صدیوں سے کشتیوں کے ذریعے ماہی گیری سے منسلک ہزاروں خاندانوں کے روزگار پر حملہ ہوا ہے، لیکن دوسرے مطالبات، بجلی، پینے کے صاف پانی، جدید ہسپتال کا قیام، یونیورسٹی کو جدید خطوط پر منظم کرنا، چیک پوسٹوں کا خاتمہ، سمگلنگ کی روک تھام، بھتہ گیری کا صفایا اور شہر میں جدید سہولتوں کی فراہمی کے ساتھ مقامی لوگوں کو ملازمتوں میں حصہ دینے کا مطالبہ۔

کیا یہ سارے مطالبات اپنی صوبائی اور وفاقی حکومت سے کیے جا رہے ہیں یا کسی فاتح سے مفتوحین کر رہے ہیں؟ تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ ہم اس سے سبق سیکھنے کی بجائے نئے المیوں کا راستہ ہموار کرتے ہیں اور رونما ہونے پر مرثیہ خوانی شروع۔"

[۱۷ دسمبر ۲۰۲۱]

گوادر: قوم پرست قیادت کا ٹوٹا طلسم | اوریا مقبول جان

"۱۵ نومبر سے دھرنا شروع ہوا اور اس میں لاکھوں لوگ شریک ہوئے۔ ایک ماہ کے دھرنے کے بعد پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ وہی مطالبات تسلیم کیے گئے ہیں جن کا سو فیصد تعلق گوادر کی مقامی آبادی سے ہے۔ وہ غیر ضروری چیک پوسٹیں، جو گوادر کے عوام کی عزتِ نفس مجروح کرتی تھیں، ان کے خاتمے کا وعدہ پورا ہوا ہے۔ گوادر کی اِس تحریک کا ایک ہی سبق ہے۔ اگر عوام اپنے مفاد کے لیے متحد ہو جائیں تو پھر کوئی قومی، صوبائی، علاقائی یا نسلی لیڈر ان کے مفاد کا سودا نہیں کر سکتا۔"

[روزنامہ ۹۲ نیوز | ۱۹ دسمبر ۲۰۲۱ء]

کشمیر — نئی زرعی اراضی پالیسی

۵ اگست ۲۰۱۹ء کو آرٹیکل ۳۷۰ کی منسوخی کے ذریعے بھارت کا اپنے مقبوضہ جموں و کشمیر کو وفاق کے زیرِ انتظام لانا کشمیریوں کے خلاف ایسی سازش تھی جس کے پیچھے کارفرما منصوبے اب حکومتی اقدامات میں نظر آ رہے ہیں۔ ان اقدامات کا بنیادی مقصد جموں و کشمیر سے مسلمان

اکثریت کا خاتمہ، ان پر اپنی مرضی کے کٹر ہندو حکمران مسلط کرنا اور زرعی طور پر خود کفیل کشمیر کو معاشی طور پر دہلی کا محتاج بنانا ہے۔

آرٹیکل ۳۷۰ کی منسوخی کے بعد مسلسل لاک ڈاؤن، پابندیاں اور سختیاں کشمیری عوام کے عزم کو متزلزل نہ کر سکیں۔ اس کی اہم وجہ کشمیر کی زرعی خود مختاری ہے، جسے پہلے ریونیو ایکٹ ۱۹۹۹ء میں ترمیم کر کے اور اب نئی زرعی اراضی پالیسی کے ذریعے کشمیریوں سے زرعی اراضی چھین کر یا تو ہندوؤں کو دی جا رہی ہے یا پھر ان پر غیر زرعی تعمیرات شروع کر دی گئی ہیں۔ اس حوالے سے پاکستانی اخبار اوصاف میں غلام اللہ کیانی لکھتے ہیں:

کشمیر دشمن بھارتی اقدامات (۱) | غلام اللہ کیانی

"کبھی زرعی اراضی کا غیر زرعی مقاصد کے لیے استعمال ایک جرم تھا۔ مگر اب کشمیر کے زرعی رقبہ جات پر رہائشی منصوبے شروع کیے گئے ہیں۔ سرینگر کے قریب پانپور اور پلوامہ کے علاقے کبھی عالمی سطح پر بہترین زعفران کی پیداوار کے لیے مشہور تھے۔ اب یہاں بھارتی پیٹرولیم کمپنیاں اور دیگر تعمیرات ہو رہی ہیں۔ یہ رقبہ جات بھارتی شہریوں کو سو سالہ لیز پر فروخت کیے جا رہے ہیں.....

..... لوگوں سے زمین چھین لینے کے لیے صنعتی پالیسی بھی تبدیل کی جا رہی ہے۔ کشمیر کی زمین نجی صنعت کاری کے نام پر بھارتی صنعت کاروں کو دینے کے لیے صلاح مشورے ہو رہے ہیں۔ گو کہ کشمیر کے مقامی افسران حالات کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے شدید تشویش میں مبتلا ہیں مگر انہیں دیوار سے لگا دیا گیا ہے۔"

[روزنامہ اوصاف | ۲۸ دسمبر ۲۰۲۱ء]

کشمیر | حد بندی کمیشن رپورٹ

کشمیر کے حوالے سے دوسرا اہم اقدام بھارتی حکومت کی طرف سے جسٹس رنجنا ڈیسائی کی سربراہی میں قائم کیے گئے حد بندی کمیشن کی رپورٹ ہے جس کے تحت ریاستی اسمبلی میں ہندو اکثریت والے جموں میں، مسلم اکثریتی کشمیر کی نسبت نشستیں بڑھانے کی سفارش کی گئی ہے۔ حالانکہ آبادی کے اعتبار سے کشمیر کی آبادی جموں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ ۲۰۱۱ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق وادیٔ کشمیر کی آبادی ۶۸ لاکھ تھی جبکہ جموں کی آبادی ۵۳ لاکھ ریکارڈ کی گئی۔ جس کے تحت وادیٔ کشمیر کی سیٹیں جموں سے زیادہ تھیں۔ اس سازش کے پیچھے جو سوچ کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ کشمیری مسلمان سیاسی طور پر اپنی حیثیت کھو دیں اور ان کے اوپر ایک ہندو کو حکمران بنا کر بٹھا دیا جائے۔ جو ہندُتوا منصوبے کو آگے بڑھائے۔

اس حوالے سے پاکستانی اخباری کالموں سے اقتباسات درج ذیل ہیں:

کشمیر دشمن بھارتی اقدامات (۲) | غلام اللہ کیانی

"نئی حد بندی کے تحت جموں کی ۵۸ اور وادی کی ۴۷ نشستیں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد اسمبلی الیکشن کا اعلان ہو سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کشمیر کو جموں سے کنٹرول کیا جائے۔ جو کہ پہلے ہی عملی طور پر جموں اور دہلی براہ راست کشمیر پر حکومت کر رہے ہیں۔ جمہوریت کا نعرہ ڈرامہ ہے۔ لدّاخ مقبوضہ ریاست سے الگ کر کے اسے بھی دہلی کے براہ راست قبضے میں دیا گیا ہے۔ حد بندی کمیشن کا مسودہ بالکل غیر شفاف، غیر منصفانہ اور حد بندی اصولوں کے برخلاف ہے۔ بی جے پی جموں و کشمیر میں اپنے سیاسی ایجنڈے کو حد بندی کمیشن کے ذریعے آگے بڑھا رہی ہے۔ ایسے کالے قواعد و ضوابط بنائے گئے ہیں جن کے تحت جموں کو زیادہ سیٹیں ملتی ہیں۔ مودی حکومت ایک بار پھر کشمیر میں مسلمانوں کا قتلِ عام کرانے کے لیے ماحول ساز گار بنا رہی ہے۔"

[روزنامہ اوصاف | ۲۹ دسمبر ۲۰۲۱ء]

حد بندی کمیشن: کشمیر کے سیاسی تابوت میں آخری کیل | افتخار گیلانی

"شاید محبوبہ مفتی اس خطے کی آخری مسلم وزیر اعلیٰ کے بطور تاریخ میں درج ہو جائیں گی۔ وزیر اعلیٰ اور اسمبلی کی صورت میں یہ واحد ادارے باقی تھے، جہاں کسی صورت میں تعداد کے بل بوتے پر کشمیری مسلمانوں کو رسائی حاصل تھی۔ اگر مقامی بیوروکریسی کا جائزہ لیا جائے تو فی الوقت ۲۴ سیکریٹریوں میں بس پانچ ہی مسلمان ہیں۔ اسی طرح ۶۶ اعلیٰ پولیس افسران میں بس ۷ ہی مسلمان ہیں۔ دوسرے درجے کے ۲۴۸ پولیس افسران میں ۱۰۸ ہی مسلمان ہیں۔ اس خطے کے ۲۰ اضلاع میں بس ۶ یعنی بانڈی پورہ، بڈگام، کلگام، پلوامہ، رام بن اور سرینگر میں ہی ڈپٹی کمشنر یا ضلعی مجسٹریٹ مسلمان ہیں۔ کمیشن نے اسمبلی حلقوں کی نئی حد بندی میں آبادی کی بجائے رقبہ کو معیار بنایا ہے۔ اس کا استدلال ہے کہ چونکہ جموں کا رقبہ چھبیس ہزار دو سو ترانوے مربع کلومیٹر، کشمیر کا رقبہ ۱۵ ہزار نو سو چالیس مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے، اس لیے اس کی سیٹیں بڑھائی گئیں ہیں۔ اگر یہ معیار واقعی افادیت اور معتبریت رکھتا ہے تو اس کو پورے بھارت میں نافذ کر دینا چاہیے۔"

[۲۸ دسمبر ۲۰۲۱]

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ لداخ کو کشمیر سے علیحدہ کر کے وفاق کے زیر انتظام دیا گیا ہے۔ لداخ کے دو اضلاع ہیں لیہ اور کارگل۔ کارگل کی زیادہ آبادی مسلمان ہے جبکہ لیہ کی زیادہ آبادی بدھ مت کو ماننے والی ہے۔ لیکن لداخ کو وفاق کے زیر انتظام دینے کے بعد مودی حکومت نے لیہ کے بدھوں سے وعدہ کیا تھا کہ حکومت انہیں دی جائے گی۔ اگرچہ یہ وعدہ

ابھی تک وفا نہیں کیا گیا اور لیہ کے بدھ اس پر آج کل احتجاج کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ہندوستانی کالم نگار ندیم عبد القدیر لکھتے ہیں:

لداخ بھی ناراض ہو گیا!!! | ندیم عبد القدیر

"دفعہ ۳۷۰ کی منسوخی پر لیہ ضلع کی بودھ تنظیموں نے فیصلے کا خیر مقدم کیا تھا اور اسے خطہ کی ترقی کی جانب ایک قدم بتایا تھا۔ لیہ کے عوام میں خوشی اس بات کی تھی کہ اب ان کی علیحدہ ریاست ہو گی جہاں کا پورا انتظام خود ان کے ہاتھ میں ہو گا۔ یعنی وزیر اعلیٰ اور چیف سیکریٹری سمیت پوری حکومت ان کی ہو گی۔ لیکن آرٹیکل ۳۷۰ کو منسوخ ہو کر دو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا اور اب تک ان کے سپنے پورے ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۶ دسمبر ۲۰۲۱ء]

انڈیا | دھرم سَنسَد کا انعقاد

دسمبر کا مہینہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے آزمائشوں اور مشکلات سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ مسلمانوں پر مسلسل پر تشدد حملے، ہجوم زنی (ماب لنچنگ)، جمعہ کی نماز سے روکنا اور ہر جگہ بڑے بڑے ہندو مذہبی پیشواؤں کا مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ اسی سلسلے کا ایک بڑا مذہبی اجتماع "دھرم سنسد" ریاست اُتر کھنڈ میں ہندوؤں کے مقدس مقام 'ہری دوار' میں ہوا، جس کا موضوع تھا، "اسلامک بھارت میں سَنَتَن دھرم کا بَھوِش[1]"۔ پورے ہندوستان سے یہاں بڑے بڑے پنڈتوں اور سادھوؤں نے شرکت کی اور مسلمانوں کے خلاف ایک ایکشن پلان پیش کیا گیا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے خلاف ہر مقرر نے ہندوؤں کو اشتعال دلایا اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لیے لوگوں کو ورغلایا۔ سوامی پرَبھو دانند گیری نے کہا کہ جہاد کے نام پر آتنک[2] پھیلانے والوں کے خلاف ہندوؤں کے پاس مارنے اور مرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ جس طرح میانمار میں مسلمانوں کا نسلی صفایا کیا گیا اسی طرح یہاں بھی پولیس، فوج اور سیاستدانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اس مہم میں شریک ہو جانا چاہیے۔ یتی نرسنگھانند نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے دعویٰ کیا کہ اگر ۲۰۲۹ء میں کوئی مسلمان وزیر اعظم بن گیا تو اسلام کی تاریخ کے مطابق ۵۰ فیصد ہندوؤں کو مسلمان بنا دیا جائے گا، ۴۰ فیصد کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس طرح اگلے ۲۰ برسوں میں ہندوستان میں صرف ۱۰ فیصد ہندو رہ جائیں گے۔ ایک اور ہندو سَنت دھرم داس مہاراج نے کہا کہ اگر وہ ایم پی (ممبر پارلیمنٹ) ہوتا تو پارلیمنٹ میں منموہن سنگھ کے اس بیان، کہ قومی وسائل پر پہلا حق اقلیتوں کا ہے، کے جواب میں ریوالور سے چھے کی چھے گولیاں اس کے سینے میں اتار دیتا، جس طرح ناتھو رام گوڈسے نے باپو (گاندھی) کے سینے میں گولیاں اتاری تھیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ جو کوئی پربھاکرن جیسا بننا چاہے تو اسے ایک کروڑ روپے دیے جائیں گے۔ پربھاکرن ہندو دہشت گرد تنظیم تامل ٹائیگرز کا سربراہ تھا جس نے اُس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کو قتل کروایا تھا۔

یہ ایک دھرم سنسد ہری دوار میں ہوئی جبکہ ایک اور دھرم سنسد رائے پور میں ہوئی۔ وہاں بھی ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کے لیے مارنے اور مرنے کی قسم لی گئی۔ اب سنا جا رہا ہے کہ علی گڑھ، کروکشیتر اور شملہ میں بھی اس کا انعقاد کیا جائے گا۔

جو کچھ ان دونوں جگہوں پر منعقد کیے گئے دھرم سنسد میں کہا گیا اس کے بارے میں حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اندھے گونگے بہرے بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی اردو اخبارات میں مسلمان کالم نویسوں نے اس حوالے سے قلم اٹھایا ہے اور اس کی مذمت کی ہے جس سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

ہری دوار کی دھرم سنسد اور ہندو راشٹر کے خدوخال | ندیم عبد القدیر

"سیاسی جماعتیں اس معاملے پر خاموش رہی ہیں۔ شاید انہیں بھی ڈر ہے کہ نسل کشی کی اس آواز کے خلاف کچھ کہنے سے انہیں ووٹ کا نقصان ہو سکتا ہے۔ اور یہی بات سب سے زیادہ ڈراؤنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہری دوار میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جو بات ہوئی اسے کہیں نہ کہیں اکثریتی سماج کی تائید حاصل ہے ورنہ سیاسی جماعتوں کو اپنے ووٹ کا ڈر نہیں ہوتا۔ ہندو راشٹر کی سوچ صرف چند شر پسندوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اکثریتی سماج بھی اس کا کسی نہ کسی طرح حامی ہے۔ یہ سب دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان اُس نقطہ پر پہنچ گیا ہے جہاں سے واپسی تقریباً ناممکن ہے۔ 'پراجیکٹ ہندو راشٹر' کوئی خواب نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت کے قریب ہے اور یہ ہندو راشٹر آپ کی اور ہماری سوچ و گمان سے زیادہ خونخوار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا ایک نکاتی ایجنڈہ مسلمانوں کی نسل کشی ہی ہے۔ وہ سارے ممالک جہاں کسی قوم کی نسل کشی ہوئی، وہاں نسل کشی سے پہلے جو حالات تھے، ہندوستان اُن ہی حالات سے گزر رہا ہے۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۶ دسمبر ۲۰۲۱ء]

ہندُتوا قیادت کی اشتعال انگیزی | ناظم الدین فاروقی

"اس بات سے ہرگز اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ انتہا پسند ہندو قیادت کی اشتعال انگیز تقاریر وقتی اور صرف انتخابی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اس کے ہندوستانی سماج پر بڑے گہرے خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان بیانات سے میڈیا کے ذریعے دور دراز رہنے والے دیہی غریب مسلمان بھی سائیکالاجیکل، خوفزدہ اور

[1] یعنی اسلامی ہندوستان میں ہندومت کا مستقبل۔ ہندو، ہندومت کو "سَنَتَن دھرم" کہتے ہیں یعنی ازلی مذہب

[2] دہشت

پست ہمت ہو جاتے ہیں۔ بعض نام نہاد مذہبی قائدین کے سنگھ کی قیادت سے اچھے گہرے تعلقات ہیں۔ ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں پائی جاتی کہ وہ اس طرح کی اشتعال انگیزی اور مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں اور ہندو بریگیڈ کے ظلم و استبداد پر فوری روک لگانے کا انتہا پسند ہندُتوا قیادت سے مطالبہ کر سکیں۔ ہندُتوا بریگیڈ تکثیر سماج کو ملک کے مقتدرِ اعلیٰ اور اقلیتوں کو صفرِ تصغیر بنانے میں جُتے ہوئے ہیں۔ کوئی لمحہ اور موقع ایسا نہیں جاتا جس میں مسلمانوں پر نکتہ چینی یا لعن طعن، طنز، سب و شتم اور ان کے خلاف اشتعال انگیز باتیں نہیں کی جاتیں۔"

[روزنامہ اعتماد | ۲۶ دسمبر ۲۰۲۱ء]

انڈیا — خود کو بڑا ہندو ثابت کرنے کی دوڑ

دسمبر کے آغاز میں مودی نے اُتر پردیش کے علاقے کاشی (سابقہ بنارس) میں کاشی وِشوانا تھ کوریڈور کا افتتاح کیا۔ یہ کوریڈور کاشی کے مشہور وِشوانا تھ مندر کو گنگا کی گھاٹ سے جوڑتا ہے۔ اسی مندر کے نزدیک گیان واپی مسجد بھی موجود ہے۔ تقریب کے دن اس مسجد کو بند کر دیا گیا اور وہاں نماز پر پابندی لگا دی گئی اور اسے مکمل طور پر ڈھانپ دیا گیا۔ مودی نے اس تقریب میں گنگا کے پانی میں ڈبکی لگائی اور مندر میں پوجا بھی کی۔ اور پھر اپنی تقریر میں مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی بھی کی۔

اس حوالے سے ندیم عبد القدیر اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

کاشی وشوانا تھ کوریڈور کا راستہ کہاں جاتا ہے؟ | ندیم عبد القدیر

"وزیر اعظم مودی کا بیان کہ "جب جب کوئی اورنگزیب آتا ہے، تب تب شیواجی بھی جنم لیتا ہے اور جب جب کوئی غازی مسعود جیسا آتا ہے تب تب سہل دیو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں"، یہ پیغام دیتا ہے کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے۔ اس پر صرف ہندوؤں کا حق ہے، مسلمانوں کی حیثیت غیر ملکی جیسی ہے۔ یہ بیان ہندوؤں کو یہ باور کرانے کے لیے تھا کہ ۸۰۰ سال تک ہندو غلام رہے ہیں۔ حتیٰ کہ آزادی کے بعد بھی غلامانہ سوچ ان پر حاوی رہی اور انہوں نے اپنے گلے میں سیکولرازم کا طوق ڈالے رکھا۔ لیکن اب وہ دور ختم ہو گیا ہے اور ایک مسیحا آ گیا ہے جس نے ہندوؤں کو غلامانہ ذہنیت سے آزادی دلائی ہے۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۹ دسمبر ۲۰۲۱ء]

دوسری جانب اپنے آپ کو سیکولر کہنے والی کانگریس جس سے مسلمانوں نے ساری امیدیں باندھ رکھی ہیں، اس کے لیڈر راہُل گاندھی نے جے پور میں ایک قومی ریلی کے دوران کہا کہ "میں ہندو ہوں، لیکن ہندُتوا وادی نہیں ہوں۔ مہاتما گاندھی ہندو تھے، اور ناتھو رام گوڈسے ہندُتوا وادی"۔ اگر بات یہیں تک رہتی تو بھی شاید قابل قبول ہوتی لیکن راہُل گاندھی نے اس سے آگے بڑھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "یہ دیش ہندوؤں کا ہے، ہندُتوا وادیوں کا نہیں۔"

اس حوالے سے معصوم مراد آبادی اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

کیا یہ ملک صرف ہندوؤں کا ہے؟ | معصوم مراد آبادی

"بی جے پی کی پیروی کرتے ہوئے اس ملک کی سیکولر کہی جانے والی پارٹیاں بھی اب ہندُتوا کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہی ہیں اور وہ کوئی بھی ایسا بیان دینے سے پرہیز کر رہی ہیں جس کی ضرب ہندُتوا پر پڑتی ہو۔ ملک کی سب سے بڑی سیکولر جماعت کانگریس کے لیڈر راہُل گاندھی نے بھی سیکولرازم کا دفاع کرنے کی بجائے خود کو ہندو کہنا ضروری سمجھا۔ انہوں نے کہا کہ "یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور میں ہندو ہوں۔".....

.....ایسا لگتا ہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی اور کانگریس لیڈر راہل گاندھی کے درمیان خود کو زیادہ بڑا ہندو ثابت کرنے کی مقابلہ آرائی ہو رہی ہے.....

.....اب یہاں اکثریتی طبقے کو ذہن میں رکھ کر ہی سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کا سب سے منفی اثر ان مسلمانوں پر پڑا ہے جو اس وقت ملک کی سب سے پسماندہ قوم ہیں۔ آج انہیں سیاسی طور پر اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ اب وہ سیاسی پارٹیاں بھی مسلمانوں کا نام لینے سے ڈرتی ہیں جنہوں نے اپنی ساری طاقت مسلمانوں کے ووٹوں سے حاصل کی ہے۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے سیکولرازم کے نام پر جن سیاسی پارٹیوں کے ہاتھوں کو مضبوط کیا، اب وہ پوری طرح 'ہندُتوا' کی سیاست کر رہی ہیں۔"

[روزنامہ اعتماد | ۱۹ دسمبر ۲۰۲۱ء]

انڈیا — متُھرا اور کاشی کی مساجد اور گڑ گاؤں میں نماز جمعہ کا مسئلہ

گزشتہ شمارے میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اُتر پردیش کے علاقے متُھرا کی شاہی عید گاہ مسجد میں بھگوا تنظیموں کی جانب سے کرشن کی مورتی نصب کرنے اور اس پر جل ابھیشک (گنگا کے پانی کا چھڑکاؤ) کرنے کا اعلان کیا گیا تھا جو کہ ۶ دسمبر کو ہونا تھا۔ لیکن سیاسی مصلحت کے تحت اس منصوبے کو فی الوقت روک دیا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اُتر پردیش کے نائب وزیر اعلیٰ نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ متُھرا اور کاشی کی مساجد کو ضرور مندر میں تبدیل کیا جائے گا۔ تاخیر کا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلے کو سیاسی طور پر استعمال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ہندو اکثریتی ووٹ حاصل کیے جائیں اور دوبارہ اُتر پردیش میں یوگی ادتیہ ناتھ کی حکومت سازی کی راہ ہموار کی جائے اور اس منصوبے پر عمل درآمد اس کے بعد ہی کیا جائے۔ جس طرح بابری مسجد کو رام مندر بنانے کا منصوبہ بی جے پی نے قسطوں میں پورا کیا اور اس سے بھرپور سیاسی فوائد سمیٹے۔

اس حوالے سے چند کالموں کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ایک تھی بابری مسجد! | ندیم عبد القدیر

”حالانکہ متھرا کی شاہی عید گاہ مسجد اور گیان واپی مسجد (کاشی) کا معاملہ سلگانے میں فی الوقت چند بھگوا تنظیمیں ہی ہیں اور بھگوا بریگیڈ کا سیاسی بازو یعنی بی جے پی ابھی تک اس سے دور ہے لیکن اس بارے میں مسلمانوں کو بہت خوش گمانی میں بھی نہیں رہنا ہے، کیونکہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ بی جے پی اسے کبھی بھی موضوع نہیں بنائے گی۔ جب بھی پارٹی کو ضرورت محسوس ہو گی وہ متھرا اور کاشی معاملے میں بابری مسجد کی تاریخ دہرا سکتی ہے۔ یاد رہے کہ بابری مسجد کا معاملہ بھی پہلے ہندو مہاسبھا تک ہی محدود تھا لیکن بعد میں اسے بی جے پی نے اُچک لیا تھا۔ بابری مسجد شہید کرنے والے مسجد کو شہید کرتے وقت اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ ”یہ تو ابھی جھانکی ہے کاشی متھرا باقی ہے۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۵ دسمبر ۲۰۲۱ء]

مسلمانوں کے لیے زمین تنگ کی جا رہی ہے | خالد شیخ

”یوپی کے نائب وزیر اعلیٰ موریہ کا عید گاہ اور کرشن جنم بھومی سے متعلق بیان، مودی کی جانب سے کاشی وشوا ناتھ کوریڈور کا افتتاح کرتے وقت اورنگزیب کا حوالہ اور یوگی کا متھرا سے ’جن وشواس یاترا‘ کا آغاز اس کا اشارہ ہے کہ ۲۰۲۲ء میں اگر بی جے پی اقتدار بچانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو جلد یا بدیر متھرا کی عید گاہ اور اس کے بعد کاشی کی مسجد کو نشانہ بنایا جائے گا۔ گروگرام (گڑگاؤں) میں نماز جمعہ کو لے کر جو شر انگیزی ہو رہی ہے اس سے سب واقف ہیں۔ پھر یونیفارم سول کوڈ کا معاملہ ہے۔ کیا ہمارے قائدین کے پاس ان حالات سے نمٹنے کا کوئی لائحہ عمل ہے؟“

[روزنامہ انقلاب | ۲۳ دسمبر ۲۰۲۱ء]

دوسری طرف گڑگاؤں میں بھی نمازِ جمعہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اس کے علاوہ کرسمس کے موقع پر عیسائی عبادت گاہوں پر بھی بھگوا دہشت گردوں کے حملے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے پرویز حفیظ رقم طراز ہیں:

نفرت کے وائرس کا مقابلہ کیسے کریں؟ | پرویز حفیظ

”صرف مسلمان ہی نہیں وہ تمام کمزور طبقے اس وقت نشانے پر ہیں جو ہندُتوا کے نظریے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ گڑگاؤں میں جمعہ کی نماز میں رخنہ ڈالنے والے شر پسندوں نے کرسمس کی تقریبات میں بھی رخنہ اندازی کی۔ مسجدوں میں ہی نہیں بلکہ گرجا گھروں میں بھی توڑ پھوڑ کی جا رہی ہے۔ ہم ہندوستانی اتنے بے حس یا شاید اتنے خوفزدہ ہو گئے ہیں کہ مذہبی منافرت کا مظاہرہ اور نسلی تشدد کی دھمکی ہمارے ضمیر کو نہیں جھنجھوڑتی۔“

[روزنامہ انقلاب | ۲۹ دسمبر ۲۰۲۱ء]

انڈیا | ہجوم زنی (ماب لنچنگ) اور پولیس گردی

ہجوم زنی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہاتھوں مسلمانوں پر تشدد، ان کی تذلیل، گرفتاریاں اور ناحق قتل روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

اسی طرح کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فاروق انصاری لکھتے ہیں:

یہ سلسلہ آخر کب رکے گا یا اس کے ردِّ عمل کا انتظار ہے؟ | فاروق انصاری

”ہر دوسرے تیسرے دن ملک میں کسی نہ کسی علاقے میں ماب لنچنگ (ہجومی تشدد) کے واقعات ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ہر روز ملک کی کسی نہ کسی ریاست میں پولیس کی بربریت کا واقعہ ہو رہا ہے۔ تازہ واقعہ کانپور کا ہے جہاں ایک شخص اپنی گود میں ایک بچہ لیے ہوئے تھا اور پولیس اس شخص پر لاٹھیاں برسا رہی تھی۔ حالانکہ اس واقعے کی ویڈیو وائرل ہونے کے بعد تھانہ انچارج کو معطل کر دیا گیا لیکن معطلی کیا ہوتی ہے یہ سب جانتے ہیں کہ معاملے کی مبینہ لیپاپوتی کے سوا کچھ نہیں۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۲ دسمبر ۲۰۲۱ء]

اسی طرح مدھیا پردیش کے شہر اندور میں ایک چوڑی فروش تسلیم کو ایک ہجوم نے تشدد کا نشانہ بنایا اور ساتھ ہی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر وائرل کر دی۔ اس متعلق ندیم عبد القدیر لکھتے ہیں:

مظلوم کے خلاف پولیس کی مستعدی | ندیم عبد القدیر

”ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حملہ آوروں کو گرفتار کیا جاتا اور ان کے خلاف سخت کاروائی کی جاتی۔ لیکن پولیس نے حملہ آوروں کو گرفتار نہیں کیا۔ جب حملہ آوروں کو گرفتار کرنے کا دباؤ بڑھا اور احتجاج ہونے لگے تو پولیس نے ان احتجاج کرنے والوں کو ہی گرفتار کر لیا۔ پولیس نے یہاں پر اپنا سب سے پرانا حربہ استعمال کیا اور تسلیم پر حملہ آوروں کو بچانے کے لیے خود تسلیم ہی کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ مسلمانوں پر ظلم و جبر کے ہر معاملے میں یہ پینترا بہت کام آتا ہے۔ اس سے مظلوم کو ڈرا دھمکا کر اسے شکایت واپس لینے کے لیے آسانی سے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مظلوم کے خلاف ہی معاملہ بنا دینے سے

مظلوم کی ساری فکر اور کوشش خود کو چھڑانے تک محدود ہو جاتی ہے اور ظالم بہت ہی آسانی سے بچ نکلتے ہیں تاکہ آئندہ کسی کو شکار بنا سکیں۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۱ دسمبر ۲۰۲۱ء]

اسی طرح ہریانہ میں ایک اور مسلم نوجوان راحیل خان کو اس کے اپنے ہندو دوستوں نے قتل کر ڈالا اور ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر نشر کر دی جس میں وہ راحیل خان سے کہہ رہے تھے کہ "ہم ہندو ہیں ہندو اور تو مُلّا ہے مُلّا"۔ اس حوالے سے ندیم عبد القدیر لکھتے ہیں:

ہجوم زنی میں مسلمانوں کے قتل کا معمول | ندیم عبد القدیر

"ملک میں ہجوم زنی کے ذریعے مسلمانوں کے قتل کی وارداتیں انتہائی عام ہو چکی ہیں اور ہر واردات ڈرا دینے والی ہے۔ ہریانہ میں راحیل خان کے قتل کی واردات لیکن ان سب سے زیادہ خوفناک ہے۔ کیونکہ اس میں مسلم نوجوان کو کسی اجنبی یا بھگوا تنظیم سے تعلق رکھنے والے اعلانیہ شر پسندوں نے نہیں بلکہ خود اس کے دوستوں نے قتل کیا۔ وہ دوست جن پر وہ اعتماد کرتا تھا، انہوں نے ہی راحیل خان کو اس کے اعتماد کا بدلہ کلہاڑی کے وار سے دیا اور اس کی وجہ صرف اور صرف راحیل خان کا مسلمان ہونا تھا.....

..... مسلمانوں سے نفرت اس جگہ پہنچ گئی ہے جہاں ہندو دوست ہی اب اپنے مسلمان دوستوں کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۱ دسمبر ۲۰۲۱ء]

انڈیا — حل کیا ہے؟

موجودہ حالات و واقعات اس بات کا شدت سے احساس دلا رہے ہیں کہ اگر مسلمانانِ ہند اپنی بقاء کے لیے متحد ہو کر ظلم کے خلاف نہ اٹھے تو اس کے خمیازہ کے طور پر یا تو دین کو کھونا پڑے گا یا اپنے وجود کو۔ اس سلسلے میں کالم نگاروں کی سنجیدگی اور تشویش واضح ہے۔ لیکن کسی بھی مضبوط قائد اور لائحہ عمل کی عدم موجودگی میں ایک مربوط سوچ کا فقدان نظر آرہا ہے۔

بعض تجزیہ کار یہ کہہ رہے ہیں کہ اپنے گھر میں رہیں، اپنے گھر والوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں، نظر انداز کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح سے ہندُتوا کا ایجنڈا رک جائے گا؟ کیا اس طرح سے ہندو مسلمانوں کی نسل کشی سے رک جائیں گے؟ اسی طرح کسی نے کہا کہ دشمن کو ایسا کوئی موقع فراہم نہ کریں جس سے اسے اپنے ایجنڈے پر عمل کرنے کا بہانہ ملے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے ہندو دوست صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے دوست کو قتل کر رہے ہیں تو کیا اپنی اسلامی شناخت ختم کر دیں کہ اس سے دشمن کو بہانہ ملتا ہے؟ کیا نماز جمعہ پڑھنا ترک کر دیں کہ اس سے دشمن کو بہانہ ملتا ہے؟ کیا متھرا اور کاشی کی مساجد کو مندر بننے دیں اور اس کے بعد پورے ہندوستان کی ساری مساجد کو مندر بننے دیا جائے کہ اگر ایسا کرنے میں رکاوٹ ڈالی گئی تو دشمن کو اپنے ایجنڈے کو پورا کرنے کا بہانہ ملے گا؟ اسی طرح بات کی جا رہی ہے کہ مسلمان سیاسی طور پر خود کو مضبوط کریں لیکن کشمیر میں تو نیشنل کانفرنس کی ہمیشہ حکومت رہی ہے لیکن وہ کشمیری مسلمانوں کے لیے کیا کر پائی؟ جب تک وہ حکمران جماعت کا دم چھلا بنی رہتی ہے تب تک چلتی ہے جیسے ہی اس کی بات ماننے سے انکار کرتی ہے اسے اس کی اوقات دکھا دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیکولر آئین کی وجہ سے اپنے حقوق حاصل کریں تو سوال یہ ہے کہ ایسے ملک میں جہاں ۸۰ فیصد آبادی ہندو ہے جسے یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ آپ خارجی حملہ آور ہیں اور اس ملک سے آپ کا کوئی تعلق نہیں اور آپ کی نسل کشی کرنا ضروری ہے وہاں جمہوری سیاست کے ذریعے اور سیکولر آئین کے سراب کے سہارے آپ کتنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مجموعی طور پر پورے ملک میں مسلمانوں کے لیے مایوسی اور غیر یقینی کی صورتحال ہے اور تمام راستے مسدود نظر آتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اس سے قبل کے ہندو قوم پرست مسلمانوں کی نسل کشی کے ایجنڈے پر پورے زور و شور کے ساتھ عمل درآمد شروع کر دیں ہنگامی بنیادوں پر اپنے دفاع اور اپنی بقاء کے لیے تیاری شروع کی جائے۔ اپنے علاقوں کی سطح پر مسلمان منظم اور متحد ہوں اور نوجوانوں کی تنظیم سازی کریں اور انہیں ہندو بلوائیوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کریں۔ اس وقت سب سے بڑی ذمہ داری علماء پر آتی ہے کہ وہ وقت کی نزاکت کو سمجھیں اور مسلمانوں کو متحد کریں، اور منظم ہو کر مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کریں۔ کیونکہ اس وقت حالات اس نہج تک پہنچ چکے ہیں کہ 'ابھی نہیں تو کبھی نہیں'۔

☆☆☆☆☆

دین کے لیے دل سوزی

"جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں، اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ اے باشندگانِ زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں، اور جو ڈھے گیا ہے اس کو درست کر دیں۔ یہ چیز کسی ایک سے پوری نہیں ہو سکتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ اے سورج! اے چاند! اور اے دن! تم سب (دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کو) آؤ!"

(شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

(ملفوظات: ص ۸/۴۹۸)

دگرگوں ہے جہاں.....

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

اقبال بہت کچھ کہہ کر رخصت ہوئے۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ

جو تصاویر انہوں نے دھندلی دکھائی تھیں، وہ ایک ایک کرکے (ہمہ نوع) کھلتی چلی جارہی ہیں۔ صرف جہازوں، ٹرینوں کی ہی برق رفتاری نہیں، وقت اور حالات و واقعات کی برق رفتاری ہوش گم کیے دیتی ہے۔

ایک طرف افغانستان میں ۱۵ اگست ۲۰۲۱ء میں تاریخ نے جو ورق الٹا، اس نے پوری دنیا پر سکتہ طاری کر دیا۔ امریکہ اچانک رولر کوسٹر کے برق رفتار جھولے پر بیٹھا گھومتے دماغ کے ساتھ ۱۵ دن جھٹکے کھاتا ۳۱ اگست کو واپس امریکہ جا اترا۔ اب تک سبھی ادارے، تھنک ٹینک، دانشور، سیاست دان بیٹھے جمع تفریق کر رہے ہیں۔

'دی نیویارکر' امریکہ کا معتبر ماہانہ میگزین، ۱۰ دسمبر ۲۰۲۱ء کی طویل رپورٹ میں غیر شائع شدہ دستاویزات کے ایک خزانے کی بنیاد پر افغانستان میں مغربی حمایت یافتہ حکومت کے خاتمے کو غلط اندازوں، خود فریبی، زعم اور گھمنڈ کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ خود امریکہ حکومت نے اعلیٰ ترین سطح پر ایک کمیشن قائم کیا ہے جو ایک سال میں شکست کے اسباب پر عبوری رپورٹ اور تین سال میں مفصل رپورٹ دے گا۔ اگرچہ ۲۰ سالوں میں امریکہ نے کاغذ کا زیاں بھی اسلحے سے کچھ کم نہ کیا! رپورٹیں بناتے، مٹاتے، سنوارتے، پھیلاتے ہر ادارے نے اس جنگ پر کیا کچھ نہ لکھ مارا۔ طالبان ہر مادی، کاغذی، برقی، عسکری سہولت سے عاری قطار اندر قطار چیونٹی کی طرح محنت کرتے ہاتھی کے ہر بن مو میں گھس گئے اور اسے چاروں شانے چت کر دیا۔ زمینی آفت اگر یہ بنے تو اتنی ہی آسمانی آفات اب پے در پے ٹوٹی پڑ رہی ہیں۔ کیا امریکہ ناکام ہو گیا؟

اسلام پر عسکری یلغار میں بدترین ذلت آمیز شکست کھانے والے مغرب نے حرمین شریفین کی پاکیزہ سرزمین، اسلام کے قلب میں ثقافتی، تہذیبی تند و تیز حملہ کرکے امت کو روحانی سطح پر لہولہان کرکے رکھ دیا ہے۔ سعودی عرب پر لگائے یہ چرکے ۲۰۱۹ء سے شروع ہونے والے موسیقی کے میلوں کی صورت ظاہر ہونے لگے۔ ۲۰۲۱ء میں ۱۹ دسمبر سے چار روزہ موسیقی کی گھن گرج، رقص و سرود، مکمل اختلاط، عیش و طرب، ماریجوانا (منشیات کی قسم) اور نشے میں لہکتے جوانوں کی ہمہ نوع بدلباسی سامنے آئی۔ میلے نے پورے عالم اسلام کی ساری حدیں، ریکارڈ توڑ ڈالے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

جس سرزمین سے روس کے خلاف جہاد میں رئیس زادے اپنی دنیا تج کر آخرت کے سوداگر بن کر سر کٹانے افغانستان جا اترے تھے، آج اسی سرزمین پر حیا باختگی کے اس بھاری بھرکم فیسٹیول میں ۷ لاکھ ۳۲ ہزار نوجوان لڑکے لڑکیاں ۴ دن رقصاں رہے۔ صورتیں، سوانگ، حلیے، رنگ سبھی شیاطین بر سرزمین ناچ رہے تھے۔

دل ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی!

ریاض کے نواح میں برپا اس طوفان کا نام MDL Beast Sound Storm یعنی مڈل ایسٹ کی بجائے مڈل بیسٹ (لغت میں، درندہ، وحشی جانور / قابل نفرت انسان) آواز کا طوفان رکھا ہے۔ یقیناً روحانیت اور پاکیزگی کی طویل تاریخ کی امین سرزمین پر تیز ترین موسیقی پر رقصاں حرص و ہوس کی درندگی کا طوفان برپا کیا گیا۔ اس میں دنیا بھر کے نامی گرامی بھانڈ، گویے، نچیے، ماڈل اکھٹے کیے گیے۔ زخموں پر نمک پاشی کا سامان مزید یہ تھا کہ بلوم برگ ۱۹ دسمبر کی رپورٹ میں لکھتا ہے:

> "یہ سعودی عرب ہے! یہ صرف اس وقت پتہ چلا جب ۵ منٹ کی 'اسلامی پکار'، اذان کے لیے وقفہ ہوا، جس کے نتیجے میں پھٹی (فیشن کی بنا پر)، پھنسی جینز پہنے ہوئے نوجوان (مرد و زن) خاموش ہو گئے۔ ۱۵ منٹ کے اندر مذہبی فریضہ (نماز) ادا ہو گیا اور ہزاروں لاکھوں (روزانہ تقریباً ڈیڑھ دو لاکھ حاضری تھی) عیش و طرب منانے کو لوٹ آئے۔ جہاں ۵ سال پہلے مرد و زن کا مخلوط رقص سوچا بھی نہ جا سکتا تھا، چند ہی سالوں میں محمد بن سلمان نے ممکن بنا دیا۔ عورتوں کی ڈرائیونگ کی اجازت ملی، اختلاط کی ممانعت کا خاتمہ ہوا، مذہبی پولیس جو سڑکوں، گلیوں میں ریستورانوں کو موسیقی چلانے پر جرمانے کرتی تھی، ختم کر دی گئی۔ ریاض کے اس موسیقی میلے کو کامیاب بنانے کے لیے باقی سبھی سرگرمیاں بند کر دی گئی تھیں۔ تنقید کا یارا کسی کو نہیں! شہزادہ فہد السعود جو اس تماشے کے مطابق ملبوس تھے، انہوں نے اسے ترقی کا نام دیا۔"

مغرب، اگرچہ ترقی کے ان اعلیٰ ترین نمونوں کے علی الرغم افغانستان کے پیوند زدہ، پسماندہ سپاہیوں کے ہاتھوں زخم چاٹتا گھر لوٹا۔ ترقی کی قلعی کھل گئی! صحابہ کے دور میں بھی ایران و روم کی بڑی طاقتوں کے برج اسی ریاض کے گرد و نواح سے اٹھنے والے خرقہ پوشوں نے الٹ کر رکھ دیے تھے۔ ان کی موجودہ نسل بہک بھٹک کر شیطانی گردابوں میں جا پھنسی۔

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی!

آج وہاں گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ تا سب سے بڑا اسٹیج ناچنے مٹکنے کو بنایا گیا ہے! فاعتبروا!

پاکستان اس مذکورہ بالا ترقی میں کچھ کم نہیں۔ پاکستانی سیاست میں ن لیگ کا بھاری بھر کم خاندان جلاوطنی کے دور میں بادشاہت، شہزادگی کی خو بو وہاں سے لے آیا تھا۔ مسائل میں گھرا پاکستان کا ہر شعبہ، ہر انسان، اور خود مقدمات میں الجھا نواز شریف کا پورا خاندان۔ تاہم ان کے شہزادے جنید صفدر کی شادی ایک طویل دورانیے کی گلیمر بھری لامتناہی فلم بن کر پاکستان کی ہر چھوٹی بڑی اسکرین، سوشل میڈیا، ٹی وی چینلز اور اخبارات پر ڈھول پیٹتی رہی۔

۲۳ اگست کو لندن میں شروع ہوئی، دسمبر کے اواخر کو جا پہنچی۔ بڑے بڑے ڈریس ڈیزائنروں کے نام، جنہوں نے جلوہ گراں شریف خاندان کا ایک ایک ٹانکا بہ صد اہتمام بھرا تھا، قندیلوں کی طرح جگمگاتے بھاری بھر کم پہناوے، شادی کیا تھی، اس میں فیشن شوز، ریمپ پر کیٹ واک، محافلِ موسیقی، انڈین فلمی گانوں کے تڑکے، ماڈلنگ سبھی کچھ یکجا تھا۔ مریم نواز کے لیے ان کے فوٹو گرافر کا یہ جملہ تعریف و تحسین نہیں، سیاسی قیادت کی تمنائی خاتون کے لیے حیا سوز ہے۔ ”مریم نواز ایک ماڈل ہو سکتی ہیں۔ کیمرہ انہیں بے پناہ پسند کرتا ہے۔“

قیادت کے منصب کے لیے عدالت در عدالت حق مانگتے خاندان نے معاشرے کو شادی بیاہ کی رسومات میں کروڑوں کے اسراف کی راہ دکھائی۔ پس پردہ بے نامی اکاؤنٹس، آف شور کہانیاں، ہائی پاور کرپشن کی سرسراتی داستانوں سے عہدہ براء تو ہو لیتے۔ پھر قوم کی بیٹی، بیٹے نگاہ خیرہ کن رنگ برنگی تقریبات میں سرتال کے جادو جگاتے، ۱۵ دن کی یہ بے بہا لگژری میں پانی کی طرح پیسہ بہاتے تو کم انگلیاں اٹھتیں۔

قوموں کی ترقی کے یہ تصورات اگر سرزمین حرم اور ایٹمی مملکت خداداد کے بن چکے ہیں تو امت کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ہم نے لٹیا ڈبونے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ فلموں، ڈراموں کی مصنوعی دنیا میں بس جی رہے ہیں۔ یہی ہمارا مبلغ علم اور سب سے بڑا غم رہ گیا ہے۔ ملک کا خدانخواستہ دیوالیہ پٹ چلا ہے، ہمیں ڈھول تاشوں سے فرصت نہیں۔ تینوں بڑی پارٹیاں ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ چند دن پہلے وزیر اطلاعات کی اہلیہ کے تیار کردہ عروسی ملبوسات پر جلوؤں کا میلہ لاہور میں سجا!

سینیٹر مشتاق احمد (جماعت اسلامی) نے ایک اور راز کھلوا دیا۔ وہ یہ کہ پاکستان انصاف کی فراہمی میں ۱۸۰ ممالک میں ۱۲۴ ویں نمبر پر ہے۔ ججوں کی مراعات البتہ دنیا کے ٹاپ سے دسویں نمبر پر ہیں۔ نظر اٹھا کر افغانستان میں فراہمی انصاف کی شفافیت، سرعت اور قہوہ پیتے درخت تلے بیٹھے شریعت کی بنیاد پر فوری فیصلے دینے والوں کو دیکھ لیجیے۔ فیصلے کے بعد مدعی اور مدعیٰ علیہ صلح صفائی سے گلے مل کر رخصت ہو لیتے ہیں۔ جرائم کی شرح کم ترین سطح پر چلی گئی ہے۔ تمام تر معاشی پابندیوں، سخت ترین معاشی حالات، دبوچے قومی خزانے (امریکہ کے ہاتھوں) کے باوجود کرنسی ہمارے مقابلے میں بدرجہا مستحکم ہے۔ امن و امان ہے۔ عورت محفوظ و مامون ہے۔ مغرب کی سوئی عورت کی آزادی پر اٹکی ہے۔ اصل مسئلہ عورت کے لباس کے زیادہ ہونے کا ہے۔ بازاروں کے (عورت نظر نہ آنے پر) ویران ہو جانے کا ہے۔ باوجود یہ کہ وہ ملازمت بھی کر رہی ہے، تعلیم بھی جاری ہے، عزت محفوظ ہے۔

امریکہ اور یورپ کے ہر اسمنٹ اور عورت پر حملے کے اعداد و شمار سامنے لائیے، موازنہ آنکھیں کھول دے گا۔ عورت سے حقیقی ہمدردی ہے تو افغان اثاثے انہیں لوٹاؤ تاکہ بھوک سے بلکتی ماں اور بچہ آسودہ ہوں۔ افغانستان کو تسلیم کر کے سفارتی تنہائی اور معاشی ناکہ بندی ختم کرو۔ دنیا بھر کے مسلم عوام خود اپنے مسلمان بھائیوں، بہنوں، بچوں کی امداد کے لیے کافی ہوں گے۔ کیا غضب ہے کہ بھوکے مسلمان کو نوالہ دینا دہشت گردی کی مالی امداد (ٹیرر فائنانسنگ) کہلائے۔ مودی کے جنونی ہندو جتھے، اسرائیل کی مسلم کش ریاست، برما سری لنکا کے بدھ پوری دنیا سے امداد پا کر ظلم و قہر کی حدیں توڑتے رہیں۔

او آئی سی کا حالیہ اجلاس خوش آئند رہا۔ افغانوں سے ہمدردی، معاشی امداد کی تجاویز اور وعدے تو ہیں، مگر ضرورت فوری امداد کی تھی۔ ٹرسٹ فنڈ مارچ تک متحرک ہو گا۔ سردی اور غذائی کمی میں افغان سسکتے رہیں گے؟ کون جیتا ہے.....! او آئی سی کا ریکارڈ فلسطین و کشمیر پر قابل رشک نہیں؟ افغان وزیر خارجہ نے بند سیشن میں اپنا موقف بھی پیش کیا ہے۔ اللہ کرے کہ عملاً یہ سب ممکن ہو تاکہ پاکستان گزرے بیس سالوں کا کفارہ ادا کر پائے۔

میں نے یہ قصہ کہا اس لیے ہو کر مجبور
جو ترا فرض ہے وہ یاد دلاؤں تجھ کو

[روزنامہ نئی بات، ۲۶ دسمبر ۲۰۲۱ء]

☆☆☆☆☆

آپ کے سوالات

’نوائے غزوۂ ہند‘ سے سوالات پوچھیے۔ اس سلسلے میں قارئین ’نوائے غزوۂ ہند‘ سے سوالات پوچھ سکیں گے جن کے جوابات، ماہانہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

اپنے سوالات درجِ ذیل برقی پتے (email) پر ہمیں بھیجیے:

aapkaysawalat@nghmag.com

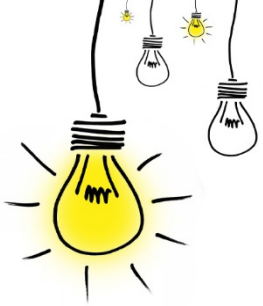

خیالات کا ماہنامچہ

معین الدین شامی

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: جنوری ۲۰۲۲ء

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نہایت فضل و احسان ہے جس نے ہمیں مسلمان بنایا، اپنے نبیؐ کے زمانے سے ساڑھے چودہ صدیوں بعد پیدا کیا، لیکن اس زمانے میں ملّا عمر، اسامہ بن لادن، اختر منصور اور ہبۃ اللہ اخندزادہ و ایمن الظواہری جیسوں سے نوازا، جنہوں نے اللہ کے دین کو قائم کرنے کی محنت اس طریق پر کی جس طریق پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کی تھی۔

لاکھوں درود و سلام اور یہ لاکھوں کروڑوں چھوٹے چھوٹے عدد ہیں، اس سے کہیں زیادہ، جیسے اللہ کی شان ہے اسی کے مطابق درود و سلام ہمارے حبیب پر، جن کی مانگی گئی دعائیں ہمارے لیے اس دنیا میں بھی سہارا ہیں اور آخرت میں بھی باذن اللہ شفاعت کا سامان، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

اللہ پاک ہمیں ایمان و جہاد پر استقامت دے، مرتے دم تک اور مرنا ہزار زندگیوں سے بہتر مرگِ شہیداں ہو کہ جسم و جاں فضا میں بکھر جائیں، کوئی ذرہ کوئی نہ پا سکے، آمین!

مفتی خالد بلتی کی شہادت

ماہِ جنوری ۲۰۲۲ء کے پہلے عشرے میں ایک محترم عالمِ دین اور تحریکِ طالبان پاکستان سے وابستہ ایک مجاہد قائد، مفتی خالد بلتی کو افغانستان کے صوبۂ ننگرہار میں شہید کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی خالد بلتی صاحب کی شہادت کا براہِ راست ذمہ دار پاکستان کا امریکی وفادار ادارہ آئی ایس آئی ہے جس نے اپنے ایک جاسوس و کرائے کے قاتل کے ذریعے مفتی صاحب کو شہید کروایا۔ مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ، کئی سال بدنامِ زمانہ امریکی جیل باگرام میں قید رہے، جہاں طلبائے علمِ دین کا ایک بڑا حلقہ آپ کے گرد رہا اور مفتی صاحب شہید جیل میں بھی تدریسِ علمِ دین کی سنتِ امام ابنِ تیمیہؒ ادا کرتے رہے۔

ماضی میں مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پشاور آرمی پبلک سکول کے حملے کی ذمہ داری قبول کی تھی اور اسی کارروائی کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد آپ ننگرہار ہی سے گرفتار ہو کر باگرام کے زندان میں ڈالے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب پر رحم فرمائیں اور ان کو اعلیٰ درجات سے نوازیں کہ اہلِ حق علمائے کرام کی اقتدا میں انہوں نے راقم الحروف کے ایک قریبی ساتھی کے سامنے باگرام جیل میں پشاور آرمی پبلک سکول کی کارروائی کی ذمہ داری بطورِ ترجمانِ تنظیم قبول کرنے کو اپنی خطا کہا تھا۔ نیز انہوں نے کہا تھا کہ یہ کارروائی سراسر غلط تھی اور میں اس میں جس حد تک بھی شریک رہا تو امیدوارِ مغفرت بھی ہوں شدید نادم بھی۔ باگرام جیل میں قید رہنے والے ساتھیوں کے مطابق جب بھی آرمی پبلک سکول پشاور کا ذکر آتا تو مفتی صاحب شدید نادم ہو جایا کرتے۔

بلاشبہ اہلِ حق کی شان تو یہی ہے کہ جب ان سے کوئی سہو ہو جاتا ہے تو وہ اس سے رجوع کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔

مفتی صاحب پاکستان میں نفاذِ نظامِ جمہوریت کے مخالف تھے اور نفاذِ اسلام کے لیے کوشاں تھے۔ نفاذِ شریعت ہی کی محنت اور اس کے لیے کوشش کے 'جرم' میں امریکی وفادار آئی ایس آئی نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ مفتی خالد بلتی کی شہادت اسی انٹیلی جنس سازش کی ایک کڑی ہے جس میں ڈھائی سال قبل تحریکِ طالبان پاکستان کے ایک اور مرکزی قائد شیخ خالد حقانی رحمہ اللہ کو دھوکے سے کابل میں بلا کر شہید کیا گیا تھا اور قریباً اب سے ایک ماہ قبل تحریکِ طالبان پاکستان کے ایک اور مرکزی قائد مولوی فقیر محمد (حفظہ اللہ) پر پاکستانی ڈرون طیاروں نے افغانستان و پاکستان کے سرحدی علاقوں میں بمباری کر کے شہید کرنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ پاک مفتی صاحب کی شہادت قبول فرمائیں اور ان پر رحم فرمائیں اور تمام مجاہدین و اہلِ دین کی حق کی جانب رہنمائی فرمائیں اور سب کو حق پر ثبات عطا فرمائیں، آمین!

جولین اسانج کی Extradition

گو کہ یہ خبر تھوڑی سی پرانی ہو چکی ہے، لیکن نیو ورلڈ آرڈر کے دوغلے معیارات، دراصل منافقت کو سمجھنے میں بہت مدد و معاون ہے۔

جولین اسانج (Julian Assange) کو ایک دنیا جانتی ہے، اگر کوئی نہیں جانتا تو وہ وکی لیکس کو تو جانتا ہی ہے، اسانج وکی لیکس کا بانی بھی ہے اور کلیدی کارکن بھی۔ وکی لیکس نے امریکہ اور دیگر بہت سی حکومتوں کے ایسے راز افشا کیے جو نیو ورلڈ آرڈر کی چنگیزیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تقریباً گیارہ سال سے ایک یا دوسرے طریقے سے اسانج پابندیوں کا شکار ہے اور قریباً آٹھ نو سال سے قید یا نظر بند ہے اور تقریباً پچھلے تین سال سے باقاعدہ برطانیہ کے زیرِ حراست ہے اور بدنامِ زمانہ بیل مارش جیل میں بند ہے۔

دو سال سے برطانیہ کی عدالتوں میں س اسانج کو extradite یا بطورِ ملزم امریکہ کے حوالے کیے جانے کا کیس چل رہا ہے اور ابھی مہینہ قبل پہلی بار برطانیہ کی عدلیہ نے اس بات پر رضامندی کا امکان ظاہر کیا ہے کہ اسانج کو extradite کر دیا جائے گا۔ اس extradition پر بات کرنے سے پہلے عالمی بدمعاش نظام کی ایک اور جھلک دکھانا ضروری ہے۔

اسانج ایک آسٹریلوی شہری ہے اور سنہ ۲۰۱۲ء میں اس نے ملک ایکواڈور (Ecuador) سے سیاسی پناہ کا مطالبہ کیا تھا اور ایکواڈور کی حکومت نے یہ سیاسی پناہ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ اسی رضامندی کے نتیجے میں اسانج ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۹ء تک لندن میں موجود ایکواڈور کے سفارت خانے میں رہتا رہا۔

ایکواڈور کیوں؟ اس لیے کہ پڑوسی و بین الاقوامی استعماری قبضوں کے بعد ایکواڈور پر فوجی حکومتیں رہیں اور آج سے قریباً تیس سال قبل وہاں 'جمہور' کی حکمرانی آئی۔ ایکواڈور اپنے بعض مواقف کے سبب دنیا کے ان ممالک میں معروف ہے جہاں جدید حقوقِ انسانی کا خیال عموماً منافقت کے بغیر رکھا جاتا ہے۔ ایکواڈور کے ماضی کے متعلق تو فی الحال راقم کے لیے تحقیق کا موقع نہیں اور نہ ہی یہ حالاً ہمارا موضوع ہے۔ بہرکیف ایک بات اس کے ذیل میں اہم ہے اور اس ایک بات کے ذیل میں دو مزید باتیں۔

پہلی بات: عالمی نظام

دنیا میں ایک عالمی نظام نافذ ہے۔ یہ کس قدر مضبوط ہے اس کی ایک چھوٹی سی مثال تو حال کا افغانستان ہے کہ جہاں جدید پیمانوں کے اعتبار سے امن موجود ہے، بلکہ شاید دنیا کے پر امن ترین ممالک میں افغانستان کا شمار کیا جائے تو یہ اول ٹھہرے، لیکن عالمی نظام نے افغانستان پر قسم قسم کی بندشیں عائد کر رکھی ہیں۔ دراصل امریکہ افغانستان میں کسی قسم کی خوشحالی نہیں چاہتا اور دنیا کا عالمی نظام بنیادی طور پر امریکہ کے ماتحت ہے ورنہ اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے پانچ مستقل ارکان امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور چین کے ذریعے دنیا پر قابض ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا اور سفارتی و تجارتی تعلقات قائم کرنا تو دور کی بات افغانیوں کا اپنی محنت سے کمایا دس ارب افغانی کرنسی کا سرمایہ اس عالمی نظام نے روک رکھا ہے۔ یہ عالمی نظام اولاً عسکری، ثانیاً معاشی اور ثالثاً سفارتی و سیاسی رابعاً غیر اخلاقی ہتھکنڈوں سے پوری دنیا کو کنٹرول کرتا ہے (غیر اخلاقی یعنی ذاتی سطح کی جاسوسی، بلیک میلنگ، رشوت وغیرہ، گو کہ ہم نے یہاں اس کا ذکر رابعاً کیا ہے اور رابعاً یہ ہوتا بھی ہے لیکن اکثر یہ پہلو پہلے تین پہلوؤں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور دراصل یہ سارے ہی پہلو ایک دوسرے سے متعلق یا جڑے ہوئے ہیں)۔

ایکواڈور کی طرف آتے ہیں۔ ایکواڈور بھی اسی 'دنیا' نامی سیارے کا برّاعظم جنوبی امریکہ میں واقع ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس میں بھی انسان بستے ہیں، جن کی ضروریات بھی ہیں، جو غلطیاں یا جرائم بھی کرتے ہیں اور ان کے اصول جو بھی ہوں لیکن چونکہ یہ انسان ہیں اور ان پر نافذ نظام بھی خالق کا بنایا ہوا نہیں بلکہ ان کا اپنا ہی بنایا ہوا جمہوری نظام ہے تو یہ خود ہی اپنے اصول توڑتے ہیں اور نتیجتاً ان کا مواخذہ نہیں ہو سکتا کہ یہ مواخذے سے بچنے کے لیے کئی بار قانون ہی بدل دیتے ہیں۔

ذیلی باتیں

1. ایکواڈور نے اسانج کو پناہ تو دے دی اور سات سال تک امریکی دباؤ بھی برداشت کیا لیکن آخر کار ایکواڈور کے صدر کا ایک معاشی کرپشن کا سکینڈل سامنے آیا اور صدر مورینو کی بعض متنازع تصاویر انٹرنیٹ پر آ گئیں۔ وکی لیکس پر اس کرپشن سکینڈل کو افشا کرنے کا الزام لگایا گیا اور پھر صدر مورینو نے وکی لیکس کے انکار کے باوجود کہا کہ اسانج نے سیاسی پناہ یا asylum کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے اور ایکواڈور کے داخلی معاملات میں مداخلت کی ہے اور اس سبب سے اسانج کو لندن میں واقع ایکواڈور کے سفارت خانے سے نکالا جاتا ہے، یوں اپریل ۲۰۱۹ء میں ایکواڈور کی حکومت نے رسماً میٹروپولیٹن پولیس جسے عرف میں سکاٹ لینڈ یارڈ کے نام سے جانا جاتا ہے، کو سفارت خانے میں بلایا گیا اور اسانج کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔
2. مشہور و بدنام زمانہ عالمی اقتصادی ادارے 'آئی ایم ایف' (جو ملکِ پاکستان کو بھی چاٹ گیا ہے) کے اسی زمانے میں ایکواڈور کو قرض فراہم کرنے کے لیے مذاکرات چل رہے تھے۔ اس بات کا کوئی ثبوت تو نہیں (اور اس طرح کی باتوں کا ثبوت عموماً ہوتا بھی نہیں اِلّا یہ کہ کوئی 'اسانج' ایسی معلومات ہیک کر کے وکی لیکس کی صورت میں شائع کر دے) لیکن اسانج کی حوالگی کے بعد آئی ایم ایف کی ایکواڈور سے کامیاب ڈیل ہو گئی۔

یوں عالمی نظام دنیا کو کنٹرول کرتا ہے!

اب اپنے بنیادی موضوع یعنی اسانج کی extradition کی جانب آتے ہیں۔ امریکہ کیوں اسانج کو extradite کروا کے امریکہ لانا چاہتا ہے اور کیوں اس پر امریکہ میں مقدمہ چلانا چاہتا ہے؟ اس لیے کہ اسانج نے امریکی حکومت و فوج کی ہزاروں دستاویزات کو ہیک (hack) کر کے شائع کیا، اور ان دستاویزات میں جو راز تھے وہ خود امریکہ، اقوامِ متحدہ اور جنیوا کنونشن کے چارٹروں کی خلاف ورزی پر مبنی حقائق تھے۔ ان دستاویزات میں ایک ویڈیو بہت مشہور ہوئی اور وہ بغداد میں امریکی فوجیوں کی عام عراقیوں کے قتلِ عام کی ویڈیو ہے، جو خود امریکیوں ہی کی ۱۲ جولائی ۲۰۰۷ء کی ریکارڈ کردہ ہے۔

اسانج کا تعلق کسی القاعدہ سے نہیں ہے، نہ ہی وہ کوئی روسی یا چینی انٹیلی جنس کا ایجنٹ ہے جو امریکہ کو بدنام کرنا چاہتا ہے، بلکہ وہ جمہوریت، آزادی، سول رائٹس جیسے حقوق کا علمبردار اور

ان کے رائج کیے جانے کے لیے کوشش کرنے والا ایک انسانی حقوق کا کارکن اور آزادئ اظہار پر یقین رکھنے والا صحافی ہے۔ لیکن حقوقِ انسانی اور اس کا چیمپئن امریکہ اسانج کا دشمن اس لیے ہے کہ اسانج نے اسی امریکہ اور اس کے عالمی نظام کی ایک بہت چھوٹی سی جھلک دنیا کو دکھائی ہے، اور حق وہ ہے جسے امریکہ حق کہے باقی سب باطل!

اسانج کو جو اتنے عرصے تک برطانیہ کے 'عادلانہ' و 'فلاحی' نظام نے extradite نہیں کیا تھا تو اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے وکلا کا کہنا یہ تھا کہ اسانج کی دماغی حالت ایسی نہیں کہ اسے امریکہ بھیجا جائے جہاں اس پر 'غداری' کا مقدمہ چلے گا اور نتیجتاً ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال کی حبسِ انفرادی کی سزا (solitary confinement) اس کو سنائی جاسکتی ہے اور اس سزا کے دوران وہ خودکشی کا اقدام قانونی یا حکومتی جبر کے نتیجے میں کر سکتا ہے۔ اور اب جو دنیا کی مثالی ریاستوں میں سے ایک ریاست کے نظامِ عدل نے اسانج کو extradite کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے تو وہ اس سبب سے ہے کہ امریکہ نے کہا ہے کہ اسانج کو humanely treat یعنی انسانی سلوک کیا جائے گا۔ جب سوال اٹھایا گیا کہ 'اگر برطانوی نظامِ عدل اس کو extradite کرنے کا امریکی مطالبہ پورا کرتا ہے اور امریکی عدالتیں اور انتظامیہ اس کے ساتھ humane سلوک ہی جو کرنا چاہتی ہیں تو کیا یہ آزادئ صحافت کے خلاف نہیں؟ اسانج تو ایک صحافی ہے جس نے بعض اخباری سٹوریز شائع کی ہیں؟'۔ تو جواباً کہا گیا کہ '(یہ آزادئ صحافت نہیں ہے) اسانج نے ڈیٹا چوری کیا ہے اور ثانیاً اس کو نشر کیا ہے!'۔

اس بات سے چند مزید پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں:

1. یعنی امریکہ اور اس کے خفیہ ادارے این ایس اے اور سی آئی اے اور امریکی کی سربراہی میں قائم فائیو آئیز جو دنیا جہان کے لوگوں کی خفیہ نگرانی کرتی ہیں بلکہ ابھی جب اسانج ایکواڈور کے سفارت خانے میں تھا تو سپین کی انٹیلی جنس ایجنسی نے امریکہ کی خاطر ایکواڈور کے سفارت خانے کے احاطے میں اسانج کی جاسوسی کرنے کے لیے مائیک اور کیمرے نصب کیے جن سے بنائی گئی ویڈیوز اور تصاویر بعداً منظرِ عام پر بھی لیک ہو کر آئیں۔ بلکہ جاسوسی کے لیے باتھ رومز میں بھی مائیک اور کیمرے نصب کیے گئے۔ امریکی ادارے این ایس اے نے اپنی ہی اتحادی جرمن چانسلر اینجلا مرکل کا سمارٹ فون ہیک کیا۔ اور یہ جو سب چیزیں نشر ہوئیں اور جو پہلے جاسوسی اور ڈیٹا کی چوریاں صرف انہیں کیسز میں کی گئیں وہ جرم نہیں، لیکن اسانج اگر امریکہ کی چنگیزیت اور بغداد میں قتل ہوتے معصوم بچوں کی ویڈو نشر کرے تو وہ مجرم؟
2. ایک اور پہلو یہ ہے کہ امریکہ نے کہا ہے کہ وہ اسانج کو humanely treat کرے گا اور اسی پر برطانوی ججوں نے اسانج کو extradite کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ تو گویا امریکہ اسی بات سے یہ بھی تسلیم کر رہا ہے کہ وہ لوگوں کو inhumanely بھی treat کرتا ہے۔
3. برطانوی جج کے عدالتی تبصرے سے معلوم ہوا کہ آزادئ اظہار و صحافت کی حدود ہیں۔ لیکن یہ کیا، کہ ان حدود کا تعلق اسی نظام کی بقا سے ہے؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے تو باقی دنیا چھوڑیے برطانیہ ہی سلمان رشدی کو رکھ لیتا ہے، اس کو اپنی شہریت دیتا ہے اور پھر ملکہ برطانیہ اس کو 'سر' کا خطاب بھی دیتی ہے؟!
4. یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ چونکہ اسانج جمہوریت اور انسانی حقوق کی بات مغربی معیارات پر ہی کرتا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ عدلیہ اس کے بارے میں فیصلے کرتے سوچتی ہے، حکومتیں اور نظام 'ہیومین' سلوک کو روا جانتے ہیں اور ساری دنیا کا میڈیا اور انسانی حقوق کے ادارے اس پر بات کرنا روا بلکہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں، لیکن دنیا میں ایک قیدی عافیہ صدیقی بھی ہے جس کو برہنہ کیا جاتا ہے، جسے امریکی انتظامیہ اور فوج کے اہلکار ریپ کرتے ہیں، اس لاغر اور نیم مردہ عورت پر جو شاید کھانا کھانے کے لیے اپنا ہاتھ بھی مشکل سے منہ تک لے جاتی ہے پر امریکی ایف بی آئی کے اہلکاروں کو قتل کرنے کی کوشش کے جرم میں پانچ کلو کی رائفل پہلے امریکی مسٹنڈے فوجیوں سے چھیننے اور پھر چھین کر ان پر حملہ کرنے کا جرم ڈال دیا جاتا ہے، پھر چھیاسی (۸۶) سال کی قید سنا دی جاتی ہے، لیکن ستم ظریفی ہے کہ یہاں نہ کوئی جج ہیں، نہ humane سلوک کے دعوے دار انتظامیہ و حکومت، نہ ہیومن رائٹس کے ادارے اور نہ ہی میڈیا؟!

صنفِ آہن در کاکُول و زنانِ شجاع در کابل و مزار

آئی ایس پی آر نے ایک ڈرامہ سیریل لانچ کر رکھا ہے 'صنفِ آہن' کے نام سے۔ بی بی سی کے مطابق یہ سات لڑکیوں کی کہانی ہے جو مختلف پسِ منظر سے تعلق رکھتی ہیں اور فوج میں شامل ہوتی ہیں۔ شاید ان کو صنفِ آہن اس لیے کہہ رہے ہیں کہ یہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کی سختیاں جھیلتی ہیں اور کمیشنڈ آفیسر بنتی ہیں۔

امریکہ اور اس کے ٹوڈیوں نے ایک اور ڈرامہ بھی شروع کر رکھا ہے لیکن یہ محض ٹی وی سکرینوں پر نہیں ہے سڑکوں پر بھی اس کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ کابل اور مزار شریف کی سڑکوں پر کچھ مغرب پرست، حیا باختہ، غیرت سوختہ عورتیں ہر دوسرے دن نکلتی ہیں اور کہتی ہیں 'نان، کار، آزادی'، نان یعنی روٹی، کار یعنی کام (گاڑی کا مطالبہ ابھی نہیں کر رہیں) آزادی یعنی مادر پدر آزادی۔ ان عورتوں کے لیے میڈیا اور سوشل میڈیا یہ عنوان درج کرتا ہے 'زنانِ شجاع در کابل' اور 'زنانِ شجاع در مزار' یعنی کابل و مزار شریف میں بہادر عورتیں۔

سوچ رہا ہوں، صنفِ آہن کون ہیں اور زنانِ شجاع کون؟

مسعود جنجوعہ کی اہلیہ ذہن میں آ رہی ہیں۔ فیصل فراز کی والدہ، نوید بٹ کی اہلیہ، مدثر نارو کی ماں اور بچہ کہ جوان بیوی تو انتظار کرتے کرتے پہلے ہی دم توڑ گئی۔ جن چند عورتوں کے نام لکھے ہیں یہ تو چند ہی ہیں، ورنہ سرکاری اور بلا اختلاف اعداد و شمار جو لاپتہ افراد کے کمیشن نے جاری کیے ہیں وہ ڈھائی ہزار ہیں اور نواز شریف کے قریبی ساتھی مصدق ملک نے چند سال پہلے یہ تعداد پچاس گنا بتائی تھی۔ یعنی کم از کم ڈھائی ہزار عورتیں بیوہ نہیں ہیں بیوہ سے بدتر ہیں (حقیقی تعداد لاکھ سے اوپر ہے)۔ ان عورتوں نے پچھلے پندرہ سولہ سال میں سڑکوں پر لاٹھیاں کھائی ہیں، آنسو گیس بغیر ماسک کے سہی ہے، اب تک سیکڑوں میل پیدل ریلیاں نکال چکی ہیں، سورج میں انہوں نے دھرنے دیے ہیں، سخت سردی میں بھی آج سے ٹھیک دس سال پہلے اسلام آباد میں انہوں نے اپنے پیاروں کی بازیابی کے لیے دو ماہ تک دھرنا دیا تھا۔ نفسیاتی طور پر بھی درجنوں امتحان انہوں نے پاس کیے ہیں، دماغ و نفسیات کے قوی ہونے کی اور کیا دلیل ہو گی کہ دس دس پندرہ پندرہ سال ہو گئے ان کے مَردوں کو لاپتہ ہوئے لیکن اب تک ان کا دماغ درست ہے، ان کو PTSD نہیں ہوا۔

تو صنفِ آہن کون ہیں؟ وہ سات یا زیادہ سے زیادہ سات صفر: ستّر (۷۰) جو پی ایم اے سے 'باقاعدہ' سال دو سال میں پاس ہو رہی ہیں یا وہ ڈھائی لاکھ جو پی ایم اے سے پاس آؤٹ ہونے والوں کے ہاتھوں 'بے قاعدہ' سخت ترین جسمانی و نفسیاتی ٹریننگ سے پندرہ سال سے گزر رہی ہیں۔ ہاں بس پی ایم اے میں گورکھا پوزیشن بھی بنواتے ہیں، ان بے چاریوں نے بس یہی نہیں کیا!

پی ایم اے صنفِ آہن واقعی بناتا ہے!

پھر زنانِ شجاع، بے حجاب ہو کر یہ پتلونیں اور جینز پہننے والیاں ہیں یا بیس سال میں افغانستان میں امریکیوں اور انہیں 'زنانِ شجاع' کے مردوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے ایک لاکھ سینتالیس ہزار مردوں اور بچوں کی بیویاں اور مائیں جنہوں نے سب غم سہے، لیکن اپنے ہر نئے پیدا ہونے والے بچے اور جس نئے مرد سے ایک بار بیوہ ہونے کے بعد انہوں نے شادی کی تو اس کو بھی امریکیوں سے نمٹنے کو کہا اور گھر سے بنا آنسو بہائے، گولیوں اور بارود سے بھرے جبے ان کی کمر سے باندھ کر ان کو روانہ کیا؟

کوئی حسرتؔ موہانی ہوتے تو اس طرح کے سیکڑوں شعر کہنے پر آج بھی مجبور ہوتے:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے[1]

سعودی عرب میں ہر اسانی کے بڑھتے واقعات

(جنسی) ہر اسانی کے واقعات کے اعداد و شمار نکالیں تو یو این ویمن، ورلڈ پاپولیشن ریویو اور سی این این ہیلتھ کی رپورٹوں سے اندازہ ہو گا کہ اس قسم کی ہر اسانی میں دنیا کے 'ٹاپ' ممالک کون سے ہیں؟ یہ سب کے سب یا تو مغربی ممالک ہیں یا کفار کی غالب اکثریت والے ممالک یا مسلمان آبادیوں والے وہ ممالک جہاں مغربیت اور ہوس و شہوت پرستی وہاں کی حکومتوں اور مادر پدر آزاد میڈیا کے سبب اپنے عروج پر ہے، بدقسمتی سے مصر اور بنگلہ دیش۔ سعودی عرب کے اعداد و شمار نکالیں تو سعودی عرب کی ایک تہائی عورتیں 'تشدد' کا شکار ہیں، لیکن اولاً مذکور تین اداروں کے مطابق بھی وہاں (اس لفظ کے استعمال پر معذرت کے ساتھ) 'جنسی' ہر اسانی کے اعداد و شمار تاحال باقاعدہ ریکارڈ شدہ نہیں ہیں اور جسے 'ڈومیسٹک وائلنس' کہا جاتا ہے تو وہ بھی وہ ہے جسے فالعیاذ باللہ میریٹل ریپ سے تعبیر کیا جاتا ہے [جس کے متعلق 'ماشاء اللہ' (انا للہ وانا الیہ راجعون) پاکستان میں آج کل ایک ڈرامہ بھی چل رہا ہے] یا (تادیب یا ظلم پر مبنی) خواتین کی مار پیٹ [ذہن میں واضح رکھیے کہ عورتوں کی مار پیٹ کا تعلق عربوں، عجمیوں یا اس کام میں زیادہ معروف پختونوں کی 'روایات' سے ہو سکتا ہے، اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور یہ فی الحال موقع بھی نہیں اور ہمارا موضوع بھی نہیں۔ ہاں جب میں نے پختونوں کا ذکر کر دیا ہے تو یہ ذکر بھی لازمی ہے کہ آج دنیا میں حقیقتاً اور واقعتاً عورتوں کو سب سے زیادہ حقوق دینے والے ملک و معاشرے (افغانستان) کی غالب اکثریت پختونوں ہی کی ہے اور عورتوں کو ان کے شرعی و انسانی حقوق دینے میں ان میں بھی سب سے بڑا نام ہبۃ اللہ اخندزادہ کا ہے جو پختونوں کے اصل مرکز 'قندھار' سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب لوگوں کا امتیاز پختون ہونا نہیں بندۂ خدا و مسلمان ہونا ہے!]۔

لیکن پچھلے ڈیڑھ دو ماہ سے سعودی عرب میں اس مخصوص ہر اسانی کے واقعات بھی رپورٹ کیے جا رہے ہیں۔ یاد آیا کہ عورتوں کے بے حجاب ہو کر یعنی خوب سرخی پاؤڈر مل کر گاڑی چلانے کی مہم چلانے والی ایک سعودی عورت کو بھی ایک حیوان نما مرد نے چند سال پہلے ایک ویڈیو میں اعلانیہ کہا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ تو میں تمہیں (مخصوص) ہراس کروں گا۔ اس واقعے سے اب تک کہ جب سعودی عرب کے شہر ریاض میں ایک میوزیکل کانسرٹ اس سبب ملتوی

[1] ویسے اگر حسرت موہانی مرحوم زندہ ہوتے تو وہ بھی لاپتہ ہوتے کہ 'تحریکِ ریشمی رومال' کے نامزد مجرموں میں انگریزی خفیہ اداروں نے ان کا نام بھی رپورٹوں میں درج کیا ہے۔ اور انہوں نے انگریزوں کی جیل بھی کاٹی تھی۔

کیا گیا ہے کہ وہاں بعض عورتوں کو (مخصوص) ہراس کیا گیا تھا یا کیے جانے کا اندیشہ تھا، تو یہ سب واقعات کیوں شروع ہوئے ہیں؟

جس قدر عورت کو جنس بازار بنایا گیا ہے، جس قدر اس کے کپڑے اس سے چھینے گئے ہیں، جس قدر اس کی حیا پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے، جس قدر اس کو پروپیگنڈے کے زور سے کہا گیا ہے کہ تم جس قدر باہر نکلو اور جس قدر کم کپڑوں میں، عریاں انداز و زبان کے ساتھ بات کرو/ فلرٹ کرو، اسی قدر یہ سب بڑھا ہے۔ جہاں 'عریانی ستر بن جاتا ہے' جس طرح جانوروں میں ستر ہوتا ہے تو اسی قدر جس نر کا جہاں زور آئے وہ اسی قدر کسی بھی مادہ سے منہ مار لیتا ہے (حالانکہ جانوروں پر تحقیق کرنے والے اس بات سے اتفاق نہیں رکھتے، بلکہ یہ بات سراسر غلط اور ظلم ہے سوائے خنزیر کے لیے، اب مغربی ہوس پرستی پر خنزیر احتجاج نہ شروع کر دیں!)۔

نیوٹن کا تیسرا قانون ہے غالباً، ہر عمل کا مساوی و متضاد ردِ عمل ہوتا ہے۔ سچے خدا کے سچے پیغمبرؐ کا قانونِ شریعت نہیں مانتے جس کو بعض لوگ فزکس وزکس سے جوڑ کر نعوذ باللہ پیغمبر کہتے ہیں اسی کے سائنسی قانون سے کوئی بات حاصل کر لو۔ بھوکے کے سامنے خشک نانِ جو لاؤ گے تو بھی وہ کھائے گا، بھوکے مرد کے سامنے بے حجاب عورت لاؤ گے تو وہ بھی کھائے گا اور اولاً مذکور اداروں کے مطابق تو مجموعی طور پر ہراسانی کا شکار ہونے والوں میں بائیس فیصد تعداد مردوں کی ہے جن میں اکثر کو عورتیں ہراساں کرتی ہیں، یہ بھی جدید نظام کے سبب بھوکیاں ہوتی ہوں گی! فاعتبروا!!!

صوبہ خیبر پختون خوا میں بلدیاتی انتخابات

صوبہ خیبر پختون خوا میں بلدیاتی انتخابات کے ذریعے جو دینی سیاسی جماعت کو کامیابی ملی ہے تو اس پر دلی تمنا ہے کہ وہ اس کے بل پر:

- ملک میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر غلبۂ اسلام کو اپنا ہدف بنائیں؛
- لوگوں کو شریعت کے نفاذ کے لیے تیار کریں؛
- اور اسلام و شریعت کے مخالفین کی نشاندہی عوام کو کروائیں۔

ماضی میں نہایت قابلِ احترام چند علمائے کرام نے اگر جمہوریت و انتخابات میں شمولیت کا جواز دیا اور خود بھی اگر شرکت کی تو ان کا مطمحِ نظر اس جمہوریت و انتخابات کو وقتی طور ایک آلے کے طور پر استعمال کرنا تھا، ان کا ہدف کبھی ایک لمحے کے لیے بھی جمہور کی حاکمیت اور نظامِ جمہوریت کا بقا نہ تھا کہ یہ نظریات و اہداف مغربی ہیں اسلامی نہیں۔

اللہ پاک رہنمائی فرمائیں کہ حالیہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والے حضرات بھی جمہوریت کی مضبوطی کو اپنا ہدف قرار نہ دیں اور نہ ہی محض عوامی ترقی کو اپنا منشور، کہ یہ کام غیر دینی جمہوری جماعتیں بھی کر رہی ہیں۔ خدانخواستہ اگر دینی سیاسی جماعتیں بھی جمہوریت کی مضبوطی اور محض عوامی ترقی کو اپنا منشور بنائیں گی تو دینی و غیر جماعتوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟

'پولیس کو یہ اختیار کون دیتا ہے کہ وہ عورتوں کو بھرے بازار میں مارے؟' بی بی سی

کوئٹہ کے کسی واقعے سے متعلق بی بی سی اردو کی ایک سٹوری ہے اور سوالیہ عنوان اوپر آپ نے پڑھ لیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ سادی جی گل اے، عورت کو مردوں کی طرح مساوی حقوق حاصل ہیں۔ مرد کا جسم اس کی مرضی اور عورت کا جسم اس کی مرضی۔ تو جس پولیس کو جس کسی نے مردوں کو بھرے بازار میں مارنے کا اختیار دیا ہے اسی نے عورتوں کو بھی مارنے کا اختیار دیا ہے!

ترکی اور صلیبی جنگ

طیب اردگان نے ایک خواب دیکھا، ملاحظہ ہو:

> ''میں نے مسجد اقصیٰ کو خواب میں دیکھا۔ ایک بچے کی صورت میں آئی اور رو رہی تھی۔ مجھ سے کہنے لگی کہ مسلمانوں کو میرا اسلام پہنچاؤ۔ ان سے کہنا کہ میں یہ فراق برداشت نہیں کر سکتی۔ اسلام کو مجھے اپنے آغوش میں لینے دو اور گلے لگنے دو۔''

یہ خواب تھا، اب حقیقت دیکھیے۔

مجاہدینِ صومالیہ نے پچھلے دو سال سے اقصیٰ کو چھڑانے کے لیے ایک خصوصی مہم کا آغاز کر رکھا ہے۔ مجاہدینِ اہلِ عزم و ہمت نے اپنی اس مہم کا نام 'اَلْقُدْسُ لَنْ تُهَوَّدْ' رکھا ہے یعنی (مر جائیں گے لیکن) القدس کو کبھی یہود کا مرکز نہ بننے دیں گے۔ یہ مجاہدین بھی اور یمن تا برِّ صغیر کے مجاہدین بھی اپنے ہر قول و بیان کے بعد کہتے ہیں 'قادمون یا أقصیٰ!' اے اقصیٰ ہم تجھے پنجۂ یہود سے چھڑانے آ رہے ہیں۔ بلکہ وہ واقعہ بھی یہاں درج کر دوں کہ پاکستان میں آئی ایس آئی کے ایک عقوبت خانے میں کسی مجاہد نے عقوبت خانے کی دیوار پر کھرچ کر لکھا تھا 'قادمون یا أقصیٰ!' اور اسی عبارت کے نیچے ایک اور مجاہد نے لکھا تھا 'نحن رجال القاعدة'، ہم القاعدہ سے وابستہ جواں مرد ہیں! یہاں ملا عمر اور اسامہ بن لادن کا ذکر نہیں کرتا، امت کا ہر مجاہد ہی صبح و شام اقصیٰ کی جانب فکر و عمل میں بڑھ رہا ہے۔ لیکن مجاہدینِ صومالیہ نے اس اقصیٰ کو چھڑانے کے لیے عملی مہم شروع کر رکھی ہے اور اب تک سیکڑوں سے زائد صلیبی صہیونی کافروں اور ان کے غلاموں کو جو یہود کی پہرہ داری کر رہے تھے قتل کر چکے ہیں اور یہ مہم دنیا کے ہر مجاہد کے دل کی آواز اور عمل کا سراپا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 99 پر)

مدینہ مسجد

عائشہ غازی

تین سال پہلے انڈیا ٹوڈے نے خبر لگائی تھی کہ سنہ سنتالیس میں جو مندر بے آباد ہو گئے تھے، عمران خان کی حکومت ان چار سو مندروں کو مکینوں سے خالی کروا کر انہیں دوبارہ مندروں کی شکل میں بحال کروانے اور انہیں ہندوؤں کے حوالے کرنے کا کام مرحلہ وار شروع کر چکی ہے۔ خبر درست تھی۔ کہیں کوئی حساب کتاب نہیں کہ جب پاکستان کی معیشت خود بیرونی قرضوں کی مصنوعی سانس پر چلائی جا رہی تھی تو اس دوران ان مندروں کی مرمت اور بحالی پر کتنا پیسہ خرچ کیا گیا اور یہ قانونی تھا؟ قانونی تھا بھی تو کیا یہ جائز تھا؟ جو لوگ ان مندروں میں آدھی صدی سے زیادہ سے آباد تھے، ان کی قانونی حیثیت کیا تھی؟

اس کے علاوہ اسلام آباد کے بیچوں بیچ مندر کے لیے وسیع و عریض جگہ الاٹ کی گئی گویا یہ جگہ حکومت وقت کی ذاتی ملکیت ہے اور شدید عوامی رد عمل کے باوجود وہ یہ جگہ جسے مرضی دے.....(وہی مندر جس کی جگہ الاٹ ہونے سے سالوں پہلے انڈین آر ایس ایس کے لیڈر اپنی تقریروں میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اسلام آباد میں مندر تعمیر کروائیں گے).....اگر جمہوریت ہی قانون ہے تو کیا شدید عوامی رد عمل کے باوجود یہ زمین یوں الاٹ کرنا قانونی عمل تھا، اور قانونی تھا تو کیا جائز بھی تھا.....؟

کرک میں مندر پر حملہ ہوا.....ساری دنیا میں خبر بنی کہ شدت پسند مسلمانوں نے کرک کے مندر پر حملہ کیا ہے.....کہیں خبر نہیں چلی کہ انہوں نے احتجاجی حملہ مندر پر نہیں بلکہ اس کی نئی اور "غیر قانونی" اینکروچمنٹ پر کیا تھا جسے قانونی چارہ جوئی کے باوجود ہندو قابضین خالی نہیں کر رہے تھے، حملے کی خبر پوری دنیا میں پھیلی۔ چیف جسٹس گلزار نے فوری طور پر قانون ہاتھ میں لیتے ہوئے اس غیر قانونی زمین پر مندر کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اسے قانونی کر دیا اور پھر اس کی افتتاحی تقریب سے خود جج کے عہدے پر ہوتے ہوئے غیر قانونی خطاب بھی فرمایا.....

بے حد مختصر یہ کہ چالیس سال سے موجود مدینہ مسجد کراچی کو گرانے کے فیصلے کا "قانونی اور غیر قانونی" سے ہرگز کوئی تعلق نہیں.....یہ سمجھنے کی کوشش بیکار ہے کہ چالیس سال سے موجود مسجد کو ڈھا کر وہاں پارک بنایا جانا کیوں قانون کے لیے اس قدر ضروری ہے جبکہ مسجد کسی کی ذاتی ملکیت یا رہائشی اراضی پر بھی نہیں بنی تھی.....یہ حاکمان وقت کی ترجیحات اور نصب العین کا آئینہ دار ہے.....نیت جانچنے کے لیے یہی معلوم کر لینا بہت ہے کہ سرکار نے اب تک مسجدوں کو کتنی زمین الاٹ کی، ان پر کیا خرچ کیا اور مندروں کو کیا ملا.....

سچ یہ ہے کہ پاکستان کی اسلامی شناخت کے خلاف جو جنگ مشرف نے شروع کی تھی، یہ عمران باجوہ الائنس اسے بے حد کامیابی سے لے کر آگے بڑھا ہے.....جو صورتحال جا رہی ہے اس کے مطابق بہت جلد پاکستان میں ایک ایسی تہذیب اور ایسا مذہب رائج ہو گا جو اکبر کے دین الٰہی سے مماثلت رکھتا ہو گا.....مسلمان کا خود کو گھر کی چار دیواری سے باہر مسلمان کہنا مشکل ہو جائے گا.....اور گھر کے اندر مسلمان رہنا مشکل ہو جائے گا.....اگر آپ اسے غیر یقینی سمجھ رہے ہیں تو آپ نے تاریخ نہیں پڑھ رکھی بلکہ بالکل بھی نہیں پڑھ رکھی!

☆☆☆☆☆

انقلاب کا طریقہ

"شاہ (ولی اللہ دہلوی) صاحبؒ فوجی انقلاب کے حامی تھے۔ مگر وہ فوجی انقلاب جو جہاد کے اصول پر ہو، یعنی جس کا نصب العین سب سے بہتر اور برتر ہو اور جس کا ہر مجاہد ذاتی اغراض سے یہاں تک بلند ہو کہ خود اپنی شخصیت کو بھی فنا کر چکا ہو، یہاں تک کہ فنا کو بقا اور نصب العین کے لیے قربان ہو جانے کو ابدی زندگی تصور کرے۔

ایسا انقلاب پیشہ ور سپاہیوں کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان رضاکاروں کے ذریعے ہو سکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو، جو نصب العین کو سمجھیں اور اصلاحی نظریات پر پہلے اپنے آپ کو ہموار کریں۔ اس کے بعد ان کو کامیاب بنانے کے لیے قربان ہو جانا اپنی زندگی کا آخری مقصود بنا لیں۔"

(علمائے ہند کا شاندار ماضی؛ حصہ دوم، ص ۴۰۴)

لاپتانستان

شاہ نواز فاروقی

اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب اطہر من اللہ نے صحافی اور بلاگر مدثر نارو کے لاپتا ہوجانے سے متعلق کیس میں اہم ریمارکس دیے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہماری آدھی زندگی ”غیر جمہوری حکومتوں“ میں گزری، یہ ”انھی“ کا کیا دھرا ہے۔ چیف جسٹس نے وفاقی وزیر شیریں مزاری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو اس لیے زحمت دی کہ ”ریاست“ نظر نہیں آرہی، ملک میں جبری گم شدگیوں کا رجحان ہے، کسی کا لاپتا ہوجانا انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ وزیراعظم اور کابینہ کے اراکین لوگوں کی خدمت کے لیے ہیں۔ لاپتا افراد کی رہائی کے لیے ریاست کا ردعمل غیر مؤثر ہے۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ اگر پبلک آفس ہولڈر کا کوئی عزیز لاپتا ہوجائے تو ریاست کا ردعمل کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں پوری ریاستی مشینری متحرک ہوجائے گی۔ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ عام آدمی کے لاپتا ہونے کی صورت میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ لاپتا افراد کی بازیابی کی ذمہ داری وزیراعظم اور کابینہ پر آتی ہے، کیوں نا معاوضے کی رقم وزیراعظم اور کابینہ اراکین ادا کریں۔(روزنامہ جسارت اور جنگ کراچی۔ ۲ دسمبر ۲۰۲۱ء)

اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحب کے یہ ریمارکس پڑھ کر ہمیں جون ایلیا کے دو شعر یاد آگئے۔ جون ایلیا نے کہا ہے:

شرم، دہشت، جھجک، پریشانی
ناز سے کام کیوں نہیں لیتیں
آپ، وہ، جی، مگر یہ سب کیا ہے
تم مرا نام کیوں نہیں لیتیں؟

چیف جسٹس صاحب نے اپنے ریمارکس میں ”غیر جمہوری حکومتوں“ کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لاپتا افراد کا مسئلہ ”انھی“ کی تخلیق ہے۔ مگر ان ریمارکس میں اصل کردار کا اصل نام لاپتا ہے۔ اس کردار کا ایک نام ”اسٹیبلشمنٹ“ ہے۔ ایک نام ”فوج“ ہے۔ ایک نام ”جرنیل“ ہے۔ ایک نام ”ایجنسیاں“ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عدالتوں میں عام افراد کے خلاف مقدمہ چلتا ہے تو اصل مجرم یا ملزم کا نام لیا جاتا ہے، مگر لاپتا افراد کا مقدمہ اعلیٰ عدالتوں میں آتا ہے تو کوئی لاپتا کرنے والوں کا اصل نام نہیں لیتا۔ اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحب کے اہم ریمارکس میں بھی نام کے حوالے سے دھند چھائی ہوئی ہے۔ غیر جمہوری حکومت کا مفہوم راز نہیں، مگر اس نام میں وہ زور اور شدت نہیں ہے جو سیکڑوں انسانوں کو لاپتا کرنے والوں کے اصل ناموں میں ہے۔ لیکن یہ تو طویل جملۂ معترضہ ہے۔ یہاں کہنے کی اصل بات یہ ہے کہ لاپتا افراد کے مقدمات نے معاشرے کو بنیادوں سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے سے بڑا انسان بھی اگر مر جائے تو لواحقین کو دیر یا سویر صبر آجاتا ہے۔ کسی کو کسی مقدمے میں سزا ہوجاتی ہے تو متعلقین اس پر بالآخر صبر کر ہی لیتے ہیں۔ مگر لاپتا افراد کا معاملہ عجیب ہے۔ اس میں لاپتا ہونے والے افراد کے لواحقین روز جیتے، روز مرتے ہیں۔ انہیں کسی پل چین ہی نہیں آتا۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ لاپتا شخص زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ لاپتا افراد کا مسئلہ جنرل پرویز کے زمانے سے چلا آرہا ہے، اور معاشرے کا ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو کہتا ہو کہ ریاست کے خلاف جرم کرنے والوں کو بخشا جائے، انہیں سزا نہ دی جائے۔ مگر معاشرے کے تمام باشعور لوگ یہ ضرور کہہ رہے ہیں کہ اگر کسی لاپتا شخص نے کوئی بھیانک جرم کیا ہے تو اُسے عدالت میں پیش کیا جائے، اُس پر ملکی قوانین کے تحت مقدمہ چلایا جائے، اور جرم ثابت ہوجائے تو بلاشبہ اُسے سخت سے سخت سزا دی جائے، مگر لاپتا شخص کو لاپتا نہ رکھا جائے، اُسے ملک کے نظامِ انصاف سے استفادے کا حق دیا جائے۔ ملک کا نظام انصاف لاپتا افراد نے وضع نہیں کیا۔ یہ نظام حکمران طبقے کا بنایا ہوا ہے، اور اس طبقے کو اپنے ہی بنائے ہوئے نظامِ انصاف کے دروازے لاپتا افراد اور اُن کے لواحقین پر بند نہیں کرنے چاہییں۔ عدل آکسیجن کی طرح انسانوں کی ضرورت ہے۔ معاشرے دولت اور طاقت سے زندہ نہیں رہتے۔ معاشرے عدل سے زندہ رہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ معاشرہ کفر کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے مگر عدل کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن ہماری اسٹیبلشمنٹ لاپتا افراد کو نظامِ عدل تک رسائی دینے کے لیے تیار نہیں۔ یہ بدترین ظلم ہے اور کسی بھی اعتبار سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ لیکن مسئلہ صرف لاپتا افراد کا نہیں۔ پاکستان میں کیا ہے جو لاپتا نہیں ہے! پاکستان کے حکمران طبقے نے پاکستان کو ”لاپتانستان“ بنا کر رکھ دیا ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے، اور اس کا نظریہ اسلام ہے۔ لیکن پاکستان کا نظریہ ”لاپتا“ ہے۔ بلاشبہ ملک کا آئین اسلامی ہے، مگر پاکستان کے حکمران طبقے نے آئین کو اسلام کا قید خانہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ وہ اسلام کو آئین سے نکل کر ریاست و سیاست، معیشت و معاشرت پر اثرانداز ہی نہیں ہونے دیتا۔ اسلام سود کو خدا اور رسولؐ کے خلاف جنگ قرار دیتا ہے، اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پورا معاشی نظام سود پر کھڑا ہوا ہے۔ ملک کی اعلیٰ عدالتیں سود کے خلاف فیصلہ دے چکیں، مگر حکمران طبقہ عدالتوں میں اپیل لے کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ پہلے یہ کام میاں نواز شریف نے کیا تھا، اب موجودہ حکمران کررہے ہیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پرچم بلند ہو تاکہ معاشرے میں خیر پھیلے اور بدی کا سدباب ہو، مگر ہمارا حکمران طبقہ نہ معاشرے میں خیر پھیلانے کا کام کررہا ہے، نہ وہ بدی

کا راستہ روکنے کے لیے تیار ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ تیزی کے ساتھ مغربی ہوتا جارہا ہے، یہاں تک کہ وزیر اعظم عمران خان نے بھی حال ہی میں فرمایا ہے کہ معاشرے میں مغربی ثقافت کا پھیلاؤ سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن پاکستان کے اصل حکمرانوں کو اس صورتِ حال پر تشویش بھی نہیں ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ کا حال ابتر ہے، ہمارے ملک میں ٹیلی ڈرامہ دس سے پندرہ کروڑ لوگ دیکھتے ہیں، اور اِس وقت ہمارے ٹیلی ڈرامے کا یہ حال ہے کہ معروف ڈرامہ نگار حسینہ معین نے ایک انٹرویو میں صاف کہا تھا کہ اب ہمارے ڈرامے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں خاندان کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ ملک کے ممتاز ڈرامہ نگار امجد اسلام امجد اس سلسلے میں حسینہ معین سے بھی ایک قدم آگے گئے، انہوں نے روزنامہ جنگ کے سنڈے میگزین کو دیے گئے انٹرویو میں فرمایا کہ ہمارے بعض ڈرامے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں شوہر اور بیوی بھی ایک ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن چونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نظریہ ''لاپتا'' ہے، اس لیے کوئی ڈراموں کی خرابی پر بات نہیں کررہا، اور حکمران ڈراموں پر کوئی پابندی عائد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا، مگر پاکستان کے سیکولر اور لبرل عناصر آئے دن ملک میں نظریاتی خلفشار پیدا کرنے کے لیے اپنے سیکولر اور لبرل ایجنڈے کو آگے بڑھارہے ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے ریاست ان عناصر کا منہ بند کرنے کے لیے تیار نہیں۔

پاکستان کا ایک المیہ ایسا ہے کہ دنیا کا کوئی ملک بھی اس المیے سے دوچار نہیں ہوا۔ پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ ایک دن اچانک آدھا ملک ''لاپتا'' ہوگیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء تک پورا پاکستان روئے زمین پر موجود تھا، مگر ۱۶ دسمبر کو سقوطِ ڈھاکا ہوگیا اور آدھا پاکستان لاپتا ہوکر تاریخ کی دھند میں کھوگیا۔ یہ صورتِ حال کسی قدرتی آفت کا نتیجہ نہیں تھی، بلکہ پاکستان کے حکمران طبقے نے آدھے پاکستان کو خود لاپتا کیا۔ اس سلسلے میں بھارت یا کسی اور ملک کا کردار ثانوی ہے۔ ہمارا حکمران طبقہ حماقتیں اور ظلم نہ کرتا تو دنیا کی کوئی طاقت آدھے پاکستان کو لاپتا نہیں کرسکتی تھی۔ آدھے پاکستان کے لاپتا ہونے کے حوالے سے اس شعر میں گہری معنویت محسوس کی جاسکتی ہے:

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم انگریزوں کے غلام تھے تو قائداعظم ایک آزاد انسان کی حیثیت سے سوچ رہے تھے اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد کررہے تھے، مگر جب ہم آزاد ہوگئے تو پاکستان کے حکمران طبقے نے ملک کی سیاسی اور معاشی آزادی کو ''لاپتا'' کردیا۔ اس نے ہماری سیاسی اور معاشی آزادی امریکہ اور یورپ کے ہاں گروی رکھ دی۔ چنانچہ ہمارا سیاسی نظام ''امریکہ مرکز'' ہے۔ امریکہ چاہتا ہے تو پاکستان میں مارشل لا آجاتا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے تو پاکستان میں جمہوریت بحال ہوجاتی ہے۔ امریکہ چاہتا ہے تو میاں نواز شریف جیل سے سعودی عرب پہنچ جاتے ہیں۔ امریکہ چاہتا ہے تو بے نظیر بھٹو اور جنرل پرویز مشرف کے درمیان این آر او ہوجاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ ہماری معیشت آزاد تھی، مگر ہمارے حکمران طبقے نے معیشت کی آزادی کو بھی لاپتا کردیا۔ انہوں نے پاکستان کی معیشت کو قرضوں کی معیشت بنادیا اور ملک کی معاشی آزادی آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے حوالے کردی۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان اپنے وسائل کا پچاسی (۸۵) فیصد قرضوں کی ادائیگی پر خرچ کررہا ہے، جب کہ بھارت اپنے وسائل کا اکاون (۵۱) فیصد اور بنگلہ دیش اپنے وسائل کا صرف بیس (۲۰) فیصد قرضوں کی ادائیگی پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال پاکستان سے کھلی غداری ہے، مگر جو غدار ہیں وہی سب سے بڑے محبِ وطن بنے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا دفاع بھی پچاس سال سے امریکہ مرکز ہے، حالانکہ امریکہ نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمیں ہتھیاروں کی فراہمی بند کردی تھی، اور ۱۹۷۱ء میں امریکہ کا ساتواں بحری بیڑا کبھی مشرقی پاکستان نہ پہنچ سکا تھا۔

غور کیا جائے تو ہماری آبادی کے بڑے حصے کے لیے تعلیم اور صحت کی سہولتیں بھی ''لاپتا'' ہیں۔ ملک میں ڈھائی کروڑ بچے اسکولوں سے باہر کھڑے ہیں، اور ملک کی آبادی کا صرف دو فیصد اعلیٰ تعلیم حاصل کرپاتا ہے۔ بدقسمتی سے حکمرانوں نے تعلیم کو نجی شعبے کے حوالے کرکے اسے اتنا مہنگا کردیا ہے کہ عام آدمی اپنے بچوں کو تعلیم دلا ہی نہیں سکتا۔ یہی صورتِ حال صحت کے شعبے کی ہے۔ ملک کی آبادی کا ساٹھ فیصد صحت کی سہولتوں سے محروم ہے، اور چالیس فیصد کو علاج معالجے کی جو سہولتیں فراہم ہیں انہیں معیاری سہولتیں نہیں کہا جاسکتا۔

المناک بات یہ ہے کہ پاکستان میں پینے کا صاف پانی بھی لاپتا ہے۔ ایک خبر کے مطابق ملک کی ساٹھ فیصد آبادی کو پینے کا صاف پانی دستیاب نہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کے حکمران طبقے نے پاکستان کو واقعتاً ''لاپتانستان'' بنادیا ہے۔

☆☆☆☆☆

پھر حشر کے ساماں ہوئے ایوانِ ہوس میں
بیٹھے ہیں ذوی العدل، گنہگار کھڑے ہیں

ہاں جرمِ وفا دیکھیے کس کس پہ ہے ثابت
وہ سارے خطا کار سرِ دار کھڑے ہیں

خونیں جنوری

اشفاق گُریزی

۱۹۸۹ء میں کشمیر میں عوامی جہادی تحریک کی شروعات نے بھارتی سامراج کی بنیاد ہلا دی تھی۔ کشمیری مجاہدین نے بھارت کی نیندیں اڑادی تھیں اور حال یہ تھا کہ بھارت کو کسی کشمیری پر بھی بھروسہ نہ تھا کہ وہ اس کا ساتھ دے گا۔ مستقبل میں نزدیک آتی شکست کو دیکھ کر بھارتی ہندو قابض فوج نے اپنی درندہ نما خصلتیں دکھانا شروع کیں اور اگلے کئی سال اس کی بہت سی مثالیں کشمیر میں دکھائی دیں۔

شروعات جنوری ۱۹۹۰ میں ہوئی جب سرینگر کے گاؤ کدل میں قابض بھارتی فوج نے پچاس (۵۰) سے زائد مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

۲۱ جنوری ۱۹۹۰ء کو کشمیر کے مرکزی شہر سرینگر میں اسلام اور آزادی کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے ایک جلوس نکالا گیا۔ اس میں سرینگر شہر کے کئی علاقوں کے لوگ شریک تھے۔ کچھ دن پہلے مشرک ہندو فوجی مجاہدین کو ڈھونڈنے کے بہانے سے سرینگر کے چوٹا بازار علاقے میں لوگوں کے گھروں میں داخل ہوئے تھے اور مسلمان خواتین کی عصمت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کے علاوہ توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔ غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں نے مشرک ہندو فوج کے خلاف جلوس کی صورت میں احتجاج کیا اور یہ جلوس اب سرینگر کے لال چوک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلوس جیسے ہی لال چوک کے نزدیکی علاقے گاؤ کدل (پل) پر پہنچا تو پل کے دوسری طرف کھڑی ہندو فوج نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ایک کے اوپر ایک کلمہ گو مسلمان مرد اور خواتین دم توڑتے رہے۔ فائرنگ کے دوران ایک غیور جوان ہندو فوج کی LMG (لائٹ مشین گن) پر چڑھ گیا اور شجاعت کی عظیم مثال رقم کرکے جام شہادت نوش کر گیا۔ لوگ زخموں سے چیخ رہے تھے، ایسے میں قابض ہندو فوجی نزدیک آئے اور جس جس کو زندہ پایا اس کے سر پر فائر کرکے اس کو شہید کر دیا۔ پل پر جوتوں اور چپلوں کا ڈھیر تھا اور قتل عام کی واضح صورت دور سے دکھ رہی تھی۔

اس قتل عام میں قریباً پچاس (۵۰) مسلمان مرد اور خواتین شہید ہوئے اور اور قریباً تین سو (۳۰۰) زخمی ہوئے۔ کشمیر کی تاریخ میں اس قتل عام کو گاؤکدل قتل عام سے یاد کیا جاتا ہے۔

گاؤ کدل قتل عام کی خبر پورے جموں اور کشمیر میں پھیلی اور ہر علاقے میں لوگ سڑکوں پر احتجاج کرنے نکلے۔ ۲۵ جنوری ۱۹۹۰ء کو شمالی کشمیر کے ہندوارہ میں بھی مسلمان سڑکوں پر نکل آئے اور گاؤ کدل کے شہدا کے حق میں اور بھارت کے خلاف نعرے لگائے۔ ہندوارہ کے مختلف علاقوں سے لوگ جلوس کی صورت میں ٹاؤن کے مرکز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مرکز میں پہنچتے ہی قابض ہندو فوجی وہاں پہنچے اور لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ نہتے مسلمانوں نے پتھروں سے لڑنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور قریباً تیس (۳۰) مسلمان شہید اور اسّی (۸۰) کے قریب زخمی ہوئے۔ ہندو فوج نے گاؤ کدل کی ترتیب پھر سے ہندوارہ میں دہرائی اور فائرنگ کے بعد دیکھتے کہ جو زندہ بچا ہے اس کو شہید کر دیتے۔

شمالی کشمیر میں سوپور ہمیشہ سے مجاہدین کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور سوپور کے مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی جان اور مال سے جہاد کی خدمت کی ہے۔ ۶ جنوری ۱۹۹۳ء کو سوپور میں مجاہدین ہندو مشرک فوج پر ایک کارروائی کی جس میں کچھ ہندو فوجی مارے گئے اور مجاہدین کو دشمن کی ایک بندوق بھی بطورِ غنیمت ملی۔ بزدل ہندو فوج نے اس کا انتقام مسلمان عوام سے لیا اور آگ اور خون کی بارش برسادی۔

کارروائی کے بعد مشرک ہندو فوج بوکھلا گئی اور نہتے لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کی اور بازار میں میں آگ لگا دی۔ ہندو فوج نے ایک بس کو روک کر اس کے ڈرائیور سمیت باقی مسافروں کو شہید کر دیا۔ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ بس میں موجود تھا، ہندو فوجیوں نے بس کے اندر جاکر گولیاں چلائی۔ اس شخص کی ٹانگ میں گولی لگی تھی جب اس نے اپنی بیوی کو دیکھا تو وہ شہید ہو چکی تھی۔

ہندو فوج کی درندگی عروج پر تھی اور انہوں نے کئی مکانوں اور دکانوں پر گن پاؤڈر چھڑک دیا اور انہیں آگ لگا دی۔ قریباً چار سو (۴۰۰) دکانوں اور کاروباری ادارے اور ستّر (۷۰) کے قریب رہائشی مکان ہندو فوج کی لگائی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔

ایک چشم دید گواہ اس منظر کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کو یہ منظر آج بھی خوف زدہ کر دیتا ہے جب اس نے ایک دکان میں ایک شخص کو جلتے ہوئے دیکھا.....اس کے سر کو آگ لگی ہوئی تھی اور ایک ہندو فوجی افسر اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا کہ اس کو گولی مت مارو یہ جلد ہی مر جائے گا۔

ایک دکان سے دکان کے مالک اور اس کے ملازم کے جلے ہوئے جسد ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ملے اور بہت کوششوں کے بعد بھی ان کو الگ نہ کر پائے اور بالآخر ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

اس پورے واقعے کو سوپور قتل عام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں قریباً ساٹھ (۶۰) مسلمان شہید، درجنوں زخمی ہوئے اور کئی کروڑ روپے کے کاروبار اور مکان جل کر تباہ ہو گئے۔

ہندو مشرک فوج کے ظلم و جبر اور درندگی کے مظاہر اس سے پہلے اور خصوصاً اس کے بعد بھی دیکھنے کو ملتے رہے۔ جموں و کشمیر کا کوئی ایسا ضلع نہیں ہے جہاں پر ہندو مشرک فوج نے ظلم کا بازار گرم نہ کیا ہو۔ بنیادی طور پر اس بزدل فوج نے ہمیشہ ہی نہتے عوام پر اپنی 'بہادری' دکھائی ہے، جب کہ مجاہدین کا سامنا کرنے سے یہ خوف کھاتے ہیں۔ کشمیر میں بہنے والے ملّتِ اسلام کے ہر فرد کے خون کا قصاص لینا مجاہدین پر فرض ہے۔ مومنین کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچانا ان پر قرض ہے۔ امّت مسلمہ کے بیٹوں پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ممکن وسیلے سے اپنے کشمیری بھائیوں اور بہنوں کی نصرت کریں جو دس لاکھ سے زیادہ ہندو مشرک فوج کے محاصرے میں ظلم کا شکار ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: خیالات کا ماہنامچہ

اب مجاہدینِ صومالیہ کی بڑھتی پیش قدمی کو روکنے کے لیے پورا عالَمِ صلیب و صہیون حرکت میں ہے۔

ترکی نے براہِ راست خود مجاہدینِ صومالیہ کے تعاقب کی غرض سے ماہِ جنوری ۲۰۲۲ء کے شروع میں اپنے ڈرون طیارے کی تجرباتی پرواز شروع کی ہے۔ جبکہ خبر رساں ادارے 'Hiraan' کے مطابق دسمبر ۲۰۲۱ء کے شروع میں امریکی نواز و وفادار صومالی فوج کو ترکی نے اپنے ڈرون طیاروں کا پورا دستہ فراہم کیا تھا جو اس وقت صومالیہ کی فضاؤں میں اڑ رہا ہے۔

خواب کی تصویر پر یقین کیجیے یا حقیقت کی تصویر دیکھیے اور وہ انگریزی ضرب المثل یاد رکھیے کہ 'A picture speaks a thousand words!'، ایک تصویر کی تاثیر ہزاروں الفاظ پر بھاری ہوتی ہے۔

کہا تو اقبالؒ نے مصطفیٰ کمال اتاترک کے بارے میں تھا، لیکن اب سوچیے کہ یہ کام کون کر رہا ہے:

چاک کر دی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ[1]

☆☆☆☆☆

مادیت نہیں ایمان کی طرف توجہ دیجیے!

"یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہیے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت کم ہو گیا ہے، گویا نہیں رہا ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی ہیں۔"

(مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ)

[1] نجانے یہاں 'سادہ' کون ہے، 'مسلم' کون، 'اور' کون اور 'عیار' کون؟

شہید ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ

عمر فاروق خراسانی

آپ کا اصل نام ثناء اللہ تھا اور آپ کا تعلق شہر کراچی سے تھا۔ آپ جامعہ کراچی میں اپنی تعلیم فن وہنر کو جاری رکھے ہوئے تھے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت آپ کے کانوں تک پہنچی۔ اس آفاقی دعوت کا پہنچنا تھا کہ آپ نے بلا تردد اس پکار پر لبیک کہا اور اپنے روشن مستقبل کو اپنے پاؤں سے کچلتے ہوئے، امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن مستقبل کے لیے نکل پڑے۔ دراصل آپ جان چکے تھے کہ جب تک اس امت کی ماؤں بہنوں کی عزتیں محفوظ نہیں، جب تک زمین پر قرآن وسنت کی بالادستی نہیں، جب تک شعائر اسلام محفوظ نہیں، جب تک زمین پر کفر کی حاکمیت ختم نہیں ہو جاتی، جب تک ہر سمت اسلام کا بول بالا نہیں ہو جاتا ہے، جب تک یہ امت شریعت کی بہاریں نہیں دیکھ لیتی، اس وقت تک سکون و آرام کیسا؟

ایسے میں مکتب علم وفن کو جاری رکھنا کہاں کی عقل مندی؟ آپ اس امت کے مستقبل پر اپنا مستقبل قربان کر آئے کیونکہ کے یہ امت جسد واحد کی مانند ہے اس امت کے مستقبل سے وابستہ آپ کا مستقبل ہے، اس امت کا غم آپ کا غم بن گیا تھا، اس امت کے دکھ کو آپ اپنا دکھ سمجھتے، اس امت کے زخموں کو آپ اپنے زخم جانتے:

عشق کا وعدہ ہم نے پورا اے رب غفار کیا
قرآن کو آنکھوں میں بسایا احمدؐ کو سالار کیا
پیش کیے ہر ایک نے دعوے ہم نے مگر کردار کیا
اک تھا خزینہ جاں سو اس کو تیری راہ میں باج کیا
ہم نے اس امت کے کل پر قرباں اپنا آج کیا

اچھے قد، مضبوط جسم، گوری رنگت کے مالک ثناء بھائی انتہائی بہادر اور نڈر انسان تھے۔ اسلحے سے بے پناہ محبت رکھنے والے تھے۔ شہر کراچی میں ہوتے ہوئے بھی آپ اپنا ذاتی پستول نائن ایم ایم اسٹوگر اپنے پاس رکھتے، یہاں تک کہ جب آپ نے سرزمین ہجرت کی جانب سفر شروع کیا تو یہ پستول آپ ساتھ لے کر آئے۔ آپ کے سفر میں ایک دلچسپ واقعہ بھی پیش آیا جو مختصراً قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ سفر جہاد شروع کرنے سے پہلے ہر مجاہد کی طرح آپ کو بھی ضروری ہدایات دی گئی تھیں کہ امنیت (حفاظتی تدابیر) کے برخلاف کوئی چیز اپنے ساتھ سفر میں نہ رکھیں، مثلاً جہادی ترانے، جہادی ویڈیو، جہادی لٹریچر وغیرہ یا اس طرح کی کوئی اور چیز۔ خیر سفر شروع ہوا۔ جب آپ پنجاب میں داخل ہوئے تو ایک مقام پر چیک پوسٹ پر سخت تلاشی جاری تھی۔ نہ جانے آپ کو کیا شرارت سوجھی، آپ نے امیر سفر کو بتایا کہ بھائی تلاشی سخت ہے۔ امیر صاحب بے چارے فوراً بولے بھائی آپ اپنے حواس قابو میں رکھیں اور یہ بتائیں آپ کے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں جس سے شک ہو کہ آپ مجاہد ہیں۔ تو ثناء بھائی بولے نہیں امیر صاحب آپ غم نہ کریں صرف نائن ایم ایم پستول ہے بمع گولیوں کے اور کچھ نہیں۔ یہ سننا تھا کہ امیر صاحب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور ثناء بھائی کو ڈانٹتے ہوئے بولے بھائی آپ کو بتایا گیا تھا کہ ایسی چیز سفر میں نہ رکھیں، پھر آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ ثناء اللہ بھائی بات سن کر مسکرانے لگے اور امیر صاحب کو بتانے لگے بھائی آپ غم نہ کریں یہ پستول لائسنس والا ہے۔

ثناء بھائی غیرتِ ایمانی سے سرشار ایک پرعزم نوجوان تھے، جن کے دل میں اللہ رب العزت نے اپنے دین کی محبت بچپن ہی سے بھر رکھی تھی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ نے دعوت الی اللہ کی جدوجہد میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ آپ نوجوانوں کو برائی سے روکنے والے اور معروف کی دعوت دینے والے تھے۔ آپ کا شمار ان اہل ایمان میں ہوتا ہے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے برائی کو ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ایمان کے اولین درجے پر فائز رہیں۔ مفہوم حدیث ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ”جب تم برائی ہوتے دیکھو تو اسے ہاتھ سے روکو کیونکہ یہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، اگر تم اسے ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ پاؤ تو اسے زبان سے روکو، اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو برائی کو دل میں برا جانو کیونکہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

آپ جس دینی طلبہ تنظیم سے وابستہ تھے تو اس کے ایک غیر رسمی یونٹ تھنڈر اسکواڈ کے فعال رکن تھے۔ آپ نے قومیت وعصبیت کی بنا پر ظلم کرتے کئی ایم کیو ایم کے غنڈوں سے نبٹا۔ جب تک آپ کراچی یونیورسٹی میں تھے اے پی ایم ایس او والے آپ کے نام سے بھی خوف کھاتے۔

ثناء اللہ بھائی کے ساتھ میدان جہاد میں وقت تو نہیں گزرا مگر جہاد سے پہلے کے تعلقات میں جتنا انہیں جانا پرکھا تو بہترین اخلاق، بلند عزم، جواں ہمت، خود اعتماد، بھرپور قوتِ فیصلہ، قربانی و ایثار کرنے والا پایا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے راہیوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ قتال کے میدانوں میں قدم رکھیں اور انہیں بندوق تھمائی جائے تاکہ وہ عَدُو اللہ سے اپنے دین وملت کا انتقام لیں اور مسلم سرزمینوں کا دفاع کرتے ہوئے اپنی یہ قیمتی متاع اللہ رب العزت کی راہ میں وار دیں اور پھر وہ خود جنت کے بالاخانوں میں اڑتے پھریں۔ مگر ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی یہ خواہش جلد پوری نہیں ہوتی بہت سے مجاہدین کو اس تمغۂ شہادت کو سینے پر سجانے کے لیے بہت

جتن کرنے پڑتے ہیں، کئی معرکوں سے گزرنا پڑتا ہے، بہت سی تکالیف و آزمائش کے امتحان پاس کرنے پڑتے ہیں، سالوں تلک سنگلاخ پہاڑوں، گھنے جنگلوں، ویران دشتوں میں اس جامِ حسین کی خاطر سرگرداں رہنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر وہ حور عینا ریشمی رومال ہاتھوں میں لیے اس مجاہد کو بانہوں میں سمانے آتی ہے۔ ہاں بہت سے خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی بس ان کی ابتدائی آزمائش و قربانی ہی اللہ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا ہر سمت سے گھیرے ہوتی ہے دنیا کی ہر سہولت جنہیں میسر ہوتی ہے جو اپنے روشن مستقبل کی فکر میں مگن ہوتے ہیں مگر ربِّ کعبہ کی ایک پکار پر سب کچھ تج کے امت مسلمہ کے روشن مستقبل کی خاطر نکل پڑتے ہیں۔ بس ان کا یہی اصل امتحان ربِّ کعبہ کو خوش کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں بہت زیادہ نہیں تھکاتے، یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ عمل کم کیا اور اجر خوب سمیٹا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبیٔ ملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوہے کی ٹوپی (جنگی ٹوپی) پہن کر حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلے اسلام لاؤں یا قتال کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلے اسلام قبول کرو، چنانچہ اس شخص نے اسلام قبول کیا (پھر اسی وقت) اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہو گیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمل کم کیا اور اجر زیادہ پا گیا۔ (صحیح بخاری)

۱۱ دسمبر ۲۰۰۸ء، بروز جمعرات بمطابق ۱۳ ذوالحجہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت اپنے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے لاکھوں جانور اللہ کی راہ میں قربان کر چکی تو کچھ عاشقانِ خدا اپنی جانوں کی قربانی دینے مقتل گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ قربانی کے جانور تو انہوں نے بھی ذبح کیے تھے مگر یہ لوگ یہ جان چکے تھے اس قربانی سے امت کے زخموں کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس امت محمدیہ کے دامن کو خوشیوں سے بھرنا ہے، اس امت کو غموں سے نجات دلانی ہے، اس امت کو تابندہ ورخشندہ مستقبل کی طرف لے جانا ہے تو اپنی عزیز ترین متاع اس رب العزت کی راہ میں قربان کرنی ہو گی جو ہر چیز سے واقف ہے۔

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ (سورۃ آلِ عمران: ۹۲)

”جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہر گز بھلائی نہ پاؤ گے، اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔“

بھائی ثناء اللہ سمیت گلدستۂ جہاد کے چھ موتی جو کے بہت ہی انمول اور نایاب تھے، جن سے ان کے امرائے جہاد کو بہت سی امیدیں وابستہ تھیں، سب ہی راہِ جہاد کے نئے نئے شہسوار تھے۔ انہیں جہاد میں ابھی بہت زیادہ وقت نہ گزرا تھا اور شہادت کی طلب سبھی کے سینوں میں موجزن تھی۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر شہادت کا متمنی تھا۔ ان میں چار تو دعوتی میدان میں بھی ایک ساتھ رہے تھے۔ یہ سب ساتھی دشمن سے بچتے ہوئے رات کے اندھیرے میں جنوبی وزیرستان کے علاقے اعظم ورسک میں ایک نئے مرکز میں منتقل ہوئے کہ یہاں انہوں نے ایک شرعی دورے میں شامل ہونا تھا۔ فضا میں گھومتے ڈرون طیاروں کو چلانے والی امریکی فورسز کو پاکستانی فوج کے کسی ایمان فروش جاسوس نے مخبری کی اور رات گیارہ سے بارہ بجے کے درمیان ڈرون طیارے نے ساتھیوں کے مرکز پر میزائل فائر کیے جس سے یہ مرکز ملبے کے ڈھیر میں بدل گیا اور اس میں موجود سب ساتھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں کہ دنیا میں بھی ساتھ جیے اور شہادت بھی ایک ساتھ پائی۔ سبھی کے جذبے سچے تھے سبھی کی تڑپ دیدنی تھی، اللہ نے سبھی کو یک جا شہادت سے سرفراز کیا (نحسبه كذالك والله حسيبه)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کو شہید ہوتے وقت اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے درد ہوتا ہے۔ (ترمذی)

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ثناء اللہ بھائی سمیت تمام شہدا کو قبول فرمائیں اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، ہمارے ان بھائیوں کے خون کو صبحِ نو کی آمد کا ذریعہ بنائیں، آمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: سحر ہونے کو ہے

نور بے ساختہ آگے ہو کر بیٹھ گئی اور اپنا نقاب درست کرنے لگی۔ ان کی گاڑی ایک چوکی پر رک گئی۔ چوکی کے دونوں اطراف ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھامے مجاہدین گاڑیوں کی تلاشی لے رہے تھے۔

”السلام علیکم!“ عبادہ نے شیشہ نیچے کر کے مصافحے کے لیے ہاتھ باہر نکالا۔

”اوہ امیر صاحب آپ؟ السلام علیکم! کیسے احوال ہیں؟“ وہ گارڈ شاید اس کو پہچان گیا تھا۔

الحمد للہ ٹھیک ٹھاک ہیں!...... بھائی ذرا اپنی رفتار بڑھائیں تا کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو...... اور بلاوجہ کسی کو مت روکیں...... جب تک کسی پر شک نہ ہو!“

”صحیح!“ وہ گارڈ کہتا ہوا دوسرے ساتھیوں کو عبادہ کی ہدایات پہنچانے چلا گیا۔ عبادہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

دن معمول کے مطابق گزرنے لگے۔ مجاہدین سمٹ گئے تھے۔ البتہ ان کے علاقے ابھی بھی جھنگ تک پھیلے ہوئے تھے۔ جہاں جہاں قبضہ ہوتا، وہاں شریعت نافذ ہو جاتی تھی اور وہاں کی عوام کافی خوش تھی۔ عبادہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ مجاہدین کے زیر انتظام علاقے اس کو ضرور دکھائے گا۔

رمضان کی آمد آمد تھی۔ سب زور وشور سے تیاریوں میں مصروف تھے۔

ابو بکر اکثر گھر سے باہر ہی رہتا۔ عبادہ البتہ مہینہ میں صرف پندرہ دن گھر میں رہتا اور کبھی تو پورے ایک ماہ کے لیے بھی چلا جاتا، اور پورے گھر کو اداس کر جاتا۔

☆☆☆☆☆

"اف!..... کیا مصیبت ہے؟" عبادہ نے کوئی چوتھی بار اپنی تحریر پر بڑا سا کاٹا مارا۔ "ایک لائن نہیں لکھی جا رہی!..... نور! تم تھوڑی دیر خاموش ہو جاؤ!"

وہ زچ ہو کر بولا۔

"عبادہ!..... میں تو پچھلے آدھے گھنٹے سے خاموش ہوں اور آپ کو ایک لائن لکھنے کی کوشش میں ناکام ہوتا دیکھ رہی ہوں!" نور کی پیشانی پر لکیریں ابھریں، "کوئی پریشانی ہے؟"

عبادہ خاموش رہا۔ نور نے بھی خاموش رہنا ہی بہتر جانا۔ شاید وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"نور!" آخر کافی دیر کی ناکامی کے باعث اس نے قلم اور کاغذ پرے پھینکا اور نور کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی؟"

"ایک بات بتانے لگا ہوں..... وعدہ کرو کسی کو نہیں بتاؤ گی!" عبادہ دھیمی آواز میں بولا۔ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ماما اور جیا کو بھی نہیں؟ ابو بکر کو بھی نہیں؟"

"ان شاء اللہ نہیں بتاؤں گی" انجانے خوف کے تحت نور کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

"میری جان خطرے میں ہے نور!..... مجھے شاید کچھ عرصہ کے لیے روپوش ہونا پڑے!" عبادہ کی بات سن کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ "اصل میں ایک بہت قریبی ساتھی گرفتار ہوا ہے..... وہ ساتھی میرا اور ہمارے امیر صاحب کا مراسل تھا..... امریکی شاید امیر صاحب یا پھر مجھے پکڑنا چاہ رہے ہیں اور وہ چند دنوں میں ہی چھاپہ مار سکتے ہیں..... مگر تم نے یہ بات ماما کو ہرگز نہیں بتانی..... وقت آنے پر میں خود بتا دوں گا!..... شاید ہمیں بارڈر کے قریب شفٹ ہونا پڑے..... تم رہ لو گی وہاں..... وہاں حالات کافی مشکل ہوتے ہیں!"

نور کا حلق بالکل خشک ہو رہا تھا۔ اس نے بمشکل اپنا سر ہلایا۔

"زیادہ پریشان نہ ہونا! اس گھر میں ہم ابھی شفٹ ہوئے ہیں..... اس ساتھی کو اس گھر کا نہیں پتہ ان شاء اللہ..... اصل میں اس ساتھی کی گرفتاری سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ہم دونوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں!" عبادہ نے گویا اس کی تسلی کروانے کی کوشش کی۔

"اچھا!" وہ جواب میں بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"اوہ نماز کا وقت ہو گیا ہے!" عبادہ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور نماز کی تیاری کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆

رات کے ایک بج رہے تھے۔ نور کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھی مگر نیند ابھی بھی اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ جب آنکھیں بند کرتی تو اماں، بابا جانی، ہاجر، سعد اور مصعب کی شکلیں آنکھوں کے سامنے آنے لگتیں۔ اس نے ایک نظر گہری نیند سوتے عبادہ پر ڈالی۔ دل میں خیال آیا کہ اس کو جگا دے مگر پھر خیال جھٹک کر بستر سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ ٹیرس کا دروازہ کھلا تھا، چاند نظر آ رہا تھا۔ اس کے قدم بے اختیار اس طرف اٹھ گئے۔ باہر ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا بالکل اس کے دل کی طرح۔ وہ وہیں بیٹھ گئی اور آسمان پر ستارے گننے لگی۔

☆☆☆☆☆

عبادہ کی آنکھ کھلی تو نور کو نہ پا کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر خیال آیا کہ کہیں گئی ہو گی، ابھی آ جائے گی۔ گھڑی رات کے ڈیڑھ بجا رہی تھی۔ اس نے کروٹ بدلی اور دوبارہ سو گیا۔

اب کی بار آنکھ کھلی تو ڈھائی بج چکے تھے اور نور ابھی بھی نہیں آئی تھی۔ عبادہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

"نور؟" اس نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے جھٹکا کھا کر سر اٹھایا اور کرسی سے گرتے گرتے بچی۔

"اوہ خدایا! میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتا تھا!" وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ عبادہ اس کے سامنے زمین پر ہی پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

''نور! کیا ہوا ہے؟ یہاں کیوں آگئی ہو؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔ نور فوراً اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

''مجھے اماں، بابا جانی، ہاجر، سعد اور مصعب یاد آرہے ہیں!..... مجھ سے سویا نہیں جارہا تھا!'' وہ پھر روتے ہوئے بولی۔ عبادہ نے خاموشی سے سر جھکالیا۔ ''عبادہ! پتہ ہے شیطان مجھے بار بار کیا سکھاتا ہے؟..... بار بار وسوسہ آتا ہے کہ اگر آپ جیسے نوجوان جہاد نہ کرتے اور شریعت کے نفاذ کا مطالبہ نہ کرتے تو میرے ماں باپ زندہ ہوتے!''

''اندر چل کر بیٹھو! میں تمہیں سب کچھ سمجھاتا ہوں!'' عبادہ اٹھتے ہوئے بولا مگر نور نے اس کی قمیض پکڑلی جس کی وجہ سے وہ اٹھ نہ سکا اور دوبارہ بیٹھ گیا۔

''نہیں عبادہ! میں نے اندر نہیں جانا!..... میرے دل کو کچھ ہوتا ہے!'' وہ مچل کر بولی۔

اچھا چلو ایک اور آئیڈیا آیا!'' اچانک عبادہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''تم عبایا پہن کر آجاؤ!..... میں تمہیں سیر کروا کر لاتا ہوں!''

''اتنی رات کو؟'' نور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تو کیا ہوا؟'' وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں بھی کچھ فریش ہو جاؤں گا!''

نور بھی چپل پہن کر کھڑی ہو گئی اور عبادہ کے پیچھے ہی اندر آگئی۔ عبادہ گاڑی کی چابی اٹھائے آہستہ سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ اتنے میں نور بھی عبایا پہن کر آگئی۔

''آہستہ اترو! ماما نہ جاگ جائیں!'' عبادہ نے سرگوشی کی تو وہ بھی قدم آہستہ آہستہ اٹھانے لگی۔ اس کے چہرے پر اب رونق آچکی تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر عبادہ نے ہینڈ بریک کھول دی مگر گاڑی سٹارٹ نہ کی، مبادہ کوئی جاگ نہ جائے۔ ڈھلوان ہونے کی وجہ سے گاڑی آرام سے نیچے اتر گئی۔ گیٹ سے نکل کر عبادہ نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ نور شیشہ کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ رات کے اندھیرے میں ستارے چمک رہے تھے۔ سرد ہوا کے جھونکے نور کے جسم میں سنسنی دوڑانے لگے تو اس نے شیشہ بند کر دیا۔

''کہاں جارہے ہیں؟'' نور نے عبادہ کی طرف رخ موڑا۔

''کسی پارک میں چل کر بیٹھتے ہیں!'' عبادہ پھر مسکرا کر بولا۔ اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ آج شرارت کے موڈ میں ہے۔

''مگر اگر کسی گارڈ شارڈ نے ہمیں دیکھ لیا؟ اگر پکڑے گئے تو؟'' نور سہم کر بولی۔

''خیر ہے..... کبھی کبھی خطرناک کام بھی کر لینے چاہیے!'' عبادہ ہنس دیا۔

☆☆☆☆☆

گاڑی ایک پارک کے سامنے رک گئی۔ پارک کا دروازہ بند تھا۔ نور نے عبادہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرارت کے آثار تھے۔ اس نے نور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ایک جنگلے کی طرف بڑھ گیا۔ جنگلا زیادہ اونچا نہ تھا اور کوئی بھی آسانی سے پھلانگ سکتا تھا۔

''چلو بھئی اس پر چڑھو!..... میں تمہارے پیچھے آتا ہوں! تم تو ویسے بھی بچپن میں درخت پر چڑھنے میں ماہر تھی!'' عبادہ اس کو ہدایات دینے لگا۔

''عبادہ؟ اگر ہم پکڑے گئے تو؟''

''ارے کونسا کوئی غلط کام کر رہے ہیں؟..... ویسے بھی کبھی کبھار بچپن کی یاد تازہ کرنے سے انسان تازہ دم ہو جاتا ہے!'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

آخر نور ڈرتے ڈرتے جنگلے پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئی۔ عبادہ نے بھی فوراً اس کی پیروی کی اور پارک کے اندر کود گیا۔

''چلو ایک طرف چل کر بیٹھتے ہیں اور تمہاری بات سنتے ہیں!'' وہ دونوں چلتے ہوئے ایک نسبتاً چھپے ہوئے حصے کی طرف آگئے اور بینچ پر بیٹھ گئے۔

''یہاں نہیں!..... نیچے!'' نور بینچ سے اٹھ کر زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ عبادہ بھی خاموشی سے زمین پر ہی بینچ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ گھاس ہلکی ہلکی نم تھی جس کی وجہ سے دونوں کے کپڑے بھی ذرا سے نم ہو گئے۔

''اچھا تو تم یہ کہتی ہو کہ اگر جہاد نہ کرتے یا شریعت کا نعرہ نہ لگاتے تو حالات خراب نہ ہوتے اور امریکہ حملہ نہ کرتا، نہ تمہارے ماں باپ مرتے اور نہ باقی رشتہ دار شہید ہوتے؟'' عبادہ اب موضوع کی طرف آگیا تھا۔

''وسوسہ سا آتا ہے!'' نور سر جھکا کر بولی۔

''اچھا!..... دیکھو سب سے بنیادی بات تو ہے تقدیر پر ایمان..... ہم سب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو کچھ اس دنیا میں ہوتا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے اور موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہ کوئی اس سے ایک لمحہ تاخیر کر سکتا ہے اور نہ جلدی!..... تمہیں تو شکر کرنا چاہیے کہ تمہارے رشتہ دار شہید ہوئے ہیں!''

''پھر ہم امریکیوں کو کیوں بلیم (الزام) کرتے ہیں؟'' نور نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ عبادہ اس کو خوشگمیں نگاہوں سے دیکھے گیا۔ وہ گربڑا گئی۔ ''اوہ ہاں! میرا مطلب ہے کہ ہم امریکہ کو کیوں الزام دیتے ہیں اگر قسمت میں لکھا تھا تو؟'' نور نے پورا جملہ اردو میں تبدیل کیا تو عبادہ مطمئن ہو گیا۔ دراصل اس کو اردو کے ساتھ انگریزی گڈمڈ کرنا بہت برا لگتا تھا اور وہ اس کو مرعوب ذہن کی علامت بتاتا تھا۔

”دیکھو قاتل مقتول کو وقت سے پہلے موت نہیں دے سکتا..... مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا اختیار دیا ہے کہ وہ گناہ کو اختیار کرے یا ثواب کو..... مثال کے طور پر تم یہ بات اس طرح سمجھو کہ ایک انسان کی تقدیر میں موت کا ایک وقت مقرر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ آیا وہ خودکشی کرے یا اس کو قدرتی موت آجائے..... اور اگر وہ خودکشی کو اختیار کرے گا تو اس کو گناہ ملے گا!..... اسی طرح جو کسی کو قتل کرے اس نے اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا ہے اور معاشرے میں انتشار کا باعث بنا ہے، اس لیے اس کو سزا ملے گی..... اسی طرح امریکہ جب ظلم کرے گا تو لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے..... یہ دنیا عالمِ اسباب ہے..... یہاں بغیر سبب کے کام نہیں ہوتے!“ عبادہ اس کو نرمی سے سمجھانے لگا۔

”اچھا یعنی جو لوگ قتل کرتے ہیں وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اس شخص کو وقت سے پہلے موت دے سکتے ہیں حالانکہ یہ نہیں ہوتا بلکہ موت اپنے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے!“ نور نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

”ہاں بالکل! میری بیگم تو کافی ذہین ہے!..... ایک ضروری بات..... تقدیر کے حوالے سے زیادہ کھود کرید اور بحث مباحثہ نہیں کرنا چاہیے..... دین میں منع ہے..... ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہی تقدیر پر ایمان نہ ہونا ہے..... جس کی وجہ سے لوگ بے چین ہوتے ہیں..... ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں..... خودکشیاں کرتے ہیں!..... البتہ ایک چیز ایسی ہے جو تقدیر کو بھی بدل سکتی ہے!..... اور وہ ہے دعا!“ وہ بولا تو نور دھیرے سے مسکرا دی۔

”چلو اب دوسری بات کی طرف آتے ہیں کہ..... اگر جہاد نہ ہو تو بتاؤں کیا ہوتا ہے؟..... بتاؤں میں کیوں جہاد پر آیا؟..... بتاؤں جہاد چھوڑنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟“

”جی بتائیں!“

”جہاد نہ ہو تو وہی ہوتا ہے جو آج کل مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے..... یعنی ہر جگہ مسلمان گائے بکریوں کی طرح ذبح ہو رہے ہیں..... پوری دنیا میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے!..... سب سے پہلی بات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ یعنی ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ [سورۃ الانفال: ۳۹]..... چنانچہ معلوم ہوا کہ جہاد رک جائے تو ساری قیادت و سیادت کفر کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جس کے نتیجے میں فتنہ یعنی کفر و شرک پھیلنے لگتا ہے!..... اسی آیت سے نفاذ شریعت کا مطالبہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے..... بات خلافت کی آگئی ہے تو ایک چیز کلیئر کر دوں..... یعنی واضح کر دوں!“ عبادہ کھسیا کر خاموش ہو گیا، نور بھی اس کی طرف دیکھ کر ہنس دی۔ ”معذرت! منہ پر چڑھے الفاظ مشکل سے ہی ہٹتے ہیں..... اچھا تو میں کہہ رہا تھا کہ چونکہ دین اسلام کے اکثر حکام کا تعلق اسلامی خلافت سے ہے..... اس لیے خلافت نہ ہونے کی وجہ سے دو تہائی دین پر عمل کرنے سے مسلمان محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے احکام نافذ کرنے کے لیے اور حدود اللہ کے نفاذ کے لیے خلافت کا قیام نہایت ضروری ہے..... اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام مسلمانوں پر جاری کرنا فرض ہے، اسی طرح خلافت قائم کرنا بھی مسلمانوں پر فرض ہے..... تاکہ یہی خلافت ان احکام کی سرپرستی کر کے انہیں نافذ کرے اور عملی نمونہ مسلمانوں کے سامنے قائم کرے۔ اسی وجہ سے قرآن و حدیث اور اجماع امت اور عقل سلیم سب اس بات پر متفق ہیں کہ قیام خلافت فرض اور واجب ہے.....“ وہ کچھ دیر سانس لینے کے لیے رکا پھر دوبارہ گویا ہوا، ”صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ..... جو شخص ایسی حالت میں انتقال کر گیا کہ اس کی گردن میں کسی خلیفہ کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مر گیا.....“ اس کی بات سن کر نور کو جھرجھری سی آگئی۔ ”مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کے احکام ایک ایک کر کے ٹوٹتے جائیں گے۔ جب ایک حکم ٹوٹ کر ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس کے قریب دوسرے حکم کو پکڑ لیں گے اور سب سے پہلے جو حکم ٹوٹے گا وہ خلافت ہے اور سب سے آخر میں ٹوٹنے والا حکم نماز ہے..... خلافت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی تجہیز و تدفین سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے خلیفہ کا چناؤ ضروری سمجھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے قیام خلافت نہایت ضروری اور واجب ہے!“ وہ خاموش ہو کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ”آج مسلمانوں کی جو حالت زار ہے وہ خلیفہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے..... ان کی بات میں کوئی وزن نہیں..... ان کے فیصلے ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ..... سات سمندر پار دور دراز علاقوں سے کیے جاتے ہیں..... غلام آقا بن گئے، آقا غلام بن گئے..... ہر طرف فساد ہے، فتنے ہیں..... نہ ایمان محفوظ ہے، نہ دنیا، نہ جان و مال، نہ عزت و آبرو کی حفاظت ہے!.....“

”مگر کیا خلافت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ جنگ اور جہاد ہی ہے؟..... جمہوریت میں کیا حرج ہے؟..... اس کے ذریعے بھی تو اسلامی نظام لایا جا سکتا تھا؟“ نور نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ سوال میری جہادی زندگی کا سب سے زیادہ پوچھا جانے والا سوال ہے!“ عبادہ مسکرایا۔ ”میرا ایک ہی جواب ہوتا ہے..... اگر رسول اللہ ﷺ نے کوئی اور طریقہ بتایا ہوتا تو ہم وہی اختیار کرتے!“

اچانک کہیں سے گارڈ کی سیٹی کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں بے ساختہ نیچے ہو گئے۔ مگر گارڈ ان کو دیکھ چکا تھا۔

اوئے کون ہو تم دونوں؟“ وہ زور سے چلایا اور پارک کا دروازہ کھولنے لگا۔

”عبادہ! بھاگیں!“ نور گھبرا کر بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا! ہم کوئی غیر قانونی کام تو نہیں کر رہے، عوامی پارک میں بیٹھے ہیں!" عبادہ اپنے ازلی بے پرواہ انداز سے مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں چوکیدار قریب آ گیا تھا۔

"اوئے کون ہو تم دونوں؟ اوئے بی بی! یہ تمہارے ساتھ آدمی کون ہے؟" چوکیدار دونوں کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے لگا۔ نور کی خوف کے مارے زبان گنگ ہو گئی۔ عبادہ نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر آگے بڑھا۔

"بھئی!..... یہ میری وائف..... اہلیہ ہیں..... میرا نام عبادہ مرتضیٰ ہے! اور یہیں ہاؤس نمبر ۲۳ میں رہتا ہوں!" عبادہ پُر اعتماد لہجے میں بولا تو چوکیدار کھسیانا سا ہو گیا۔

"اوہ عبادہ صاحب یہ آپ ہیں؟ میں احمد گل ہوں، آپ کے محلے کا چوکیدار! معاف کر دیں صاحب، میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔" وہ خفت سے بولا۔ اب کھسیانے کی باری عبادہ کی تھی۔ یہ تو اپنا جاننے والا نکلا تھا۔

"آپ اندر کیسے آئے صاحب؟"

"جنگلا پھلانگ کر!..... ذرا بچپن کی یاد تازہ کرنے کا دل کر رہا تھا..... ورنہ آپ سے کہہ کر دروازہ کھلوا سکتے تھے!"

چوکیدار ان کو سلام کر کے واپس مُڑ گیا۔ وہ دونوں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے پارک سے نکل آئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ چوکیدار دوبارہ تالا لگانے لگا۔ اس کے جاتے ہی دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ گاڑی کے شیشے چڑھا کر بے تحاشہ ہنسنے لگے۔

"تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ گھگی کیوں بندھ گئی تھی؟" عبادہ سٹیرنگ پر سر ٹکا کر ہنسنے لگا۔ "مجھے تو آج پتہ چلا ہے کہ تم چوکیداروں سے ڈرتی ہو!"

"کل پورے محلے میں مشہور ہو جائے گا کہ عبادہ صاحب اپنی بیوی کے ساتھ جنگلا پھلانگ کر رات کے تین بجے پارک میں بیٹھے تھے!" نور نے بھی شامل ہوتے ہوئے کہا۔ عبادہ کی ہنسی رک گئی۔

"اوہو! پہلے کیوں نہیں یاد کرایا؟..... اس کو منع ہی کر دیتا!"

نور ابھی بھی ہنسے جا رہی تھی۔

"اچھا اب کہاں چلنا ہے؟"

"اتنی بے عزتی کافی نہیں؟ ویسے بھی نماز کا وقت ہو گیا ہے!" نور مسکرا کر بولی تو عبادہ نے خاموشی سے سر ہلایا اور گاڑی چلا دی۔

"وہ دیکھو صبح صادق!" اچانک عبادہ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ نور کا دل ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ وہ افق پر نمودار ہوتی روشنی کی لکیر دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆☆

عبادہ کمرے میں داخل ہوا تو نور کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" نور نے چونک کر سر اٹھایا پھر دوبارہ کتاب میں غرق ہو گئی۔

"نور! میں میل چیک کرنے جا رہا ہوں..... تم نے چلنا ہے؟" عبادہ نے الماری میں سے جیکٹ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"افطاری تک آ جائیں گے؟"

"ہاں ان شاء اللہ!" عبادہ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ابھی تو افطاری میں چار گھنٹے تھے۔

"اچھا میں خالہ کو بتا کر آتی ہوں!" نور نے اٹھتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

"کوئی بھی میل نہیں آئی!" عبادہ نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ نور کھڑکی سے باہر نظارے کرنے میں مصروف تھی کہ اچانک بجلی کا ایک کوندا سا ہوا۔

"عبادہ! نیٹ ہے ناں؟"

"ہاں!"

"اس میں فیس بک بھی ہو گی!..... اوہ خدایا مجھے پہلے کیوں خیال نہ آیا؟" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ایک منٹ مجھے اپنا لیپ ٹاپ دکھائیں!"

عبادہ نے لیپ ٹاپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ نور نے فوراً نیٹ آن کیا اور فیس بک کھول لی۔ مؤمنہ قریشی، منال قریشی، بسام قریشی، سب کو ہی فیس بک استعمال کیے تین تین ماہ ہو چکے تھے۔ یعنی نئی جگہ جا کر انہوں نے فیس بک استعمال کیا تھا۔ نور پُر جوش ہو گئی۔

"مؤمنہ! میں نور ہوں! تم لوگ سب کہاں ہو؟"

"منال! تم لوگ سب کہاں ہو؟..... نور"

سب کے اکاؤنٹس پر میسیج چھوڑ کر وہ انتظار کرنے لگی مگر کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ مایوس ہو کر اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ عبادہ نے گاڑی گھر کی طرف موڑ دی۔

نور کے اصرار پر عبادہ مسلسل چار دن تک گھر سے دور جا کر فیس بک پر پیغام چیک کرتا رہا مگر کوئی بھی جواب نہ آیا۔ نور پھر مایوس ہو گئی۔

"نور! کل ان شاء اللہ میں تمہیں مجاہدین کے علاقوں میں لے کر چلوں گا!" نور کو اداس دیکھ کر عبادہ نے اس کو خوش کرنا چاہا اور کامیاب بھی ہو گیا۔ نور فوراً خوش ہو گئی اور اگلے دن کے بارے میں پلان بنانے لگی۔

☆☆☆☆☆

نور کی تیاری دیکھ کر امینہ خالہ محبت سے مسکرا رہی تھیں۔ وہ کبھی اِدھر بھاگ رہی تھی، کبھی اُدھر کیونکہ عبادہ نے کہا تھا کہ اس کو وہاں ایک ہفتہ لگ سکتا تھا اس لیے پوری تیاری کر لے۔ وہ صبح صبح نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر تیار ہو گئی تھی۔ ابو بکر آج صبح ہی امینہ خالہ کے پاس رہنے کے لیے پہنچ گیا تھا۔ عبادہ البتہ کل رات سے گھر نہ آیا تھا اور اب اس کے آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔

"خالہ! آپ بھی چلیں ناں!"

"بٹیا! مجھے گھر سے نکلنا اب بہت مشکل لگتا ہے!..... شاید بڑھاپے کی شروعات ہیں!" امینہ خالہ مسکرا دیں۔

"تو پھر جیا! تم چلی چلو!" نور کسی نہ کسی کو ساتھ لے جانے پر مصر تھی۔

"نہیں بھئی! میں بہت دیکھ چکی ہوں! تم جاؤ!"

اتنے میں باہر کا دروازہ کھلا اور عبادہ اندر داخل ہوا۔

"چلو چلیں! تیاری کر لی؟"

نور نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں امینہ خالہ کو سلام کر کے باہر کی طرف بڑھ گئے۔

امینہ خالہ کے لب ہلنے لگے۔

"فی امان اللہ! اللہ تعالیٰ تُو ہی اپنی حفاظت میں رکھنا!"

☆☆☆☆☆

گاڑی شہر سے باہر نکلی اور جی ٹی روڈ سے ہوتی ہوئی موٹروے پر چڑھ گئی۔ دھوپ کافی اچھی نکلی ہوئی تھی۔ نور پر غنودگی طاری ہونے لگی تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"عبادہ! آپ نے جہاد پر آنے کی وجہ مکمل نہیں کی!"

"اچھا!..... میں نے دو وجوہات تو تمہیں بتا دی تھیں..... ایک، تاکہ فتنہ یعنی کفر و شرک نہ پھیلے اور دوسرا اسلامی نظام کا قیام!" عبادہ ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"اور میں نے پوچھا تھا کہ کیا اس کا واحد ذریعہ جہاد ہی ہے؟"

"آج کل کے دور میں بعض اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات اور نیک نیتی سے اسلامی انقلاب کے داعی لیڈر جب دیکھتے ہیں کہ اقتدار میں آئے بغیر اسلامی نظام کی ترویج ناممکن ہے تو اس کا حل وہ یہ نکالتے ہیں کہ نیک شہرت رکھنے والے امیدوار انتخاب کے لیے نامزد کیے جائیں اور عوام میں اسلامی تعلیمات کا پرچار کر کے ایسے نیک نمائندوں کو ہر جگہ منتخب کروانے کی کوشش کی جائے..... مجھے افسوس ہے کہ میں اس بارے میں ان کی تائید نہیں کر سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ووٹوں کے ذریعے نہ آج تک اسلام آیا ہے اور نہ آئندہ آ سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انبیاءؑ اس پُر امن ذریعہ انتقال اقتدار کو ضرور استعمال کرتے۔ بنی نوع انسانی کے لیے قرآم کریم اور حضور ﷺ کی سنت سے بہتر دستور ملنا ناممکن ہے!..... اور قرآن کریم کی تبلیغ کے لیے جو اَن تھک محنت و کوشش حضور ﷺ نے فرمائی، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کو جانثار اور مخلص پیروکاروں کی ایک جماعت بھی میسر تھی..... جو اسلام کے عملی نفاذ کے لیے صرف تبلیغ و اشاعت پر ہی انحصار نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال چکے تھے۔ صحابہ کی جماعت گویا قرآنی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ تھی۔ لیکن مکہ میں تیرہ سال کی اَنتھک کوششوں کے باوجود یہ تو نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے..... جبکہ مدینہ میں ہجرت اور جہاد کے فرض ہونے کے بعد ایک اسلامی ریاست قائم ہو گئی..... یہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے..... مجھے بتاؤ جب ایک بہترین دستور بھی موجود ہو اور اس کو عملاً نافذ کرنے والی جماعت بھی مثالی کردار کی مالک ہو، وہ تو اس دستور کو کثرت رائے سے نافذ نہ کر سکی..... آج اس دور میں یہ کیونکر ممکن ہے؟" عبادہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ نور اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"باطل کبھی بھی حق کو آرام سے غلبہ نہیں پانے دے گا..... باطل کو دبانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اس کو مسلسل خوفزدہ اور دہشت زدہ رکھا جائے تاکہ ایک دفعہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ اس میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہے..... اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے صرف رائے عامہ کو تبلیغ کے ذریعہ ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب برپا کرنا..... خام خیالی ہے!..... اس کے لیے ہجرت اور جہاد جیسے ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے جیسا کہ انبیاءؑ اور مجاہدین کا دستور رہا ہے!"

"ہوں! یہ بات تو صحیح ہے!" نور دھیرے سے بولی اور پھر کھڑکی سے باہر تیزی سے گزرتا منظر دیکھنے لگی۔

”اور یہ بات تو تاریخ پر نظر رکھنے والا کوئی بھی عقل مند انسان سمجھ سکتا ہے کہ جب کسی نظام کی جگہ کوئی نیا نظام لیتا ہے تو اس کو دنیا میں اپنا مقام لڑ جھگڑ کر ہی منوانا پڑتا ہے.....“عبادہ دوبارہ بولا تو نور نے اپنا رخ کھڑکی کی طرف سے موڑا اور عبادہ کو دیکھنے لگی۔”کوئی آرام سے یہ نہیں کہتا کہ ہاں اس نئے نظام کو اپنا کر دیکھ لیتے ہیں..... پہلے سے نافذ نظام کے بدلنے کی صورت میں برسر اقتدار لوگوں کے مفادات خطرے میں پڑ جاتے ہیں..... اسلام کے علاوہ بھی پوری دنیا کی تاریخ ان مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ حتیٰ کہ کمیونزم، جمہوریت، فرنچ ریوولوشن، خلافت اسلامیہ کا سقوط، امیریکن ریوولوشن، برطانیہ کی کالونیوں کی آزادی حاصل کرنا، یہودیوں کا فلسطین میں صیہونی ریاست کا قیام، وغیرہ وغیرہ..... تاریخ میں جتنے بھی انقلابات آئے ہیں چاہے اسلامی ہوں یا کافروں کے..... کبھی جنگوں کے بغیر نہیں آئے کیونکہ کوئی بھی اپنی شہنشاہی کسی کو آرام سے نہیں دیتا بلکہ اس سے لڑ جھگڑ کر لینا پڑتا ہے! جب کوئی آپ کا حق دبا رہا ہو تو اس سے پیار محبت سے نہیں کہا جاتا بلکہ باغیرت انسان وہ کہلاتا ہے جو لڑ کر اپنا حق حاصل کرے!“

”تو کیا جمہوریت کے ذریعے اسلام نافذ نہیں ہو سکتا؟“

”نہیں جمہوریت تو اسلام کے متصادم ہے..... سب سے پہلے جمہوریت کے نظام کو دیکھ لو..... یہ تو سراسر کفریہ نظام ہے جو آج سے ہزاروں سال پہلے مشرک رومیوں نے ایجاد کیا تھا..... جمہوریت میں ووٹوں کے ذریعے فیصلے کیے جاتے ہیں..... یعنی اگر پاکستان کے ۵۱ فیصد عوام اسلام کے خلاف کوئی قانون نافذ کرنا چاہیں جبکہ ۴۹ فیصد یہ نہ چاہتے ہوں تو ۵۱ فیصد لوگوں کی بات مانی جائے گی چاہے وہ قانون اسلام کے جتنا مرضی خلاف ہو!..... دیکھو ہمارے ملکوں کے حالات یہ ہیں کہ عوام بھی مسلمان ہیں، حکمران بھی اسلام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن نفاذِ اسلام کو ضروری نہیں سمجھتا بلکہ جو بھی اس سے اس کا مطالبہ کرتا ہے، اس کے خلاف ہو جاتا ہے..... اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے حکمران قرآن وسنت کی روشنی میں کس درجے کے مسلمان ہیں؟..... آیا متقی، پرہیزگار یا فاسق، فاجر یا پھر کافر؟ کیونکہ یہاں جرم صرف یہ نہیں کہ اسلامی قانون نافذ نہیں بلکہ اصل جرم یہ ہے کہ قانونِ اسلام کے مقابلے میں قانونِ انسان نافذ ہے..... الٰہی قانون کی جگہ انسانی قانون نے لے لی ہے..... ایک مثال سے سمجھو کی کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے بجائے نماز کسی اور طریقے سے پڑھنے لگے تو اس کا کیا حکم ہو گا؟..... وہ شخص چاہے پوری نماز عربی میں پڑھ لے، کچھ اس میں اپنی مرضی سے اردو یا انگریزی ملا دے تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی؟“

”نہیں!“نور اس کا نقطہ سمجھ کر مسکرا دی۔

”میں چند آیات کے ترجمے تمہیں بتاتا ہوں:..... کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے ان قوانین کو مانا ہے جو آپ پر نازل کیے گئے ہیں اور آپ سے پہلے نازل شدہ ہیں، اس کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں، حقیقت یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دُور گمراہی میں دھکیل کر رکھ دے۔“

”دوسری آیت سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۵ ہے: نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں.....“

”اسی طرح سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی لوگ کافر ہیں..... اور اگلی آیت ہے: اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں.....“

”اف اللہ! یہ باتیں تو ہمیں کبھی معلوم نہ ہوئیں۔ صحیح کہتے ہیں ناں کہ ہر مصیبت بھی اللہ تعالیٰ کسی حکمت کے تحت بھیجتا ہے..... آج مجھ پر یہ آزمائش نہ آئی ہوتی تو میں یہاں کے بجائے کہاں ہوتی۔“نور نے بے ساختہ جھرجھری لی۔ وہ اب اس تصور سے ہی کانپ جاتی تھی۔

”قصہ مختصر، ان آیتوں کی وضاحت میں سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ محمد ابرہیم نے بہت تفصیلی فتویٰ دیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب کسی حاکم کو قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کرنے پر کافر قرار دیا ہے تو وہ شخص یقیناً کافر ہے..... لیکن کفر کی دو اقسام ہیں..... ایک اعتقادی، دوسرا عملی.....

پہلی قسم تو صریح کفر ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ حاکم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کا بالکل انکار کر دے۔ یہ شخص بلا اختلاف کافر ہو جاتا ہے.....

دوم: یہ کہ حاکم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کا انکار تو نہیں کرتا لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمانہ کے تغیر و تبدل اور حالات کے بدل جانے سے اللہ کے قانون کے مقابلے میں انسان کا وضع کردہ قانون زیادہ بہتر اور مناسب ہے، تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

سوم: یہ کہ حاکم کا عقیدہ یہ نہیں کہ بندوں کا قانون اللہ کے قانون سے بہتر ہے مگر اس کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بندوں کے قانون کے برابر ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔

چہارم: یہ کہ ایک حاکم بندوں کے قانون کو اللہ تعالیٰ کے قانون سے بہتر بھی نہیں جانتا اور اس کے برابر بھی نہیں مانتا۔ ہاں وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلے میں بندوں کا قانون نافذ کرنا جائز ہے۔ یہ بھی کفر ہے.....

پنجم: جس طرح بعض قبائل میں رواج کے تحت فیصلے کیے جاتے ہیں، یہ بھی جاہلیت کے قوانین ہیں، یہ بھی کفر ہے!" عبادہ کچھ دیر کے لیے خاموش رہا۔ نور حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ کیا بات کہہ رہا تھا!

"کفر کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کو اسلام اور ایمان سے خارج نہیں کرتی بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق کفرِ اصغر ہے یعنی کفر دون کفر ہے۔ مثلاً ایک حاکم اللہ کے قانون کو برحق مانتا ہے لیکن خواہشِ نفسانی کی وجہ سے غفلت و بدبختی میں غوطہ کھا رہا ہے..... اللہ کے حکم کے بجائے بندوں کے ایجاد کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو گناہ گار، خطاکار سمجھتا ہے..... تو یہ کفر تو نہیں البتہ معصیت، فسق اور ظالم ہے!" عبادہ وِنڈ سکرین پر نظریں ٹکائے ہوئے بولا۔

"لیکن اس حاکم کو بھی مجبور کیا جائے گا کہ وہ شرعی نظام قائم کرے ورنہ جنگ ہوگی؟" نور نے پوچھا۔

"بالکل!" عبادہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ "میرے جہاد پر آنے کی تیسری وجہ امتِ مسلمہ کی حالتِ زار ہے..... افغانستان، شام، چیچنیا، بوسنیا..... جو نام میں بولوں، تم گنتی جاؤ....." نور اس کے کہنے پر انگلیوں پر گننے لگی۔ "مشرقی ترکستان، یعنی چین کا صوبہ سنکیانگ، کشمیر، برما، مشرقی تیمور، الجزائر، فلسطین، لیبیا، مصر، یمن، بنگلہ دیش، نائجیریہ، صومالیہ، ہندوستان، وسطی افریقہ، تاجکستان، نیپال، فرانس..... کتنے ملک ہوئے؟"

اس نے نور کی انگلیوں کی طرف دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔

"بیس!"

"بیس ممالک!" عبادہ نے گہرا سانس بھرا۔ "کیا یہ کم ہیں؟"

"نہیں!..... مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"میں نے دنیا کے وہ ممالک تمہیں گنوائے ہیں جہاں پر کفر کی جانب سے مسلمانوں پر کسی نہ کسی انداز میں ظلم و ستم جاری ہے..... کہیں قتل عام کی صورت میں تو کہیں مسلمانوں پر مذہبی پابندیاں لگا کر اور کہیں تو مسلمانوں کے تشخص کو مجروح کر کے، جیسے روس نے اپنے زیرِ تسلط مسلمان ملکوں پر کیا تھا!"

"اب تو اس میں پاکستان کو بھی شامل کر لیں!" نور دکھ سے بولی۔

"ہاں! ہاں!..... پھر تو یہ اکیس ممالک ہو گئے..... سوچنے کی بات یہ ہے کہ ۴۹ مسلم ممالک کی حکومتیں ہونے کے باوجود کیا کبھی کسی حکمران نے مسلمانوں کو بچانے کے لیے کوئی سخت ردعمل دیا جس سے کفار ڈر جاتے؟..... اس کے برعکس کافروں کا ایک فرد بھی کہیں مر جائے تو پوری دنیا بلبلا اٹھتی ہے..... ہمارے مسلم حکمران تو امت کے لیے کچھ کیا کرتے، الٹا جن مٹھی بھر نوجوانوں نے یہ کوشش کی، انہیں ہی برا بنا دیا..... دہشت گرد! شدت پسند! وغیرہ وغیرہ..... تلوار کا جواب تلوار ہی سے ہوتا ہے..... کوئی شخص میرے گھر کی عزت پامال کرے، میرے بھائی کی جان، مال، آبرو سے کھیلے تو کیا میں اس مجرم کے گھر کے سامنے بینر (Banner) اٹھا کر پُرامن طریقے سے احتجاج کروں گا؟..... نہیں بلکہ اگر میں باغیرت انسان ہوں تو میری انسانی غیرت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ میں اس شخص کا آگے بڑھ کر ہاتھ روکوں اور اس کو ایسا کڑا جواب دوں کہ وہ آئندہ ایسا کرنے کی ہمت بھی نہ کرے..... ہر شخص سے بات کرنے کے لیے اس کی زبان سیکھی جاتی ہے ناں؟" اس نے نور کی طرف دیکھا جو بغور اس کی بات سن رہی تھی۔

"تو اس وقت بھی صورتحال کچھ یوں ہے کہ کفار ہمارے ساتھ تشدد کی زبان میں بات کر رہے ہیں..... پوری دنیا میں مختلف رُوپوں میں ظلم و ستم..... تلوار اور اسلحے، خوف و ہراس کے ذریعے ہمیں دبا رہے ہیں!..... اس لیے ہمیں بھی ان ہی کی زبان سیکھنا پڑے گی تاکہ ہم ان کو ان ہی کی زبان میں جواب دے سکیں۔"

"ہوں! اچھا پوائنٹ ہے!"

"چوتھی وجہ اللہ کا خوف اور فرض کی پکار..... اور اگر اس کو میں پہلی اور سب سے اصل وجہ کہوں تو صحیح ہوگا!" وہ مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر مسلمانوں کے کسی ملک یا علاقے پر کفار چڑھ دوڑیں تو اس علاقے والوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے..... جس زمین پر ایک دن بھی اسلام کا پرچم لہرایا ہو، اگر کفار کے ہاتھوں میں چلی جائے تو اس کے رہنے والے مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کی سرحدوں سے ملنے والے مسلمان ملکوں پر بھی فرض ہو جاتا ہے..... گویا سپین کے سقوط کے ساتھ ہی پوری مسلم دنیا پر جہاد فرض ہو گیا تھا..... مسلمانوں کا کوئی ایک مرد یا عورت کفار کے نرغے میں چلی جائے تو پوری دنیا کے مسلمانوں پر اس کو چھڑانا اور جہاد کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے!..... اور اس کو چھوڑنے والا ایسا ہی گناہ اور فسق میں مبتلاء ہوگا جیسے نماز چھوڑنے والا..... فرضِ عین کی صورت میں غلام آقا کی اجازت کے بغیر، بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر، اولاد ماں باپ کی اجازت کے بغیر، مقروض قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جہاد پر جا سکتا ہے!..... اوہ وہ دیکھو، شریعہ بارڈر آ گیا!" عبادہ اچانک رک گیا۔

(باقی صفحہ نمبر 101 پر)

سوشل میڈیا کی دنیا سے.....

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے ادارہ نوائے غزوۂ ہند کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

جمع و ترتیب: بشام سالِم

تین لوگ، تین کہانیاں.....احمد نورانی نے لکھا

پاکستان دنیا کا سستا ترین ملک ہے، وزیر اعظم

عدلیہ آزاد ہے، چیف جسٹس

سب کو آئین کا احترام کرنا چاہیے، آرمی چیف

شاہی سائیس.....خالد عباسی نے لکھا

انگریز نے خطے سے جانے سے پہلے اقتدار بالآخر اسی سکھا شاہی کو منتقل ہونے کے تمام انتظامات مکمل کیے جو مسجدوں میں گھوڑے باندھتی تھی اب یہ پارلیمنٹ میں گدھے باندھتی ہے۔

یہ جو نامعلوم ہیں، ہمیں سب معلوم ہیں.....مصطفیٰ نیاز نے لکھا

حکومت کی سنجیدگی اور اہلیت کا اندازہ لگائیں۔

وزارت انسانی حقوق کا لاپتہ افراد سے متعلق تیار کردہ بل ہی "لاپتہ" ہو گیا۔ شیریں مزاری کہتی ہیں بل قائمہ کمیٹی اور قومی اسمبلی سے منظور ہو چکا تھا، پھر سینیٹ میں جاتے جاتے راستے میں معلوم نہیں کہاں گم ہو گیا۔

لیکن بندہ ایمان دار ہے.....خالد مسعود نے لکھا

قرضہ بھی ڈبل لے لیا

کیا بھی کچھ نہیں

خزانہ بھی خالی ہے

دامن بھی صاف ہے

تو ہانڈی کونسا*** چاٹ رہا ہے؟!

ایجنڈا.....طاہر محمود نے لکھا

نئے پاکستان کا ایجنڈا

غریب کے لیے ڈنڈا

ڈیم کے لیے چندہ

معیشت کے لیے انڈہ

سیاسی بِٹ کوائن.....رفاقت ڈوگر نے لکھا

جہانگیر ترین نے عمران خان کو 50 لاکھ ماہانہ خرچہ دے کر کل 30 کروڑ انویسٹ کر کے صرف چینی میں 30 ارب کمایا۔

بِٹ کوائن کے بجائے کپتان کے کچن میں سرمایہ لگاؤ!

نیا پاکستان، نئے منصوبے.....صمد خالق نے لکھا

اگلے مہینے نیا سال لا رہے ہیں

خان صاحب افتتاح کریں گے!! شیخ رشید

میں نے عدیم اس کو مکرنے نہیں دیا.....یوسف سراج نے لکھا

او آئی سی کا پاکستان میں اجلاس خوش آئند ہے، اس سے پاکستان کی شان بلند ہوئی، کچھ مزید بلند ٹی وی اور اخبار کر دیں گے۔ ویسے یہ تو ہے کہ اس بار ہمیں مانگنے جانے کا خرچہ نہیں اٹھانا پڑا، اللہ بخشے دینے والے خود چل کے گھر آ گئے۔ اللہ کرے یہ واپس جا کر مکر نہ جائیں۔ خیر مکرنے ہم بھی نہیں دیں گے۔

اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
میں نے عدیم اس کو مکرنے نہیں دیا

ہونہہ، پیزا فروش جرنیل.....آفتاب نذیر نے لکھا

انڈیا کا ڈیفنس چیف پچھلے دنوں مر گیا اس کے اکاؤنٹ میں صرف تین لاکھ روپیہ اور گاؤں میں کل جائیداد چھوٹا سا مکان نکلا۔

ہمارے ایک ببر شیر جرنیل سے انڈیا کے سارے جنرل مل کر بھی مقابلہ نہیں کر سکتے ان کی دولت کا!

لاجواب منصوبے کے باکمال اثرات..... شریف اللہ محمد نے لکھا

دنیا کے سستے ترین ملک میں مہنگائی کی وجہ سے شکست ہوئی۔(پی ٹی آئی صوبائی وزیر)

یہ سیدھا سیدھا بھنگ اتھارٹی کا کیس ہے۔

معزز عدالت! تیرے احترام میں..... مہتاب عزیز خان نے لکھا

سپریم کورٹ کا حکم تھا کہ کراچی میں دفاعی مقاصد کے لیے حاصل کی گئی زمین پر بنایا گیا ایئر فورس کا کمرشل مال فی الفور گرایا جائے۔

راتوں رات اسی کمرشل عمارت سے فالکن مال کا بورڈ ہٹا کر اس پر "ایئر وار کالج" کا سٹکر لگا دیا گیا۔

فینن ازم کی ڈگڈگی..... مولانا زاہد صدیق مغل نے لکھا

صبح ایک ٹی وی چینل پر خبر چل رہی تھی کہ "فلاں شہر میں ایک خاتون نے سڑک کنارے ڈھابہ لگالیا" اور اسے "وومن امپاورمنٹ" کی ڈگڈگی بجا کر بڑے فخر سے پیش کیا جارہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جو خبر مسلمان قوم کی اخلاقی زبوں حالی کا تازیانہ بجارہی ہے اسے کیسے فخر کے ساتھ سنایا جارہا ہے۔ جس دین نے عورت کا نفقہ ہر صورت مرد پر مقرر کیا ہو اس دین کو ماننے والوں کی معاشرت میں عورت سڑکوں پر ڈھابہ لگانے پر مجبور ہو جائے تو یہ شرم کا مقام ہے یا فخر کا؟ یعنی اس معاشرے میں عورت دین کی فراہم کردہ معاشی پراٹیکشن سے محروم ہو رہی ہے اور ہم خوش ہو رہے ہیں۔

کپتان کی نام نہاد ریاست مدینہ..... ولید طیب نے لکھا

کراچی میں ایک بیکری کے ملازم نے کیک پر "میری کرسمس" لکھنے سے انکار کر دیا تو اس بیکری کا باقاعدہ میڈیا ٹرائل شروع کر دیا ہے اور بیکری کا نام لکھ لکھ کر خبریں چلائی جارہی ہیں، ریاست کا سیکولر ہو جانا اور کیا ہے کہ ایک شرکیہ تہوار کے خلاف ہونے کو بھی ایک جرم کے طرز پر ڈیل کیا جارہا ہے۔

پاکستانی سیاست کی یتیم بیوہ..... صدیق بٹ نے لکھا

"اسٹیبلشمنٹ کا ابھی بھی ہمارے سر پر ہاتھ ہے"، شیخ رشید۔

ویسے ہمارے معاشرے میں یا تو یتیم کے سر پر ہاتھ رکھا جاتا یا بیوہ کے سر پر، اپنا رتبہ خود متعین کر لیں۔

من پالشیا..... صہیب جمال نے لکھا

مسجد تو گرادی پل بھر میں عدالت کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پالیشیا ہے سینما عسکری گرا نہ سکا

رہنمائی درکار ہے..... حافظ ہشام الٰہی ظہیر نے لکھا

قربانی اور حج کے پیسوں سے غریب کی بیٹی کی شادی کرنے والے سقراط و بقراط ضرور راہنمائی فرمائیں کہ ہیپی نیو ائیر کی تقریبات کے پیسے سے غریب کی بیٹی کی شادی جائز ہے کہ نہیں؟

لیکن پھر بھی محبِ وطن..... رضوان رضی نے لکھا

ہم پاکستان کے تمام دفاعی اخراجات کی نگرانی آئی ایم ایف کو دینے کے لیے بندوق کے زور پر قانون سازی کروانے پر دفاعی قیادت کو خراج تحسین پیش کرتے تھے۔

ترقی کا راز، صفر سے آغاز..... محمد احسن نے لکھا

خان صاحب نے جرمنی اور جاپان کے ترقیاتی ماڈل کو اسٹڈی کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ملک و قوم کی ترقی کے لیے پہلے اس کا تباہ و برباد ہونا ضروری ہے۔

خدارا اب اور کچھ نہ کہیے گا..... سالار سلیمان نے لکھا

کہتے تھے ورلڈ کپ نہیں جیتے گا، جیت گیا!

کہتے تھے شوکت خانم نہیں بنا سکے گا، بنا دیا!

کہتے تھے وزیر اعظم نہیں بنے گا، بن گیا!

کہتے تھے ملک کا بیڑا غرق نہیں کرے گا، کر دیا!

☆☆☆☆☆

ہم پہ اللہ کی نصرت کے گھنے سائے ہیں!

انورؔ جمیل

کیا ہوا ظلم کے بادل بھی اگر چھائے ہیں
ہم کہاں درد کے لمحات سے گھبرائے ہیں

کہہ دو باطل سے الجھنے کی حماقت نہ کرے
زخم کیا بھول گیا جو ابھی کھائے ہیں

ہم میں ہیں ''ضربِ کلیمی'' کے وہ اندازِ جنوں
ہم تو ہر دور میں فرعون سے ٹکرائے ہیں

کیا ہوا آتش نمرود ہے ان ہاتھوں میں
ہم بھی جذباتِ براہیم اٹھا لائے ہیں

اور ہیں جن کو ارے موت سے وحشت ہو گی
ہم تو خود شوق سے مقتل میں چلے آئے ہیں

حُسنِ تاریخ کو ہم نے ہی یہ رعنائی بخشی
اس کے گیسو بھی ہمی نے ہی سلجھائے ہیں

اب بھی اسلام کو ہم دیں گے لہو کے تحفے
ہم تو حق کے لیے ہر چیز لٹا آئے ہیں

انورؔ اب پھر سے بدل دیں گے زمانے کا چلن
ہم پہ اللہ کی نصرت کے گھنے سائے ہیں

’’وادیٔ کشمیر میں عسکری تحریکِ مزاحمت کو جاری رکھنا اب ناگزیر بن چکا ہے، عسکری تحریک کے ختم ہونے کا مطلب (ہے) ہمارا وجود بحیثیت اہلِ ایمان کا خاتمہ..... کیونکہ ہماری دینی زندگی اور ایمان کا تحفظ عسکریت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ وادیٔ کشمیر میں سرکاری دہشت گردی اب ہر شعبے، محکمے، ادارے اور ہر میدان میں داخل ہو چکی ہے، عسکری مزاحمت کے لیے کوئی اٹھے یا نہ اٹھے قانونِ الٰہی اور قانونِ فطرت کا تقاضا ہے کہ یہ باطل کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرتا..... اگر قانونِ الٰہی کے مطابق باطل کا سر نہ کچلا جائے تو پھر عبادت گاہیں تک محفوظ نہیں رہ سکتیں..... اس وقت ہماری جان، ہمارا ایمان، ہماری عزت و عصمت، ہمارا مال و جائیداد، ہر ایک چیز بھارتی فوجیوں کے رحم و کرم پر ہے۔ ہمیں جہاد کو اپنی ہر صلاحیت، اپنا مال، اپنی جان اور اپنا سب کچھ دینا ہوگا..... ہمیں جہاد کو عزت دینی ہوگی پھر جہاد ہمیں وہ کچھ دے گا جس سے ہماری جان، ایمان، مال اور عزت محفوظ ہوگی!‘‘

مجاہدِ اسلام شیخ افضل گورو شہیدؒ

[آئینہ (آن لائن نسخہ)، ص ۱۴۳]